واعظ

حصہ سوم

ناشر
کتب خانہ ماہ طیبہ
کوٹلی لوہاراں سیالکوٹ

نگار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلطان الواعظین جناب مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مدیر ماہِ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

کے

مزید نئے بارہ ۱۲ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

المسمٰی بہ

واعظ

(تیسرا حصہ)

ان وعظوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ معراج شریف کمالات نبوت۔ اسوۂ حسنہ کے بیان کے علاوہ دین و دنیا کی کامیابی پانے اور شیطانی چالوں سے بچاؤ کا درس دیا گیا ہے۔ نئی تہذیب کے نقصانات اور پورے پورے مسلمان بننے کی ہدایات کے علاوہ ان میں بزرگانِ دین کی صحبت اختیار کرنے اور اچھی زندگی حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور مدلل طور پر اہلِ سنت کی تائید اور مخالفین حق کی تردید کی گئی ہے اور قرآن و احادیث و ارشاداتِ سلف کے ساتھ ساتھ سبق آموز حکایات و نتیجہ خیز لطائف بھی سنائے گئے ہیں

ناشر

کتب خانہ "ماہِ طیبہ" کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

قیمت :- پانچ روپیہ

مُصنّف
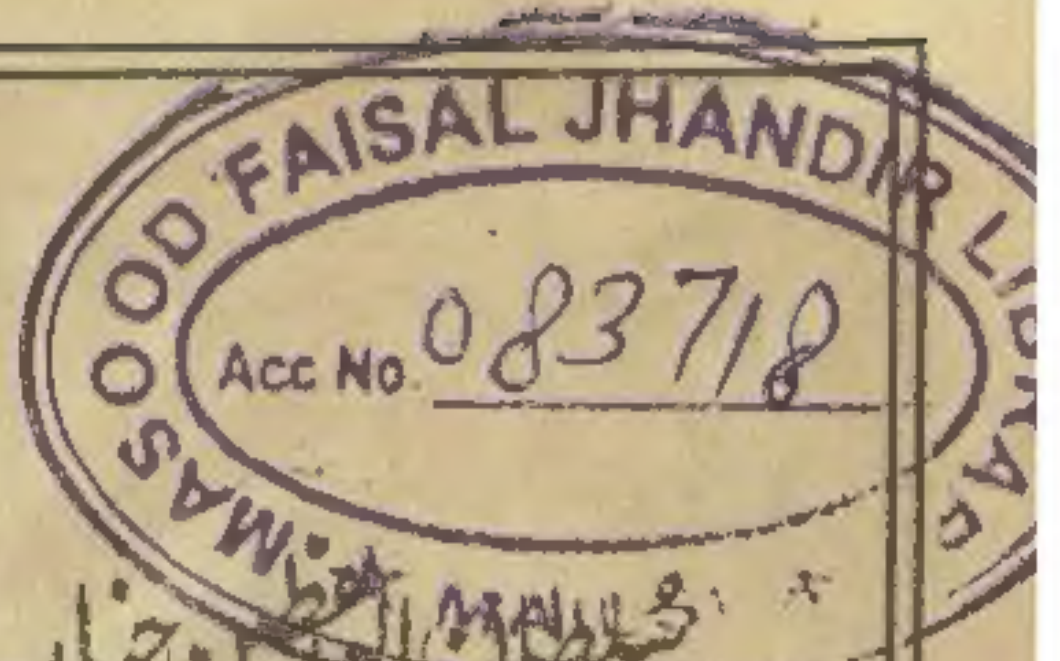
سلطان الواعظین جناب مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مدیر "ماہِ طیبہ"
کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

مُہتمم

صاحبزادہ عطاء المصطفیٰ جمیل و صاحبزادہ ضیاء المصطفیٰ

پہلا ایڈیشن

مطبع

اشرف پریس۔ ایبک روڈ۔ انار کلی۔ لاہور

قیمت۔ پانچ روپیہ
(محصول ڈاک اس کے علاوہ)

عملِ کتابت

حکیم محمد یوسف قطب رقم مکان نمبر ۱/۱۶ سیالکوٹ (روڈرس روڈ)

منگوانے کا پتہ

کتب خانہ "ماہِ طیبہ" کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

شہد

"شہد کی ایک بوند کئی مکھیوں کو پکڑ لیتی ہے
من بھر سرکہ میں ایک بھی نہیں ڈوبتی"۔

نرمی

"سخت کلمات کی نسبت نرم کلمات زیادہ مؤثر
ہوتے ہیں۔ یہ بیہودہ بات ہے۔ کہ جس برتن میں
کچھ ڈالنا چاہیں پہلے ہی اس میں چھید کرلیں"

اس کتاب میں آپ شیرینی وحلاوت اور نرمی و لطافت ہی پائینگے
تُرشی و سختی کا نام تک نہیں۔

ے

صاحبِ الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں
صاحبِ معنی کو صرف اِک لفظ کافی ہو گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پہلی نظر

کتاب " واعظ " کا پہلا حصہ شائع ہوا۔ تو جن حضرات نے اسے منگوا کر پڑھا۔ انہوں نے اپنے خطوط میں اور اکثر احباب نے بالمشافہ بھی اس کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا۔ انہیں پڑھ سن کر میں حیران رہ گیا۔ اس لئے کہ میری امید سے بھی کہیں زیادہ اُسے شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔ اور اس امر کا اقرار کیا گیا۔ کہ " واعظ " اپنے موضوع پر ایک بے مثل تالیف ہے۔ اور سلسلۂ مواعظ میں ایسی حسین وجمیل اور دلکش کڑی آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔

عقائد و اعمال کی اصلاح کے لئے میری یہ کوشش بڑی مفید اور بار آور ثابت ہوئی۔ اس سے عوام و خواص۔ چھوٹوں۔ بڑوں، مردوں عورتوں، اور اپنوں بیگانوں، سبھی نے فائدہ حاصل کیا۔ اور ہر خیال کے افراد نے میری اس تالیف کو سراہا۔ اور یہ واقعہ ہے۔ کہ

"واعظ"

آج تقریباً ہر واعظ کے پاس موجود ہے

واعظ کے پہلے حصہ میں بارہ وعظ درج ہیں۔ یہ وعظ مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ اور عام فہم طرزِ بیان کی بدولت مبتدیوں کے علاوہ کہنہ مشق مقررین میں بھی بےحد مقبول ہوئے۔ اور ان کی افادیت کے پیشِ نظر شائقین کے متواتر اصرار پر میں نے مزید بارہ وعظوں

کا بھی مجموعہ واعظ حصہ دوم کی صورت میں شائع کر دیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت سے یہ دوسرا حصّہ بھی پہلے حصہ کی طرح مقبول ہُوا اور شائقین کرام کی پیاس بجھی نہیں۔ بلکہ وہ اس پیاری طرز میں لکھے ہوئے مزید وعظوں کے طالب ہوئے۔ اور پے در پے اصرار کرنے لگے۔ کہ اب تیسرا حصہ بھی شائع کیا جائے۔

یہ واقعہ ہے۔ کہ جب سے میں نے میدانِ صحافت میں قدم رکھا ہے۔ صرف "ماہِ طیبہ" ہی کی تدوین و ترتیب میں اتنا مصروف رہتا ہوں۔ کہ دوسرے کسی کام کے لئے بہت کم وقت ملتا ہے۔ تاہم سلسلہ تالیف کے لئے جو وقت بھی ملتا ہے۔ اُسے غنیمت سمجھ کر کچھ نہ کچھ لکھ ڈالتا ہوں۔

واعظ کا یہ تیسرا حصّہ

بھی میری اسی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس تیسرے حصہ میں بھی بارہ وعظ درج ہیں۔ اور بالکل اسی رنگ کے جس رنگ کے پہلے دو حصوں میں چوبیس [۲۴] وعظ گذر چکے ہیں۔

اس تیسرے حصّہ کی ابتداء

پچیسویں [۲۵] وعظ سے ہوتی ہے۔ اور چھتیسویں [۳۶] وعظ پر اس کی انتہا رہے۔ خدا نے چاہا۔ تو وقت آنے پر چوتھا حصہ بھی آپ کے سامنے آجائیگا۔

ابُوالنُّور محمّد بشیر

فہرست مضامین

واعظ کے پہلے اور دوسرے حصہ میں چوبیس (۲۴) وعظ گذر چکے۔
اور اب یہ تیسرا حصہ پچیسویں وعظ سے شروع ہوتا ہے۔

مضامین	نمبر صفحہ

۲۶ چھبیسواں وعظ
خلق عظیم

۲۷ ستائیسواں وعظ
معراج پاک

۲۸ اٹھائیسواں وعظ
کمالات نبوت

انتیسواں[29] وعظ
فوز و فلاح

تیسواں (۳۰) وعظ
خلیفۃ الارض

اکتیسواں (۳۱) وعظ
دل کی صفائی

۳۲ بتیسواں وعظ
اِسلام کامل

۳۳ تینتیسواں وعظ
نئی تہذیب

چونتیسواں (۳۴) وعظ
اُسوۂ حسنہ

۳۵ پنتیسواں وعظ
صحبتِ صالحین

۳۶ چھتیسواں وعظ
اچھی زندگی

یارب! جلّ شانہٗ

دردِ دل کر مجھے عطا یارب
دے مرے درد کی دوا یارب

لاج رکھ لے گناہگاروں کی
نام رحمان ہے ترا یارب

عیب میرے نہ کھول محشر میں
نام ستار ہے ترا یارب

تو نے میرے ذلیل ہاتھوں میں
دامنِ مصطفےٰ دیا یارب

میں نے سُبحانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ
خاک پر رکھ کے سر کہا یارب

صدقہ اس دی ہوئی بلندی کا
پستیوں سے مجھے بچا یارب

تو حسنؔ کو اٹھا حسن کر کے
ہو مع الخیر خاتمہ یارب

(حضرت حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

جو تم روحِ روانِ بزمِ ہستی یا رسول اللہ
تمہارے دم سے بستی ہے یہ بستی یا رسول اللہ

تمہی ہو مظہرِ توحیدِ باری یا رسول اللہ
تمہی پر ختم ہے پیغمبری بھی یا رسول اللہ

نبوت میں رسالت میں کمالات وفضیلت میں
نہیں ملتا تمہارا کوئی ثانی یا رسول اللہ

تمام اسرار تم پر خالقِ اسرار نے کھولے
کوئی بات اس نے پوشیدہ نہ رکھی یا رسول اللہ

تمہی سے ہم گنہ گاروں کی امیدیں ہیں وابستہ
تمہی اک لاج رکھو گے ہماری یا رسول اللہ

(حضرت عزیز حاصل پوری)

مدحِ چار یار رضی اللہ عنہم

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

بیاں ہو کس زباں سے مرتبہ صدیقِ اکبر کا
ہے یارِ غار محبوبِ خدا صدیقِ اکبر کا
رسل اور انبیاء کے بعد جو افضل ہو عالم سے
یہ عالم میں ہے کس کا مرتبہ؟ صدیقِ اکبر کا

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

نہیں خوش بخت محتاجانِ عالم میں کوئی ہم سا
ملا تقدیر سے حاجت روا فاروقِ اعظم سا
حسنؔ در عالمِ پستی سرِ رفعت اگر داری
بیا فرقِ ارادت بر درِ فاروقِ اعظم سا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

اللہ سے کیا پیار ہے عثمانِ غنی کا
محبوبِ خدا یار ہے عثمانِ غنی کا
رُک جائیں مرے کام حسنؔ ہو نہیں سکتا
فیضان مددگار ہے عثمانِ غنی کا

حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ

اے حبِّ وطن ساتھ نہ یوں سوئے نجف جا
ہم اور طرف جاتے ہیں تو اور طرف جا
کہہ دے کوئی گھیرا ہے بلاؤں نے حسنؔ کو
اے شیرِ خدا بہرِ مدد تیغ بکف جا

(حضرت حسن بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

کتابِ واعظ

بات کیا پوچھتے ہو واعظ کی ۔۔۔ حشر تک یہ کتاب ہے زندہ

اِس کی تنویر کی بدولت ہیں ۔۔۔ واعظوں کے دماغ تابندہ

حق کو حاصل ہوئی خوشی اِس سے ۔۔۔ اور باطل ہوا ہے شرمندہ

"ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"

(حاجی لق لق دہلوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب "واعظ" کا تیسرا حصّہ

کتاب واعظ کے پہلے اور دوسرے حصہ میں چوبیس ٢٤ وعظ گزر چکے اور اب یہ تیسرا حصّہ پچیسویں ٢٥ وعظ سے شروع ہوتا ہے

پچیسواں ٢٥ وعظ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

تشریف آوری

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پ ١١ ع ٥)

(ترجمہ) بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم ہی میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان ؁

حضرات! آج میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس جہان میں "تشریف آوری" کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں نے آیت کریمہ کی وہ تلاوت کی ہے۔ جس میں خدا تعالے نے اپنے محبوبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہی کا ذکر فرمایا ہے۔

بزرگو اور دوستو! اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے خطاب فرما کر فرما رہا ہے۔ کہ تمہارے پاس رؤف و رحیم رسول تشریف لے آئے۔ بھائیو! غور کرلو! کہ ہم سب اس خطابِ الٰہی کے مخاطب ہیں۔ گویا یہ سارا عالم ایک اجتماعِ عظیم ہے۔ اور اس اجتماعِ عظیم کو خدا مخاطب فرما کر بیان فرما رہا ہے۔ کس بات کا بیان فرما رہا ہے؟ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا اور اُن کے اوصاف وکمالات کا —

معلوم ہُوا۔ کہ کسی مجمع میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ ولادت کرنا، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کا بیان کرنا یہ سنتِ الٰہیہ ہے۔ یہ آیت کریمہ اصل ہے ذکرِ میلاد شریف اور محفلِ میلادِ پاک کی۔ پس آج بشیر بھی جو ایک اجتماعِ عظیم کو مخاطب کرکے اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کا ذکر کرنے والا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ ایک ایسی اہم بات ہے جو خود خدا تعالےٰ نے بھی کی۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں۔ کہ یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے؟ ہم کہتے ہیں۔ نہ صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے بلکہ آپ سے بھی پہلے جملہ انبیاء کرام علیہم السّلام سے بھی اور ان سے بھی پہلے خود خدا تعالیٰ سے بھی ثابت ہے۔ پڑھیئے درود شریف۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! یہ ذکرِ مصطفےٰ ایک ایسی انمٹ چیز ہے۔ کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ یہ مٹ جائے

دیکھئے! ایک بات سمجھاؤں آپ کو۔ ذکر کے لئے ذاکر کی ضرورت ہے جس طرح کوئی فعل بغیر فاعل کے وقوع میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح بغیر ذاکر کے ذکر کا وجود بھی ناممکن ہے۔ اگر ذاکر ہے تو ذکر بھی ہے۔ اور اگر ذاکر نہ رہا تو ذکر بھی نہ رہا۔ اب دیکھئے۔ ایک ہے ذکرِ خدا۔ اور ایک ہے ذکرِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کا ذکر کرنے والے ہیں اور آپ اور ہم سے اوپر دیگر اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اور یہ سب مخلوق ہیں۔ ان میں خالق کوئی بھی نہیں۔ اور مخلوق ہیتنی ہے۔ وہ سب کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے مطابق جام فنا پینے والی ہے۔ گویا ایک دن ایسا بھی آئے گا۔ جب ذکرِ خدا کا کوئی بھی ذاکر نہ رہے گا۔ اور یہی وہ وقت ہے۔ جب قیامت آجائے گی چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۴۸۰) یعنی جب زمین میں کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا۔ تو قیامت آجائے گی۔"

اس حدیث کے ماتحت بین السطور لکھا ہے۔ اَیْ لَا یُذْکَرُ یعنی اللہ کا ذکر باقی نہ رہے گا۔ اور کوئی ذاکر نہ پایا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے۔ جبکہ "ذکرِ خدا" مٹ جائے گا۔ لیکن اے میرے بھائیو! کیا شان ہے ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے والے جہاں ہیں اور آپ اور ہم سے اوپر دیگر اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ وہاں حضور کا ذکر کرنے والا خود خدا بھی ہے گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذاکرین میں مخلوق بھی ہے اور خالق بھی اور ظاہر ہے۔ کہ مخلوق تو بیشک جام فنا پینے والی ہے۔ مگر خالق فنا سے پاک و منزہ ہے۔ خالق وہی ہے۔ جو فنا نہ ہو سکے۔ تو نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ساری مخلوق فنا بھی ہو جائے۔ لیکن ذکرِ مصطفےٰ پھر بھی نہ مٹے گا۔ اس لئے کہ سارے ذاکر نہ رہیں تو نہ رہیں۔ ایک ذاکر خالق تو ہے۔ جو باقی ہے۔ اور باقی رہے گا۔ پس نہ تو خدا مٹ سکتا ہے۔ اور

نہ ہی ذکرِ مصطفیٰ مٹ سکتا ہے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے سے

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

پڑھیئے درود شریف

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

ہاں تو! خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ لَقَدْ جَاءَکُمْ "بیشک تمہارے پاس تشریف لائے"۔ "تشریف لائے"۔ یہ جملہ بتا رہا ہے۔ کہ تشریف لانے والے محبوب ہمارے پاس تشریف لانے سے پہلے بھی کہیں تشریف فرما تھے۔ دیکھیے جب یوں کہا جاتے۔ کہ فلاں مولانا صاحب لاہور میں تشریف لائے۔ تو اس کا یہ معنی ہے۔ کہ مولانا صاحب اس سے پہلے لاہور کے سوا کسی دوسرے شہر میں تشریف فرما تھے۔ اور اب وہاں سے لاہور تشریف لے آئے ہیں۔ تو میرے بھائیو! یہ جن کے متعلق خدا یوں فرما رہا ہے۔ کہ بیشک تمہارے پاس تشریف لائے۔ وہ ہمارے پاس تشریف لانے سے پہلے بھی کہیں تشریف فرما تھے۔ چنانچہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی پیدائش سے بھی پہلے موجود تھے۔

نورانی تارہ

چنانچہ حضرت علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب روح البیان میں یہ روایت درج فرمائی ہے کہ ایک روز حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا۔ کہ اے جبریل! تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبریل نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں۔ کہ چوتھے حجاب میں ایک نورانی تارہ ستر ہزار (۷۰۰۰۰) برس کے بعد چمکتا تھا۔ میں نے اسے بہتر ہزار (۷۲۰۰۰) مرتبہ چمکتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔ وَعِزَّۃِ رَبِّیْ اَنَا ذٰلِکَ الْکَوْکَبُ۔ (روح البیان ص۹۷۴ جلد۱)

"قسم ہے میرے رب کی وہ تارہ میں ہی تھا"

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ جبریل امین کی اس قدر طویل عمر کے باوجود راز یہ کھلتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہزارہا ہزار سال جبریل سے بھی پہلے موجود تھے۔ معلوم ہوا۔ کہ سارے فرشتے۔ جن اور انسان۔ زمین و آسمان۔ دنیا و مافیہا اور کائنات کا ہر ذرہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اور آپ کے سامنے ہی مخلوق ہوا۔ پھر آپ ہی انصاف فرمایئے۔ کہ جس محبوب کے ہوتے ہوئے اور جس کے سامنے کائنات کا ہر ذرہ بنا۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر کیسے رہ سکتی ہے؟

کسی قصبہ میں سب سے بڑی عمر والے کسی بزرگ سے آپ پوچھ کر دیکھیں۔ کہ کیوں صاحب! یہاں کے فلاں صاحب کو آپ جانتے ہیں۔ اس قصبہ کی فلاں گلی۔ فلاں کوچہ کی آپ کو کچھ خبر ہے؟ تو وہ جواب یہی دیگا۔ کہ کیوں نہیں؟ یہ قصبہ میرے سامنے ہی تو آباد ہوا۔ اس کا ایک ایک کوچہ ایک ایک گلی میرے ہوتے ہوئے ہی تو بنی۔ فلاں صاحب کو جانتا کیوں نہیں؟ وہ میرے ہی تو ہاتھوں میں پلا پوسا۔ بلا تشبیہ اس کائنات کا ہر ذرہ اور ہر کونہ اس محبوب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے علم میں کیوں داخل نہ ہو۔ جس کے ہوتے ہوئے یہ دنیا آباد ہوئی۔ اور جس کے سامنے ہی حضرت آدم علیہ السلام بھی پیدا فرمائے گئے۔ سچ فرمایا اعلیحضرت نے کہ ؎

دل فرش پر ہے تری نظر سر عرش پر ہے تری گذر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

لباس بشریت

ہاں تو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی تھے۔ جبکہ خدا کے سوا اور کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی ساری مخلوق سے پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے نورِ پاک کو پیدا فرمایا گیا۔ میرے بزرگو! یہ "بشریت" تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ مگر ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو اس وقت بھی تھے۔ جبکہ

ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ فرمائے گئے تھے۔ تو غور کریجئے کہ حضور اس وقت کیا تھے؟ بھائیو! اس وقت حضور نور ہی تو تھے اور اب بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہی نور ہی ہے۔ یہ نور پاک پیدا سب سے پہلے کیا گیا۔ اور اس کا ظہور سارے انبیاء کرام علیہم کے بعد ہوا۔ اور جب یہ نور پاک ہمارے پاس تشریف لانے لگا۔ تو "جیسا دیس ویسا بھیس" کے مطابق حکمت کا تقاضا یہ ہوا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائیں۔ تو یہیں کا لباس زیب تن فرما کر تشریف لائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس نور پاک کو "بشریت" کا لباس پہنایا۔ اور ہمارے پاس بھیجا۔ اور فرمایا "بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم ہی سے" یہ "تم ہی سے" جو فرمایا۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ لباس بشریت ہی میں تشریف لائے حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لباس بشریت پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ لیکن خوب یاد رکھیے۔ کہ لباس بدلنے سے حقیقت نہیں بدل جایا کرتی۔ زید اگر کشمیر جا کر گرم کپڑے پہن لے۔ تو لباس بدل جائے گا۔ مگر زید وہی رہے گا پھر وہ کسی گرم ملک میں جا کر ململ کی قمیص اور تہ بند باندھ لے۔ تو صرف لباس ہی بدلا۔ مگر زید وہی رہا۔ لوہے کو چاقو کی شکل میں لے آیئے تو نام ہی بدلا۔ مگر لوہے کی حقیقت بدستور موجود ہے۔ تالا بنا لیجئے۔ تو نام ہی بدلیگا مگر لوہا لوہا ہی رہے گا۔ تلوار گھڑ لیجئے۔ تو نام "تلوار" ہو گیا۔ مگر لوہے کی حقیقت وہی رہی۔

میرے بزرگو! سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سرتاپا نور تھے۔ اور نور ہی ہیں۔ ہاں ہمارے پاس تشریف لاتے ہوئے آپ نے لباس بشریت زیب تن فرما لیا۔ اور یہ اللہ کا خاص کرم ہے ہم پر۔ کہ اس نے اپنے محبوب کو ہمارے لباس میں ملبوس ہمارے پاس بھیجا۔ تاکہ ہم حضور سے مانوس ہو سکیں۔ اور حضور سے مانوس ہو کر ہم حضور کے فیوض و برکات سے مستفید ہو سکیں۔ لیکن میرے بھائیو! اس کا یہ معنی نہیں۔ کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سطحی نظر سے دیکھ کر انہیں اپنی مثل سمجھنے لگیں۔

یاد رکھیئے! یہ بہت بڑی جرأت اور بے ادبی ہے۔ اور اگر کسی کی عقل یہ کہے۔ کہ اس میں بے ادبی کی کونسی بات ہے۔ جبکہ دو آنکھیں ہماری اور دو ہی چشمانِ مبارک حضور کی تھیں۔ دو ہاتھ ہمارے اور دو ہی حضور کے بھی تھے۔ دو کان ہمارے اور دو ہی حضور کے بھی تھے۔ پھر اگر یہ کہدیا جائے کہ حضور ہماری مثل تھے۔ تو اس میں کیا بے ادبی ہے؟ تو میں گزارش کرونگا کہ فرعون کی بھی دو آنکھیں تھیں۔ اور تمہاری بھی دو ہی آنکھیں ہیں۔ اُس کے بھی دو کان تھے۔ اور تمہارے بھی دو ہی کان ہیں۔ تو پھر اگر یہ کہہ دیا جائے۔ کہ تم فرعون کی مثل ہو۔ تو خدا لگتی کہنا۔ کہ اس سے تمہارا دل تو نہ دکھے گا؟ اور تم برا تو نہ مناؤ گے؟ اگر نہیں تو پھر ایسے شخص سے شکوہ بھی کیا؟ اور اگر برا مناؤ گے۔ اور اس میں اپنی توہین سمجھو گے۔ تو خدا را محبوبِ کبریا کو بھی اپنی مثل نہ کہو۔ کہ یہ بات تمہیں فرعون کی مثل کہنے سے بھی کہیں زیادہ بری بات ہے۔

بن مانس میرے بھائیو! اس طرح ظاہری وسطحی نظر سے بندر کو دیکھئے۔ تو وہ انسان سے بہت ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ دو ہاتھ اس کے۔ اور دو ہی انسان کے۔ دو آنکھیں اس کی دو ہی انسان کی۔ دو کان اس کے اور دو ہی انسان کے۔ پھر کیا کسی بندر کو انسان کی مثل کہنا زیبا ہے؟ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ایک فرق تو ہے۔ بندر کی دم ہوتی ہے۔ مگر انسان کی نہیں۔ تو صاحبان! بندر کی ایک قسم "بن مانس" کی بھی ہے۔ کہ بن مانس کی دُم نہیں ہوتی۔ تو فرمائیے۔ اب کیا ارشاد ہے۔ کیا کسی بن مانس کو کسی معزز آدمی کی مثل یا اس معزز آدمی کو بن مانس کی مثل کہہ لینا جائز ہے؟ صاحب عقلِ سلیم کے لئے تو اتنا ہی کافی ہے۔ مگر بن مانس کی جو کہانی ہے۔ وہ مولانا رومی کی زبانی سنئے۔ وہ فرماتے ہیں ؎

ہرچہ مردم مے کند بوزینہ ہم ❊ آں کند کو مرد بیند دمبدم

آں گماں بردہ کہ من کردم چواو ❊ فرق را کے داند آں استیزہ رو

یعنی جو کچھ آدمی کرتا ہے۔ بندر بھی نقال بن کر وہی کچھ کرنے

لگتا ہے۔ اور پھر گمان کرنے لگتا ہے۔ کہ میں بھی انسان کی مثل ہوں"

خدا تعالیٰ ایسی سمجھ سے دور رکھے۔ اور عقل سلیم عطا فرمائے۔

مِنْ اَنْفُسِکُمْ

حضرات! مفسرین کرام علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کی ایک دوسری قرأت بھی ہے۔ اور وہ ہے مِنْ اَنْفَسِکُمْ۔ یعنی "ف" کی زبر ہے۔ چنانچہ علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

وَقُرِئَ مِنْ اَنْفَسِکُمْ بِفَتْحِ الْفَاءِ آی مِنْ اَشْرَفِکُمْ وَاَفْضَلِکُمْ

(روح البیان صفحہ ۹۷۲) یعنی یہ یوں بھی پڑھا گیا ہے۔ مِنْ اَنْفَسِکُمْ "ف" کی زبر کے ساتھ۔ یعنی تم سب سے زیادہ نفیس تر۔ اشرف و افضل"

اس قرأت کے مطابق اب آیت کا معنی یہ ہوگا۔ کہ "بیشک تمہارے پاس تشریف لانے تم سب سے زیادہ نفیس تر۔ افضل و اشرف رسول"

جانِ جہان

میرے بھائیو! علماء کرام و مفسرین عظام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح سارے بدن میں "جان" نفیس تر، اور سارے اعضاء سے افضل و اعلیٰ ہوتی ہے۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے جہان میں جان کی مثل نفیس تر اور افضل و اشرف ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کی جان ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے۔ اس لئے کہ جان ہی کی وجہ سے زندگی ملتی ہے۔ اور سارے جہان کی بقا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت ہے۔ سہ

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہوں تو کچھ نہو

جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

تو گویا خدا تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے۔ جو تم سب اولین و آخرین کی جان ہیں۔ اور جیسے کہ جان کے سوا بدن بیکار ہے۔ ویسے ہی تم بھی اس رسول کے سوا بیکار ہو۔

یعنی اگرچہ کیسے ہی نیک و متقی بن جاؤ۔ اعمالِ صالحہ اختیار کر لو۔ اور بڑے پرہیزگار و پارسا ہو جاؤ۔ مگر ہمارے اس رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و تابعداری نہ پائی گئی۔ تو کچھ بھی نہیں ہو سہ

نہ ہو کچھ ذائقہ عشقِ محمد کا اگر دل میں
تو زہدِ خشک سے زاہد کو استغفار بہتر ہے

میرے بزرگو! قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے پانچ نبیوں (علیہم السلام) کو ان کی قوم کا بھائی کہہ کر یاد فرمایا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ ۔۔

حضرت ہود علیہ السلام کے لئے فرمایا:۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۔۔

حضرت صالح علیہ السلام کے لئے فرمایا:۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا

حضرت شعیب علیہ السلام کے لئے فرمایا:۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۔۔

اور حضرت لوط علیہ السلام کے لئے فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۔۔

اور جب ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمارے پاس مبعوث فرمانے کا ذکر فرمایا۔ تو یوں فرمایا۔ کہ تمہارے پاس تمہاری جان آگئی۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے رسولِ دو جہان، اور جانِ جہان صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ واقعی حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہماری جان ہیں۔ جانِ جہان ہیں بلکہ جانِ ایمان ہیں سہ

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں

اور ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

بھائیو! یہی وجہ ہے۔ کہ جتنی محبت و شفقت حضور صلے اللہ علیہ و سلّم کو اپنی امت سے ہے۔ اتنی محبت و شفقت کسی نبی کو اپنی امت سے نہ تھی۔ بھائی اگرچہ بھائی پر مشفق و مہربان ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی جو شفقت جان کو اپنے بدن پر ہوتی ہے۔ اس جیسی شفقت بھائی کی بھائی پر نہیں ہو سکتی۔ جس طرح جان اپنے بدن کی حفاظت میں کوشاں رہتی ہے اس طرح کوئی بھائی اپنے بھائی کی حفاظت نہیں کیا کرتا۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے۔ کہ جس طرح ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم نے اپنی امت کو بچانے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس طرح کی کوشش کسی دوسرے نبی میں آپ کو نظر نہ آئے گی۔ بھائی بھائی سے تنگ آ کر اس کا مخالف بھی ہو جاتا ہے۔ مگر جان بہر حال اپنے بدن کے ساتھ ہی لگی رہتی ہے۔ وہ کبھی بدن کی تکلیف نہیں چاہتی۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے۔ کہ جب پہلے نبیوں کی امتوں نے ان کی بات نہ مانی۔ اور راہِ ہدایت اختیار نہ کی۔ تو انبیاء سابقہ علیہم السلام نے اپنی نافرمان امتوں کی ہلاکت کی دعائیں مانگ لیں۔ اور وہ ہلاک ہو گئیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جب آپ کی تبلیغ سے کچھ فائدہ نہ حاصل کیا۔ اور کفر پر ہی اڑے رہے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے تنگ آ کر یہ دعا مانگ لی۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔

چنانچہ یہ دعا مانگنے سے اللہ کی طرف سے ایک عذابِ عظیم پانی کے طوفان کی شکل میں آیا۔ اور سب ہلاک ہو گئے۔ مگر جب ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلّم کو قوم نے ستایا۔ اور حد سے زیادہ تنگ کیا۔ تو باوجود اس کے کہ فرشتوں نے بھی آ کر عرض کیا۔ کہ حضور! اگر اجازت دیں تو ہم ان گستاخوں کا بیڑا غرق کر دیں۔ مگر جانِ عالم حضور صلی اللہ علیہ و سلّم نے جواب یہی دیا۔ کہ میں رحمت بن کر آیا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ ہلاک ہو جائیں۔ ہاں یہ چاہتا ہوں۔ کہ یہ لوگ مجھے پہچان لیں۔ اور راہِ ہدایت

بر آ جائیں۔ چونکہ حضور علیہ السلام جان ہیں۔ اور جان بدن کی ہلاکت کبھی نہیں چاہتی۔ اس لئے آپ نے قوم کے لئے ہلاکت کی دعا نہ فرمائی۔ جبکہ آپ سے جب ہلاکت کے لئے دعا مانگنے کے لئے عرض کیا گیا۔ تو سے

یہ سن کر رحمۃ للعالمین نے ہنس کے فرمایا
کہیں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

اور دعا مانگی تو یہ مانگی کہ سے

کہ اے پروردگار آمرزگار ان کو معافی دے
نہ کر ان کی خطاؤں کا شمار ان کو معافی دے

قیامت کے روز میرے بھائیو! کل قیامت کے روز جو بڑا ہی ہولناک روز ہوگا۔ سب نفسی نفسی کے عالم میں ہوں گے۔ اور کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے، اور بھائی بھائی سے دور بھاگے گا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ۔ یعنی اس روز انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ بھائیو! اس روز بھائی تو بھائی سے بھاگے گا۔ مگر اس دن بھی کوئی شخص اپنے بدن سے بیزار نہ ہوگا۔ بلکہ اپنے بدن ہی کے بچاؤ کے لئے کوشاں ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس روز نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے مگر ایک ہماری جان عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بول سکیں گے۔ جو امتی امتی فرما کر اپنے جان عالم ہونے کا مظاہرہ فرما رہے ہوں گے۔ اور اپنی امت کو بچانے کے لئے زیر عرش سجدہ ریز ہو کر جناب الٰہی میں شفاعت فرمائیں گے اور اپنے دشمنوں کے لئے موجب ندامت بن کر دکھائیں گے۔ اور نقشہ یہ ہوگا۔ سے

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے
خاک افتادو بس ان کے آنے ہی کی دیر ہے
آپ گر کر سجدے میں ہم کو اٹھاتے جائیں گے

اِستغفار

حضرات! دیکھئے۔ ہم میں سے جب کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے۔ تو گناہ کرتے ہاتھ پاؤں۔ یا آنکھ وغیرہ ہیں۔ مگر توبہ کرنے کے لئے اور نادم ہونے کے لئے جان ہوتی ہے۔ اور جان اس فکر میں رہتی ہے۔ کہ میری توبہ کو خدا قبول فرمالے۔ تا کہ میرا بدن خدا کی گرفت سے بچ جائے۔ بھائیو! اسی طرح گناہ کرتے تو ہم ہیں۔ لیکن ان گناہوں کی معافی کے لئے استغفار حضور فرماتے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم خود تو معصوم بلکہ معصوموں کے بھی سردار ہیں۔ مگر یہ جو روایات میں آتا ہے۔ کہ آپ دن میں ستر مرتبہ استغفار فرمایا کرتے تھے۔ تو یہ استغفار جانِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہم گناہگاروں کی طرف سے ہوا کرتا تھا۔ آپ کا اپنے لئے استغفار فرمانا نہ تھا اس لئے کہ استغفار تو وہ کرے۔ جو گناہگار ہو۔ اور حضور تو سرتاپا معصوم بلکہ سید المعصومین ہیں۔ مگر چونکہ آپ ہماری جان ہیں۔ اور استغفار کرنا جان ہی کا کام ہے۔ اس لئے آپ ہی اپنی امت کے لئے استغفار فرمایا کرتے تھے۔

سہ
ما ہمہ جسمیم بیا جان تو باشش!
ما ہمہ موریم سلیمان تو باشش!

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے عالم کی جان ہیں۔ میرے بھائیو! اب یہ بات بھی سمجھ لو۔ کہ انسان ہمیشہ وہ کام کیا کرتا ہے۔ جس سے اس کی جان راحت میں رہے۔ اور اس کی جان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ پھر جبکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہماری جان ہیں۔ تو ہمارا بھی یہ فرض ہے۔ کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کریں۔ جس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو رنج ہو۔ اور آپ ہم سے ناراض ہو جائیں۔

میرے بزرگو! خوب یاد رکھو۔ کہ جو کام خلافِ شرع ہیں۔ ان کاموں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچتا ہے۔ اور آپ خلافِ شرع کاموں سے ناراض ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کے لڑکے کی شادی ہو۔ اور اسکی برادری کی یہ ضد ہو۔ کہ اس شادی میں رقص و سرود اور باجے گاجے ضرور ہوں۔ گر یہ کام نہ ہوئے۔ تو ہم ناراض ہو جائیں گے۔ چنانچہ بہت سے لوگ برادری کو

خوش رکھنے کے لئے ان خلافِ شرع حرکات کو اپنا لیتے ہیں۔ حالانکہ ان خلافِ شرع حرکات سے ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ناراض ہو جاتے ہیں۔ پھر کس قدر ظلم ہے۔ اور کتنی ناعاقبت اندیشی ہے۔ کہ برادری کو تو ناراض نہ کیا جائے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا جائے۔ میرے بھائیو! ایسے موقعہ پر سچا مسلمان وہ ہے جو برادری اگر بگڑے تو بگڑنے دے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہ ہونے دے۔ اور اس کا طرزِ عمل اس شعر کے مطابق ہو، کہ ؎

مرے عمل سے نہ خویش خوش ہیں نہ بھائی خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

مطلب یہ کہ یا رسول اللہ! میرے اس خلافِ شرع حرکات سے رک جانے کے باعث خویش و اقربا سب ناراض ہو گئے ہیں۔ مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ تو خوش ہیں نا۔

خلافِ شرع حرکتیں

حضرات! آج کل بیاہ شادیوں میں اس قدر خلافِ شرع حرکتیں ہوتی ہیں۔ کہ الامان والحفیظ! خوب یاد رکھیئے کہ یہ باجے گاجے ڈھول ڈھمکے رقص و سرود وغیرہ شریعت میں جائز نہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ آج کل جب بیاہ شادی میں اس قسم کی خرافات نہ ہوں۔ لوگ اسے "شادی" سمجھتے ہی نہیں۔ اسی واسطے ان خرافات کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اس قدر اہتمام کہ ایک جگہ تو انہیں خرافات میں کچھ اس قدر منہمک ہوئے۔ کہ اصل بات ہی بھول گئے۔ چنانچہ

لطیفہ

ہمارے ہی علاقہ کے ایک گاؤں کا قصہ کسی نے سنایا تھا کہ اُس گاؤں میں ایک برات آئی۔ اور برات والے ساتھ ہی ایک رنڈی کو بھی ناچنے کے لئے لائے۔ چنانچہ رات دن خوب ناچ گانا ہوا۔ اور دوسری خلافِ شرع حرکات بھی جی بھر کے کیں۔ باجوں اور آتشبازیوں کا بھی زور رہا۔ دوسرے روز دلہن کو پالکی میں بٹھا کر جب واپس ہوئے۔ تو راستے میں یاد آیا۔ کہ ارے! نکاح پڑھانا تو یاد ہی نہیں رہا۔ چنانچہ پھر وہاں سے پلٹے۔

اور نکاح پڑھایا اور دوبارہ پھر دلہن کو پالکی میں بٹھایا۔ اور گھر آئے۔ دیکھا
آپ نے فضول رسموں میں کس قدر منہمک ہو گئے۔ کہ اس بات کا خیال
ہی نہیں رہا۔ میرے دوستو! اس قدر بھی غفلت کیا ہوئی؟ کہ دین کا خیال
ہی نہ رہے۔ افسوس، کہ آجکل یہ غفلت عام ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا
کہ سچا مسلمان وہ ہے۔ جو اپنے مومنوں پر جانِ جہان حضور سرورِ عالم صلی
اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہ کرے۔ اور انہیں رنج نہ پہنچائے۔

عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ

میرے بزرگو! خدا تعالیٰ نے حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کے متعلق پھر اس
حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں
ہے۔ یعنی ہر وہ بات جو تمہیں تکلیف دے۔ اور تم اس سے مشقت میں
پڑ جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرتی ہے۔ سبحان اللہ! کیسا
غمخوار آقا ملا ہے ہم کو۔ خدا ایسی شفقت و رحمت ماں باپ کو بھی اپنی
اولاد پر نہیں ہوتی۔ جیسی شفقت و رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
اپنی امت پر ہے۔ میرے عزیزو! ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہمیں ایسی ایسی تعلیم فرمائی ہے۔ کہ جس پر عمل پیرا ہونے سے ہم ہر قسم
کی تکلیف سے بچ سکتے ہیں۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

بغیر منڈیر کی چھت پر سونا

بغیر منڈیر کی چھت پر سونے سے منع
فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں حضرت
جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ
عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ (ترغیب و ترہیب ...) رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر منڈیر کے چھت پر سونے سے
منع فرمایا ہے۔

سبحان اللہ۔ کیا شانِ شفقت ہے۔ گویا فرمایا گیا ہے کہ بغیر منڈیر
کے چھت پر اگر سو جاؤ گے۔ تو [illegible] نیند میں [illegible] ضرورت کو

اٹھے۔ اور نیند کے عالم میں منڈیر نہ ہونے کی وجہ سے نیچے گر گئے۔ تو ہاتھ پیر تمہارے ٹوٹیں گے۔ اور رنج ہمیں پہنچے گا۔

دھوپ چھاؤں میں سونا

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ دھوپ میں اور کچھ سائے میں سونے سے بھی منع فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۵۰۲ پر یہ احادیث موجود ہیں۔ اور اطبا سے پوچھ لیجئے۔ کہ دھوپ چھاؤں میں سونے سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے۔ اور برص کا مرض لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اسی شفقت کی بنا پر ہے۔ کہ دھوپ چھاؤں میں لیٹنے سے اگر تم بیمار ہو گئے۔ تو یہ بات ہم پر گراں گزرے گی۔

سمندر کے جوش کے وقت بحری سفر نہ کرو

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ سمندر جب جوش میں ہو۔ اور اس میں طوفان کا عالم ہو۔ تو بحری سفر نہ کرو۔ سبحان اللہ کیا کیا شفقت آمیز ارشادات ہیں۔ ماں باپ بھی تو اس قدر شفقت نہیں کرتے۔ اسی طرح فرمایا۔ جوتا پہنو۔ تو اسے جھاڑ کر پہنو۔ بستر پر لیٹو۔ تو پہلے اسے جھاڑ لو۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ جوتے میں یا بستر پر کوئی موذی جانور ہو، جو تمہیں کاٹ لے۔ اور تم تکلیف اور مشقت میں پڑ جاؤ۔ اور ہمیں تمہاری یہ مشقت گراں گزرے۔ میرے دماغ میں وہ جو ایک شاعر نے لکھا ہے ناکہ ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہ تو محض ایک شاعرانہ مبالغہ آرائی ہے۔ لیکن "عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ" کے مطابق یہ بات بالکل حق اور درست ہے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں واقعی سارے جہان کا درد ہے۔ وہ آپ کے کسی غلام کو کہیں بھی کوئی تکلیف ہو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا رنج پہنچتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ جبکہ آپ سارے عالم

کی جان ہیں۔ اور جان کی یہی شان ہوتی ہے۔ کہ جسم کے کسی حصہ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ تو جان بیقرار ہو جاتی ہے۔ سر زخمی ہو۔ تو جان بے قرار۔ ہاتھ زخمی ہوں۔ تو جان بے قرار۔ پیر زخمی ہوں۔ تو جان بے قرار ہو جاتی ہے یعنی چاہے سر زخمی ہو جو بلند ہے۔ اور چاہے پیر زخمی ہوں جو پست ہے۔ جان دونوں ہی کے لئے بیقرار ہو جاتی ہے۔ اسی طرح امت میں سے اعلیٰ مرتبے رکھنے والوں پر اگر حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی شفقت ہے تو مجھ جیسے ادنیٰ لوگوں کے لئے بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شفقت موجود ہے۔ اسی لئے شاعر نے لکھا ہے۔ کہ ؎

اچھے ان کے ہیں تو اے کیفیؔ بُرے کس کے ہیں
اپنی امت ہے محمدؐ کو پیاری ساری

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب سارے جہان کی جان ہیں اور سارا جہان گویا بدن ہے۔ تو اس جہان میں کافر بھی ہیں۔ اور کافروں نے یقیناً جہنم میں جانا ہے۔ تو ان کا جہنم میں جانا کیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے موجب تکلیف نہ ہوگا ؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بدن کے کسی حصہ کا جب تک جان سے تعلق رہتا ہے۔ اس وقت تک جان کے لئے اپنے اُس حصۂ بدن کی تکلیف موجب رنج و تکلیف ہوتی ہے۔ اور جب کوئی حصۂ بدن جان سے بے تعلق ہو جائے۔ تو پھر جان کو اس کی تکلیف کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ مثلاً دیکھئے ایک انگلی خراب ہو جائے۔ اور اسے کاٹ کر الگ پھینک دیا جائے۔ تو اب چونکہ اس انگلی کو کاٹ کر الگ پھینک دیا گیا ہے۔ اور اس کا جان سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اس لئے اب چاہے اس انگلی کو آگ میں ڈال دیجئے۔ چاہے اُس کا قیمہ کر دیجئے۔ اُسے سانپ کاٹ لے، یا بچھو ڈس لے جان کو اس کی کوئی تکلیف نہیں۔ اس لئے کہ اب اس انگلی کا جان سے تعلق کوئی نہیں رہا۔ بس اسی طرح کافر وہ لوگ ہیں۔ جو جانِ عالم حضورؐ

صلے اللہ علیہ وسلم سے کٹ چکے ہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا۔ اب چاہے وہ جہنم میں جائیں یا انہیں سانپ اور بچھو کھا جائیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو کیا؟ "عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ" تو ہم غلامانِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ جو سراسر حضور ہی سے متعلق ہیں۔ اور انہیں کے تھے، انہیں کے ہیں۔ اور انہیں کے رہیں گے۔ — بُرے سہی لیکن ہیں تو انہیں کے دامن گیر۔ ایک انگلی زخمی ہو جائے۔ اور نکمی ہو جائے۔ لیکن رہے جان سے متعلق ہی۔ تو دیکھ بیجئے۔ جان اس کے لئے بے قرار ضرور رہے گی۔ بلکہ جان بیقرار رہتی ہی الم رسیدہ اعضا کے لئے ہے۔ اور جو صحیح سالم اعضا ہیں۔ ان کی طرف سے تو وہ مطمئن ہوتی ہے۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۸۶)

میری شفاعت میری امت کے گناہگاروں کے لئے ہے"

سبحان اللہ! کس قدر شفقت و رحمت ہے۔ کہ اپنے الم رسیدہ غلاموں کے لئے اعلان فرما دیا۔ کہ میں ان کی شفاعت فرماؤں گا۔ نیک لوگوں کی بھی حضور شفاعت تو فرمائیں گے۔ لیکن محدثین نے لکھا ہے۔ کہ وہ شفاعت رفع درجات کے لئے ہوگی۔ اور وضع سیئات یعنی گناہوں کے بخشوانے کی شفاعت تو مجھ جیسے گناہگاروں ہی کے لئے ہے۔ تو بھائیو! ہم گنہگار سہی لیکن ہیں تو انہیں کے۔ اسی لئے اعلیحضرت نے لکھا ہے۔ کہ ؎

بد سہی، چور سہی، مجرم ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

سبحان اللہ! اعلیحضرت کی شاعری بھی کیا ایمان افروز شاعری ہے آپ اسی نسبتِ غلامی کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور کیا خوب فرماتے ہیں۔ کہ ؎

تجھ سے در۔ در سے سگ۔ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دُور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سنگ میں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹہ تیرا

ہاں تو خدا نے فرمایا ہے۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ۔ یعنی "جو بات تمہیں مشقت میں ڈالنے والی ہو۔ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر گراں گزرتی ہے" میرے بزرگو! یہ حقیقت ہے۔ کہ پہلی امتوں میں بڑے بڑے گراں احکام نازل ہوئے۔ ایک قبولیت توبہ ہی کے لئے دیکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی امت کے لئے حکم نازل ہوا۔ کہ اگر اپنی توبہ کی قبولیت چاہتے ہو تو۔ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ ۔ "آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو" چنانچہ انہوں نے گوسالہ پرستی کے جرم میں اپنی توبہ کے لئے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ تو ان کی توبہ قبول ہوئی۔ غور فرمائیے۔ کہ یہ حکم کس قدر سخت حکم ہے۔ مگر چونکہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی امت کا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم پر اس قدر سخت احکام نازل نہیں فرمائے۔ امتِ موسیٰ علیہ السلام کو قبولیتِ توبہ کے لئے ایک دوسرے کو قتل کر دینے کا حکم فرمایا۔ اور ہمارے لئے قبولیتِ توبہ کے لئے سچے دل سے نادم ہو کر دو آنسو بہا دینا ہی کافی ٹھہرایا۔ اور یہ سب صدقہ ہے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ ؎

صدقے اِس رحم کے اِس سایۂ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

اختیارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بزرگو! آپ نے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا مشقت میں پڑنا گراں گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا۔ کہ:-

لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ وَ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ ۔ (مشکوٰۃ شریف صلہ ۳۶)

اگر میں اپنی امت پر یہ بات شاق نہ سمجھتا تو انہیں نماز عشاء دیر سے پڑھنے کا حکم دیتا۔ اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے

کا حکم دیتا۔"

مطلب یہ کہ نماز عشار دیر سے پڑھنے اور ہر نماز کے ساتھ مسواک ضرور کرنے سے چونکہ میری امت مشقت میں پڑ جائے گی اس لئے میں نماز دیر سے پڑھنے کا حکم نہیں دیتا۔ اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا بھی ضروری قرار نہیں دیتا۔ اسی حدیث کے حاشیہ پر دیکھ لیجئے۔ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ:-

لَاَمَرْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَاءِ ای لَفَرَضْتُھُمْ عَلَیْھِمْ تَاخِیْرَہٗ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ — یعنی اگر امت کا مشقت میں پڑ جانے کا خیال نہ ہوتا۔ تو میں عشار کی نماز رات کے تیسرے حصہ میں پڑھنا فرض کر دیتا۔

میرے بھائیو! — غور کر لو۔ کہ اس حدیث پاک سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اختیار ثابت ہوا یا نہیں؟ اور یہ بات ثابت ہوئی یا نہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جس بات کو چاہیں۔ فرض قرار دے دیں۔ اور اگر نہ چاہیں تو فرض قرار نہ دیں۔ میرے بھائیو! اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت یہی ہو۔ کہ "جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" تو پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ۔ یعنی اگر مجھے امت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں تاخیر عشار اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا فرض قرار دے دیتا۔ مگر چونکہ مجھے اپنی امت کی مشقت منظور نہیں۔ اس لئے میں ان باتوں کو فرض نہیں فرماتا؛ کس لئے ہے؟

کیوں صاحب! جسے کوئی اختیار ہی نہ ہو۔ اُسے اپنے خیال اور اپنی شفقت کو درمیان لانے کا کیا حق ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنا کوئی اختیار نہ تھا۔ اور تاخیر عشار اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنا خدا کا عائد کردہ فرض تھا۔ تو پھر حضور کو اپنی امت کا مشقت میں پڑنے کا خیال ہوتا یا نہ ہوتا۔ بہر حال سنت پر یہ باتیں فرض ہی ہو جاتیں۔ پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ کیوں فرما رہے ہیں۔ کہ اگر مجھے امت کا خیال نہ ہوتا۔ تو میں ایسا کر دیتا۔ حضور کے اس ارشاد سے یہ

صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ اختیار حاصل ہے۔ کہ کسی بات کو اگر چاہیں تو امت پر فرض فرما دیں۔ اور نہ چاہیں تو فرض قرار نہ دیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے بھی اس حکم کی تعمیل امت پر فرض ہو جاتی ہے۔ اور شریعت بن جاتی ہے اب آپ خود ہی اندازہ لگا لیں۔ کہ اگر کوئی شخص یوں لکھ دے کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" تو وہ کس قدر جاہل اور مقامِ رسالت سے بے خبر ہے۔

رسول کے چاہنے سے

میرے بزرگو اور دوستو! اس پر فتن دور میں ایک یہ خیال بھی سننے میں آتا ہے کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" حالانکہ رسول کے چاہنے سے سب کچھ ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ جسے رسول چاہتا ہے۔ اُسے خدا بھی چاہتا ہے۔ آپ نے ابھی ابھی سُنا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے چاہنے سے "تاخیر عشاء اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کا فرض نہ ہونا" ہو گیا۔ اسی طرح خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنئے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّهَبِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳)

"اگر میں چاہوں۔ تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں"

دیکھئے۔ حضور علیہ السلام صاف فرما رہے ہیں۔ کہ اگر میں چاہوں تو یہ پہاڑ سونے کے بن جائیں۔ اور میرے ساتھ چلا کریں۔ کیوں صاحب! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو خود یوں فرما رہے ہیں۔ کہ میں چاہوں تو پہاڑ بھی سونے کے ہو جائیں۔ اور چلنے بھی لگیں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ "رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا" پھر کیوں نہ کہا جائے۔ کہ ایسا لکھنے والا یا کہنے اور سمجھنے والا رسول کو رسول مانتا ہی نہیں۔ اور جو رسول کو رسول مانتا اور دل وجان سے اس پر فدا ہے۔ اس کا نعرہ یہ ہے کہ سے

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول

عت شفا

میرے بھائیو! اللہ کا شکر ادا کرو۔ کہ اس نے ہمیں ایسا غمخوار رسول عطا فرمایا۔ کہ جسے ہمارا مشقت میں پڑنا گوارا نہیں وہ رسولِ پاک (صلے اللہ علیہ وسلم) جسے آج ہمیں ایک کانٹا چبھ جانا بھی منظور نہیں۔ وہ رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کل قیامت میں ہمارا جہنم میں جانا کیسے منظور فرمائے گا؟ ؎

دوزخ میں ان کا چاہنے والا نہ جائے گا
کیونکہ رسول پاک سے دیکھا نہ جائے گا
الفت ہے ان کی دل میں غلام نبی ہوں میں
دوزخ میں میں تو کیا میرا سایہ نہ جائے گا

بھائیو! جو آقا (صلے اللہ علیہ وسلم) آج اپنے غلاموں کو ہر مشقت سے بچا رہا ہے۔ کل بھی وہی آقا (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمیں ہر تکلیف سے بچائے گا۔ اور ہم اگر گنہگار ہیں۔ تو ہماری شفاعت فرمائے گا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

نماند بعصیاں کسے در گرو ٭ کہ دارد چنیں سید پیش رو
اگر دفترت از گنہ پاک نیست ٭ چو او عذرخواہست لو بباک نیست

اور ایک اور بزرگ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

شانِ امت پروری حضرت دکھاتے جائینگے
ہم گنہ گاروں کو حضرت بخشواتے جائینگے
ہم گنہ گاروں کی خاطر حشر کے دن شاہِ دیں
زیرِ عرشِ کبریا آنسو بہاتے جائینگے
دوستو میدان محشر میں شفیع المذنبیں
امتی یا امتی کہہ کر بلاتے جائیں گے
بخشوا کر امت اپنی کو وہ شاہِ بحر و بر
خانۂ فردوس میں ہم کو بساتے جائینگے

حضرات! کل قیامت کے روز ہر ایک کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی

کے دامن میں پناہ لینا پڑے گی۔ اور حدیث شریف میں موجود ہے کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک سبھی اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ فرمائیں گے۔ اور کوئی شفاعت کے لئے تیار نہ ہوگا۔ ہاں ایک حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی ایسے غمخوار اور شفیع ہونگے۔ جو اَنَا لَهَا۔ اَنَا لَهَا۔ "میں ہوں شفاعت کے لئے۔ میں ہوں شفاعت کے لئے" فرماتے ہوئے گنہگاروں کی ڈھارس بندھائیں گے۔ اور تہ عرش سجدہ ریز ہو کر ہم گنہگاروں کی نجات کا انتظام فرمائیں گے۔ میرے بھائیو! ذرا غور تو کرو۔ کہ جس آقا کے در پر کل ہمیں جانا پڑے گا۔ اور جس کے وسیلہ سے کل ہمیں جلالِ ایزدی سے بچنا ہے آج اگر اسی کے در پر جانے سے روکا جائے۔ اور اسے یاد کرنے اور "بلانے" سے بھی منع کیا جائے۔ تو کس قدر ظلم ہے۔ اور کس قدر ناعاقبت اندیشی ہے۔ میرے بھائیو! ہم تو آج بھی اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے در پر شوق و محبت سے حاضر ہوتے ہیں۔ ان کا نام لے کر دور سے بھی ہدیہ صلوٰۃ و سلام حاضر کرتے رہتے ہیں۔ اور آج بھی اَغِثْنِىْ يَا رَسُوْلَ اللهِ کہنے کے عادی ہیں۔ اور انشاء اللہ کل بھی اسی طرح درود و سلام پڑھتے ہوئے اور اغثنی یا رسول اللہ کہتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جائینگے لیکن آج اگر کسی کو نہ ان کے در پر جانے کا شوق ہے۔ اور نہ ہی اُن پر درود سلام بھیجنے کی تڑپ ہے۔ اور نہ ہی اغثنی یا رسول اللہ کہنے کی عادت ہے تو وہ کل قیامت میں کس منہ سے وہاں حاضر ہوگا۔ اور کس منہ سے اغثنی یا رسول اللہ کہے گا۔ بھائیو! اگر اغثنی یا رسول اللہ یہاں کہنا شرک ہے۔ تو کل قیامت کے ہولناک دن میں بھی شرک ہی رہے گا وہاں آج کا شرک توحید نہیں بن جائے گا۔ پھر یہ تو بڑی مشکل ہوگی کہ اگر کل یہ نعرہ لگایا۔ تو خدا تو اس جلال میں ہوگا۔ کہ

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ

فرما کر یوں فرمائے گا۔

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

وہاں تو قہر ایزدی کا سامنا ہوگا۔ اور اس قہر ایزدی سے بچنے کے لئے دامنِ رحمۃً للعالمین کی پناہ لازمی ہوگی۔ اور اس دامن میں پناہ لینے کیلئے دربارِ رسالت کی حاضری لازمی ہوگی۔ اور اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللہ کا نعرہ بھی ضروری ہوگا۔ اور اگر یہ سب باتیں وہاں بھی شرک نظر آتی ہیں۔ تو پھر اُن سے دور ہی رہنا پڑے گا۔ اور جو ان سے دور رہا۔ تو اس کا جو ہولناک نتیجہ ہے ظاہر ہے کہ ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مُستغنی ہُوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

پھر کیوں نہ آج ہی ان سے تعلق پیدا کیا جائے۔ اور آج ہی انکا محتاج بنا جائے۔ اور دن رات ان کا نام لیا جائے۔ اور اگر آج ان باتوں سے لگاؤ نہیں۔ اور خیال یہ ہو۔ کہ جائز نہیں۔ تو پھر کل جو مشکل پیش آنے والی ہے۔ اس کا حل یقیناً کوئی نہیں۔ اسی لئے اعلیحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

آج لے اُنکی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا بہت خیال ہے۔ اور آپ پر ہر وہ بات جو ہمیں مشقت میں ڈالے گراں گزرتی ہے۔

ہماری پرواہ

میرے بزرگو! سب جانتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ اور اسے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ خود فرماتا ہے۔ وَاللہُ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سارے عالموں سے بے نیاز و بے پرواہ ہے۔ اُسے کسی بات کی کوئی پروا نہیں وہ ان باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ کسی کا بیٹا مر جائے۔ اُسے کوئی پرواہ نہیں وہ مالک و مختارِ حقیقی اور بے نیاز و غنی ہے۔

میرے بھائیو! اُدھر اللہ تعالیٰ بے نیاز و بے پرواہ ہے۔ اور ادھر ہم سرتاپا احتیاج اور اس امر کے متمنی ہیں۔ کہ ہماری کسی کو پرواہ ہو۔ اور

ہمارے دکھ درد میں کوئی شریک ہو۔ ہم نے گویا عرض کی ۔ کہ الٰہی! تیری ذات پاک کو تو کسی کی پرواہ ہی نہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں ۔ کہ ہماری کسی کو پرواہ بھی ہو۔ تو خدا تعالیٰ نے ہمیں مخاطب فرما کر فرمایا۔ کہ میرے بندو! گھبراؤ نہیں میں نے تمہاری پرواہ رکھنے والا بھی پیدا فرمایا ہے۔ اور وہ ہے ۔ میرا محبوب جناب مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ۔ یہ وہ رسول ہے ۔ جو تمہارے دکھ درد میں شریک ہے۔ اور تمہاری ہر مشکل میں تمہاری پرواہ فرماتے ہوئے تمہارے کام آنے والا ہے۔ یہی وہ رسول ہے۔ جس کی یہ شان ہے ۔ کہ جو بات بھی تمہیں مشقت میں ڈالے ۔ وہ اس پر گراں گزرتی ہے۔ اور جس کے قلبِ انور میں تمہاری اتنی محبت ہے ۔ کہ اتنی محبت ماں کو بھی اپنی اولاد سے نہیں ہوتی۔

روزہ و سحری

میرے بزرگو! ماہِ رمضان کو دیکھئے ۔ اس مہینے میں اللہ تعالےٰ نے ہم پر روزے فرض کئے ہیں۔ اور روزہ کیا ہے ؟ صبح سے شام تک نہ کھانا نہ پینا ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مہینے میں سارا سارا دن کھانے پینے سے روک دیا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ نہ کھانا اور نہ پینا یہ بات ہمارے لئے ایک مشقت کا کام ہے۔ اب دیکھئے کہ اس موقعہ پر ہماری پرواہ رکھنے والے آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ آپ فرماتے ہیں :-

تَسَحَّرُوا فَاِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً (مشکوٰۃ شریف صفحہ)

یعنی "سحری اٹھو اور کھاؤ ۔ کہ اس میں برکت ہے"

سبحان اللہ! ہمارے غمخوار آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا ۔ کہ میری امت کو مہینہ بھر دن میں بھوکا پیاسا رہنا ہے۔ تو اپنی امت کے لئے سحری کا اٹھنا اور کچھ کھا پی لینا ضروری قرار دے دیا۔ تاکہ میرے غلام سحری کے وقت کچھ کھا پی لیا کریں۔ اور دن بھر انہیں روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت کا سامنا نہ ہو۔ اور پھر روزہ افطار کرنے کے لئے یوں فرمایا ۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ :-

اَحَبُّ عِبَادِيْ اِلَيَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔ (کتاب مذکور)

یعنی "جو شخص روزہ جلدی افطار کرے وہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے"

دیکھا آپ نے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد پاک سنا کر روزہ جلدی افطار کرنے کی تلقین فرما دی۔ گویا غمخوار آقا کو ہر صورت میں اپنے غلاموں کی سہولت ہی منظور ہے۔ اُدھر سحری کھلائی۔ اِدھر روزہ جلدی کھلوایا معلوم ہوا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو واقعی ہماری بڑی پرواہ ہے۔ اور آپ ہماری راحت و سہولت ہی میں خوش ہیں۔ بھائیو! خدائے بے نیاز نے تو ہمیں فرمایا۔ کہ میرے روزے میں نہ کھاؤ نہ پیو۔ اور رسول غمخوار (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں یوں فرمایا۔ کہ میری سنت سحری میں خوب پراٹھے اور گھی کھاؤ۔

بھائیو! دیکھ لو کہ جس کسی نے ساری عمر پراٹھے نہ کھائے ہوں۔ جسے عمر بھر گھی نہ میسر آیا ہو۔ رمضان شریف میں سحری کے وقت کریم مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اسے بھی پراٹھے کھلاتا ہے۔ گھی کھلاتا ہے۔ دودھ پلاتا ہے۔ اور دہی کھلاتا ہے۔ سچ فرمایا ہے اعلیحضرت نے کہ ؎

رب معطی ہے یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں!
ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا میٹھا
پیتے ہم ہیں پلاتے یہ ہیں

صیامِ وصال

حضرات! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم صیامِ وصال رکھا کرتے تھے۔ اور صیامِ وصال کا یہ معنی ہے۔ کہ آپ خود بنفسِ نفیس ایسے متواتر روزے بھی رکھتے تھے۔ جن میں رات کو اور سحری کو بھی آپ کچھ تناول نہ فرماتے تھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ادائے مبارک کو بھی اپنانا چاہا۔ اور جب انہوں نے بھی صیامِ وصال رکھنے شروع کر دیئے۔ تو وہ کمزور ہونے لگے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلاموں کی کمزوری و نقاہت کو ملاحظہ فرمایا تو صحابہ کو ایسے روزے رکھنے سے منع فرما دیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ حضور! آپ خود تو ایسے روزے رکھتے ہیں۔ پھر ہمیں منع کیوں فرماتے ہیں

تو ارشاد فرمایا:-

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ (مشکوٰۃ شریف ص۱۷۵)

تم میں سے میری مثل کون ہے ؟ میں تو رات کو سوتا ہوں۔
تو میرا رب مجھے کھلا بھی دیتا ہے اور پلا بھی دیتا ہے۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ آپ سوتے یہاں ہیں اور ہوتے وہاں ہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ مجھے تمہارے اس دُنیوی کھانے پینے کی کیا حاجت ؟ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ کیوں صاحب! کوئی ہے ایسا شخص جو کئی روز متواتر نہ کچھ کھائے نہ پئے۔ اور پھر اُسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور وہ یوں کہے کہ مجھے تمہارے اس دنیوی کھانے پینے کی حاجت نہیں۔ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔

بھائیو! جو لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل کہتے ہیں۔ ان سے کہئے۔ کہ تم بھی ذرا متواتر کھانا پینا چھوڑ کر دکھاؤ تو۔ پھر دیکھو۔ تمہارا بھی تارا سنگھ والا حال ہوتا ہے یا نہیں۔ بھائیو! خبردار! کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل نہ کہنا۔ اور اس بات کا کبھی وہم تک بھی نہ لانا۔ دیکھ لو۔ حضور خود صحابہ سے فرما رہے ہیں۔ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ۔ کون ہے۔ تم سے میری مثل؟ تو جب صحابہ کرام میں بھی حضور کی مثل کوئی نہیں۔ تو آج کون ان کی مثل ہو سکتا ہے ؎

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا صیام وصال سے روکنا اسی لئے ہے۔ کہ اُمت کو تکلیف نہ ہو۔ سبحان اللہ! کیا غمخواری ہے۔ بخدا تارا سنگھ اگر کلمہ پڑھ لیتا۔ تو کبھی "مرن برت" کے عذاب میں مبتلا نہ ہوتا۔ بھائیو! بچے کی ماں کو دیکھو۔ کس طرح اپنے بچوں کو زبردستی بھی کھلاتی پلاتی ہے بچے کو کھانے پینے کی طرف دھیان نہ رہے۔ تو ماں خود بلا کر زور سے

بھی اُسے کھلا پلا دیتی ہے۔ دیکھ لو ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنے غلاموں کو گویا زبردستی کھلا پلا رہے ہیں۔ میرے بھائیو! اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے کس کس احسان کا ذکر کروں۔ بخدا حضور کے دنیا بھر پر اتنے احسان ہیں۔ کہ ان کا شمار ہی نہیں۔ خدائے بے نیاز کی توحید عینِ ایمان ہے۔ مگر ایسی برائے نام توحید جس کے ساتھ اقرارِ رسالت اور تعظیم رسول صلے اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہو۔ بیکار اور زبانی جمع خرچ ہی ہے۔

بھائیو! یہ دنیا کی ساری نعمتیں سب صدقہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور ان نعمتوں سے جائز طور پر فائدہ اٹھانا۔ کھانا پینا۔ چلنا پھرنا سیر و تفریح۔ بال بچوں میں رہنا وغیرہ سب ادا ہائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو ان سب باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ پھر اگر ذاتِ پاک مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلے کو کوئی نکال دے۔ تو پھر ایسے شخص کو چاہیئے۔ کہ صرف خدا ہی کو دیکھے۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے۔ نہ بیٹا۔ نہ باپ۔ وہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے۔ بس اسی کی نقل اتارے۔ وہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ یہ بھی کھانا پینا چھوڑ دے پھر دیکھے کیا لطف آتا ہے۔ بزرگو اور دوستو! یہ سب بہاریں اور رونقیں ہیں ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں۔ ؎

ہے انہیں کے دم قدم کی باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے تو کچھ نہ تھا گر وہ نہ ہوں تو کچھ نہیں

ماں

میرے بھائیو! ایک اور بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا آپ معلوم کر چکے۔ کہ ماں اپنے بچوں کے کھانے پینے اور ان کی صحت و تندرستی کا خیال رکھتی ہے۔ اور جن بچوں کی ماں ہو وہ صاف ستھرے اور کھانے پینے والے بچے ہوتے ہیں۔ ماں اپنے بچوں کو طرح طرح کی نعمتیں کھلاتی ہے۔ خود بھوکی رہ کر بھی بچوں کو کھلاتی ہے۔ ہاں جن کی ماں مر گئی ہو۔ ان پر اگر فاقے آئیں۔ تو تعجب نہیں۔ میرے بزرگو! خدا کے

فضل سے ہم اپنا حضور آقا (صلے اللہ علیہ وسلم) رکھتے ہیں۔ ہمارے نبی اُمی صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے کھانے پلانے والے موجود ہیں ہمیں اگر کوئی یوں کہے۔ کہ یہ تو حلوہ خور ہیں۔ شب برات کو حلوے کھاتے ہیں۔ عید کو سیویاں کھاتے ہیں۔ میلاد شریف کی مٹھائی کھاتے ہیں۔ گیارھویں شریف کے چاول کھاتے ہیں۔ تو وہ سچ کہتا ہے۔ ہم بیشک یہ سب کچھ کھاتے ہیں۔ ہمارا کھلانے والا زندہ ہے۔ ہم "یتیم" نہیں ہیں۔ ہم اپنا وہ رسول رکھتے ہیں۔ جو ماں سے بھی زیادہ شفیق ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہے۔ وہ عطا فرماتا ہے اور ہم کھاتے ہیں۔ ہاں جن کا رسول بقول ان کے مر کر مٹی میں مل گیا ہے۔ انہیں اگر نہ حلوہ ملے۔ نہ مٹھائی۔ تو تعجب کی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ یتیم کا یہی حال ہوتا ہے۔

لطیفہ: اب اس موقعہ پر ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ ایک بادشاہ نے بھرے دربار میں حاضرین سے سوال کیا۔ کہ بتاؤ میری ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہیں؟ میرے اس سوال کا جو معقول جواب دے گا۔ اسے منہ مانگا جواب دوں گا۔ اور جو جواب نہ دے سکا۔ اُسے مروا ڈالوں گا۔ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر جواب دینے کے لئے اٹھنا۔ بادشاہ کا یہ اعلان سن کر سب دم بخود رہ گئے۔ اور کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اٹھ کر جواب دے۔ اس مجلس میں ایک دانا ظریف بھی تھا۔ وہ اٹھا۔ اور کہنے لگا۔ حضور! میں بتاتا ہوں۔ کہ آپ کے ہاتھ پر بال کیوں نہیں آیا۔ بادشاہ نے کہا بتاؤ۔ وہ بولا۔ حضور۔ یہ آپ کی سخاوت کا نتیجہ ہے۔ آپ اتنے بڑے سخی ہیں کہ ہر وقت خیرات کرتے ہی رہتے ہیں۔ پس آپ کی ہتھیلیوں کے بال خیرات دے دے کر گھس گئے ہیں۔ اس جواب سے بادشاہ خوش ہوا اور پھر پوچھا۔ اچھا میری ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں۔ چونکہ ظریف بولا حضور آپ جب دیتے ہیں۔ مجھ کو دیتے ہیں۔ آپ کے بال دے دے کر، اور میرے لے لے کر گھس گئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اچھا! تو یہ جو سارے حاضرین بیٹھے ہیں۔ ان کی ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہیں۔ وہ بولا۔ حضور!

بھی اسی کی صفات ہیں۔ تو پھر کسی کو سننے والا۔ دیکھنے والا، اور کلام کرنے والا بھی نہیں ماننا چاہیئے۔ اور شرک سے بچنے کے لئے سب کو صُمٌّ بُکۡمٌ عُمۡیٌ ہی ماننا چاہیئے۔ حالانکہ اس موقعہ پر سب یہی کہتے ہیں۔ کہ نہیں صاحب! یہاں شرک نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ "موجود" ذاتی ہے۔ اور بغیر کسی کے موجود کرنے کے خود بخود ہی موجود ہے۔ اور مخلوق جو موجود ہے۔ وہ اللہ کے موجود فرمانے سے اور اس کی مہربانی سے موجود ہے اس لئے جب کہ اس صفت کی نوعیت بدل گئی۔ تو شرک نہ رہا۔ اسی طرح دیگر صفات بھی اللہ کی ذاتی صفات ہیں۔ اور مخلوق کی اس کی عطا سے۔ پس اسی طرح مالک و متصرف اور عالم یہ صفات بھی اللہ کی تو ذاتی ہیں۔ وہ خود بخود سب کا مالک ہے۔ اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی تملیک سے سب کے مالک ہیں۔ وہ متصرف ذاتی ہے۔ اور اس کا محبوب متصرف باذنہٖ۔ اور اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے۔ تو پھر یہاں کیا کہئے گا۔ کہ قرآن پاک ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا ہے۔ کہ

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔

اور یہاں اپنے حبیب کے لئے فرمایا ہے۔ کہ:-

وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ۔

گویا قرآن پاک ہی کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی رؤف و رحیم ہے۔ اور اللہ کا محبوب بھی رؤف و رحیم ہے۔ ہمارے پاس تو وہی جواب ہے کہ اللہ کا رؤف و رحیم ہونا ذاتی ہے۔ اور اس کے محبوب کا رؤف و رحیم ہونا عطائی ہے۔ مگر جو لوگ اس فرق کو تسلیم نہیں کرتے، وہ کیا کہیں گے۔ مگر وہ کچھ کہیں۔ قرآن تو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان رؤف و رحیم فرما رہا ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم صفاتِ الٰہیہ کے مظہر اتم ہیں ؎

نبی ہمارا خدا کا پیارا رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے
طبیب بھی ہے حبیب بھی ہے علیم بھی ہے [illegible] ہے

خدا کا تحفہ

میرے بھائیو! اب میں روح البیان کی ایک روایت سُنا کر اپنا یہ وعظ ختم کرتا ہوں۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں ایک ایمان افروز روایت درج فرمائی ہے۔ وہ سنئے۔ اور سر دھنئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ بعض حکماء سے یہ مروی ہے۔ کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ رَاْسَہٗ مِنَ الْبَرَکَۃِ۔ وَعَیْنَیْہِ مِنَ الْحَیَاءِ۔ وَاُذُنَیْہِ مِنَ الْعِبْرَۃِ وَلِسَانَہٗ مِنَ الذِّکْرِ وَشَفَتَیْہِ مِنَ التَّسْبِیْحِ۔ وَوَجْہَہٗ مِنَ الرِّضَاءِ۔ وَصَدْرَہٗ مِنَ الْاِخْلَاصِ۔ وَقَلْبَہٗ مِنَ الرَّحْمَۃِ۔ وَفُؤَادَہٗ مِنَ الشَّفْقَۃِ وَکَفَّیْہِ مِنَ السَّخَاوَۃِ۔ وَشَعْرَہٗ مِنْ نَبَاتِ الْجَنَّۃِ وَرِیْقَہٗ مِنْ عَسَلِ الْجَنَّۃِ وَلَمَّا اَکْمَلَہٗ بِھٰذِہِ الصِّفَاتِ اَرْسَلَہٗ اِلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ۔ (روح البیان ص ۱۶۶ ج ۱)

یعنے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ تو آپ کے سرِ انور کو برکت سے پیدا فرمایا۔ چشمانِ مبارک کو حیاء سے۔ اور مقدس کانوں کو عبرت سے پیدا فرمایا۔ زبان پاک کو ذکر سے۔ لبہائے مبارک کو تسبیح سے۔ اور چہرۂ انور کو رضاء سے پیدا فرمایا۔ سینہ انور کو اخلاص سے۔ دل مبارک کو شفقت سے اور ہتھیلیوں کو سخاوت سے۔ اور بالوں کو جنت کی کیاریوں سے۔ اور لعابِ دہن شریف کو جنت کے شہد سے پیدا فرمایا۔ اور جب آپ کو ان کمالاتِ عالیہ سے مکمل فرما دیا۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ وجودِ رحمت اس امت کی طرف بھیجدیا۔ گویا یہ اللہ کا ایک خاص تحفہ ہے۔ جو خدا نے ہم عاجزوں کو عطا فرمایا۔ فالحمد للہ علٰی ذٰلک ::

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چھبیسواں وعظ

خلق عظیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ط (پ ۲۹ ع ۳)

اور بیشک تمہاری خو بڑی شان کی ہے۔

حضرات! آج مجھے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ خدا تعالی اپنے محبوب کو مخاطب فرما کر فرماتا ہے۔ کہ تمہاری خو بڑی شان کی ہے۔ اور تمہارا خلق خلق عظیم ہے۔ اعلحضرت نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

ترے خلق کو رب نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور پاک کے خلق پاک کی کہ خدا تعالی

اسے عظیم فرما رہا ہے۔ میرے بھائیو! جسے خدا تعالیٰ عظیم فرمائے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ بڑا قرار دے۔ اس کی عظمت کو کون بیان کر سکتا ہے؟ یہ دیکھئے پہاڑ کس قدر اونچے اور بڑے ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کو سبھی بڑا سمجھتے ہیں۔ کسی دلیر اور قوی آدمی کی نسبت چٹانوں سے کی جاتی ہے۔ اور یوں کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں مرد تو چٹان ہے۔ میرے بھائیو! یہ پہاڑ ہماری نظر میں تو بڑے ہی بلند و بالا اور بڑے ہوتے ہیں۔ مگر خدا کے سامنے یہ سب پہاڑ ہیچ ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ـــ (پ ۲۸ ع ۶) ـــ یعنی "اگر ہم اس قرآن پاک کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے۔ تو آپ دیکھتے۔ کہ وہ پہاڑ اللہ کے خوف سے جھک جاتا۔ اور پاش پاش ہو جاتا۔"

دیکھا آپ نے عظمتِ کلام پاک کو۔ کہ کلام پاک کی عظمت کے سامنے یہ پہاڑ ہیچ ہیں۔ اور ان کے سینے قرآن کی عظمت کا بار نہ قابلِ برداشت ہے۔ اسی طرح سمندر ہماری نظر میں بڑا وسیع اور ناپیدا کنار ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس سمندر کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ ـــ (پ ۱۶ ع ۳) "فرما دو۔ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہو۔ تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا۔ اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔"

گویا یہ سمندر کی پہنائیاں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیچ ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں ہیں۔ میرے بھائیو! یہ ساری دنیا جس میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ بڑے بڑے سمندر ہیں۔ اور جس میں چھ براعظم ہیں۔ اور ان میں بڑی بڑی وسیع و عریض اشیاء ہیں۔ یہ جنگلات۔ اور جمادات کا عالم۔ درندوں پرندوں اور جملہ حیوانات کی دنیا۔ چاند سورج۔ کواکب اور زمین و آسمان کی بے پناہ پہنائیاں اور وسعتیں یہ ساری کائنات۔ عرش و فرش۔

بحر و بر۔ حجر و شجر۔ شمس و قمر اور دنیا و مافیہا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی بڑائی اور عظمت رکھتی ہے؟ آیئے خود خدا ہی سے پوچھئے۔ خدا فرماتا ہے:۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ۔ (پ۵ ع۸)

یعنی فرما دو یا رسول اللہ! کہ یہ سارا سامانِ دنیا تھوڑا ہے۔ اور زائل و فانی ہے۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ دنیا بھر کے سارے ساز و سامان کو "تھوڑا" فرما رہا ہے۔

ہم نے خدا تعالیٰ سے دریافت کیا۔ کہ الٰہی! کائنات کا سب کچھ تیرے سامنے تھوڑا ہی ہے۔ آخر تیرے سامنے کوئی چیز بڑی بھی ہے؟ تو خدا تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے۔ کہ میرے بندو! یہ ساری کائنات میرے سامنے ہیچ اور تھوڑی ہے۔ یہ دریا۔ پہاڑ۔ سمندر وغیرہ سب ہیچ اور تھوڑے ہیں مگر — اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔

اے میرے کملی والے محبوب! تیرا خلق بہت بڑا وسیع اور عظیم ہے۔ سبحان اللہ! پڑھیے درود شریف۔

صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ

صلی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ

میرے بزرگو! اب خود ہی اندازہ لگا لیجیے۔ اپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق پاک کی عظمت کا۔ کہ خود خدا تعالیٰ اِس خلق پاک کی بڑائی اور وسعت کا اعلان فرما رہا ہے۔ میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ایسے رؤف و رحیم اور خلیق و کریم بن کر تشریف لائے ہیں۔ کہ اپنے تو بھلا حضور کے اپنے ہیں ہی۔ بیگانوں نے بھی اس عالم میں حضورؐ کے چشمۂ فیض و کرم سے حصہ پایا۔ اور حضور نے اپنے دشمنوں پر بھی لطف و کرم کی بارش فرمائی۔ ؎

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں

طائف میں

دیکھئے سرزمینِ طائف میں جہاں دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد تکالیف دیں۔ اور حضور پر پتھر بھی برسائے۔ وہاں جب حضور سے عرض کیا گیا۔ کہ یا رسول اللہ! ان دشمنوں کی ہلاکت کے لیے دعا فرمایئے۔ تو ؎

یہ سُن کر رحمۃً للعالمین نے ہنس کے فرمایا
کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا

میدانِ اُحد میں جب آپ کا دندانِ مبارک شہید کیا گیا تو ؎ (پنجابی شعر)

پتھر مارن والے تائیں کہیا رسُول سچا وین
بن بھیجے توں میں دل آویں کدی نہ دوزخ جاویں

عقبہ کی شرارت

میرے بھائیو! ہمارے حضور کو دشمنوں نے بڑا تنگ کیا۔ اور بڑی بڑی اذیتیں دیں۔ مگر حضور ہمیشہ دعا ہی فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ عقبہ بن معیط نے حضور کی گردنِ مطہر میں چادر ڈال کر حضور کی گستاخی کی۔ اور ایک روز آپ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ میں گئے۔ تو عقبہ نے آپ کی پشتِ انور پر بوجھ رکھ دیا۔ تاکہ حضور کو سرِ انور اٹھاتے ہوئے تکلیف ہو۔ شاعر لکھتا ہے۔ ؎

سجدے میں سر کتنا بوجھ اٹھاتے تو کس طرح
اللہ التجا تھی یہ ربِّ غفور سے
اللہ میری قوم کی لغزش معاف کر
باز آئے جلد اپنے یہ فسق و فجور سے

بھائیو! کفارِ مکہ نے حضور کو بڑا ہی تنگ کیا۔ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان کے لیئے بد دعا فرما دیتے۔ تو ان کا صفایا ہو جاتا۔ مگر اللہ رے خلقِ مصطفٰے کہ ان کے لیئے دُعائیں ہی فرماتے رہے۔ ؎

میرے پاک ہر ادا ہے لاجواب
مصطفٰے ہیں آپ خود اپنا جواب

ہیں دعائیں سنگ دشمن کے عوض
اس قدر نرم ایسے پتھر کا جواب

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کا رہینِ منت ہے۔ ایک دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم مکہ کے میدان میں تشریف لے گئے۔ وہاں ابوجہل اور اس کے غلام اور دوست بھی موجود تھے۔ حضور نے ابوجہل کو دعوتِ اسلام دی۔ اسلام کی طرف بلایا۔ تو مردود ابوجہل غصہ میں آگیا۔ اور حضور کو برا بھلا کہنے لگا۔ اور حضور کے سرانور کو زخمی بھی کر دیا۔ حضور نہائت غمگین ہو کر اپنے گھر واپس تشریف لائے یہ واقعہ کو حضرت حمزہ کی باندی دیکھ رہی تھی۔ اس نے حضرت حمزہ کی بیوی یعنی حضور کی چچی سے یہ سارا واقعہ کہہ دیا۔ حضور کی چچی کو بڑا رنج ہوا۔ جب حضرت حمزہ گھر آئے۔ تو بیوی نے حضرت حمزہ سے کہا۔ کہ آج ہمارے فرزند محمدؐ بن عبداللہ کو یتیم سمجھ کر ابوجہل نے مارا ہے۔ آپ محمدؐ کے چچا ہیں۔ آپ کو محمدؐ کی حمایت کرنا چاہیئے۔ حضرت حمزہ کو یہ واقعہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ اور باہر نکل آئے۔ اور ابوجہل کو تلاش کرکے اُسے ایسا پیٹا۔ کہ مردود کا سر پھٹ گیا۔ اور اس سے فرمایا کہ تو نے محمدؐ کو لاوارث سمجھ رکھا ہے؟ خبردار! آئندہ اس کو مت ستانا۔ خوب سن لو۔ کہ میں بھی اس کا حمائتی ہوں۔ حضرت حمزہ حضور کا بدلہ لے کر گھر واپس آئے۔ اور حضور کے پاس پہنچکر دیکھا۔ کہ حضور نہایت غمگین بیٹھے ہیں۔ وجہ پوچھی۔ تو حضور نے بھی سارا قصہ سنایا۔ حضرت حمزہ نے کہا۔ اے محمدؐ! خوش ہو جاؤ۔ کہ جس ابوجہل نے تمہیں ستایا ہے۔ اُسے میں خوب پیٹ کر آیا ہوں۔ اور اس کا سر پھوڑ کر آ رہا ہوں حضور نے فرمایا۔ چچا میں اس سے خوش نہیں ہوا۔ اگر مجھے خوش کرنا ہے۔ تو میری مرضی پر چلو۔ چچا نے کہا۔ اچھا بتاؤ۔ میں کیا کروں۔ تو آپ نے فرمایا کہ

ے اگر خوش کرنا ہے مجھ کو تو چچا جان یوں کیجے
مرے اللہ کی توحید کا اقرار کر لیجے

اے چچا! میں بدلہ لینے سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں مجھے خوش کرنا ہے تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جایئے۔ حضرت حمزہ نے فوراً پڑھا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

دیکھا آپ نے کہ ہمارے حضور کا دل خوش ہوا۔ تو بدلہ لینے سے نہیں۔ بلکہ توحید و رسالت کے اقرار سے۔

اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا

بھائیو! یہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ یہ بالکل غلط اور خلاف نقل و عقل ہے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کہ اگر اسلام بزور شمشیر پھیلا ہوتا۔ تو تلوار کا اثر تو صرف جسم پر ہی ہوتا ہے۔ مگر اسلام جہاں گیا ہے۔ وہاں دلوں تک پہنچا ہے۔ اور اسلام لانے والوں نے ہزارہا مصائب و آلام برداشت کرکے بھی ایک بار اس نعمت سے مشرف ہو کر پھر اس نعمت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہوتا۔ تو مسلمان ہونے والے چند دنوں ہی میں پھر جاتے مگر واقعہ یہ ہے۔ کہ جو لوگ اسلام لاتے رہے وہی مبلغ بن جاتے رہے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا۔ وہ یہ تو بتائیں۔ کہ وہ لوگ جو تلوار کے زور سے دوسروں کو مسلمان کرتے رہے وہ خود کس تلوار سے مسلمان ہوئے تھے۔ بھائیو! ناچار یہی ماننا پڑے گا۔ کہ اسلام بزور شمشیر نہیں۔ بلکہ خلق مصطفےٰ کی تلوار سے پھیلا ہے۔

پٹھان

اچھا صاحب! یہ جو ہمارے پٹھان بھائی ہیں۔ ماشاء اللہ جری و دلیر اور اس قدر اپنی ہٹ کے پکے۔ کہ کچھ ہو جائے۔ مگر اپنے ارادہ کو کبھی ترک نہیں کرتے۔ ہمارے پٹھان بھائیوں کی زیادہ تر خوراک گوشت ہے۔ اور گوشت بھی بیل کا۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جس جانور کا گوشت کھایا جائے۔ اس کی عادات کا کچھ اثر کھانے والے پر ضرور پڑتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ خنزیر ایک بے غیرت جانور ہے۔ اور جو لوگ خنزیر کھاتے ہیں۔ مثلاً اہل یورپ۔ تو ان میں بھی غیرت کا فقدان ہے۔ بلکہ انگریزی ڈکشنری میں تو لفظ غیرت کا وجود ہی نہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ نہ صرف انگریزی ہی

بلکہ سوائے عربی زبان کے دنیا بھر کی کسی بھی زبان میں ایسا لفظ موجود نہیں۔ جس کا معنیٰ "غیرت" ہو۔ "ستیم" شرم یا خود داری وغیرہ یہ اور چیزیں ہیں اور "غیرت" ایک مخصوص جذبہ ہے۔ جو اسلام نے پیدا فرمایا ہے۔ اور "غیرت" کا لفظ بھی اسلام ہی نے دیا ہے۔ اردو یا فارسی یا جس کسی زبان میں بھی اس جذبہ کا اظہار مقصود ہو۔ تو لفظ "غیرت" ہی استعمال کیا جائے گا۔ اس لئے کہ بجز اسلام کے نہ کسی دوسرے دین نے یہ جذبہ دیا ہے۔ اور نہ کسی اور زبان نے یہ لفظ ہی دیا ہے۔ تو جس جانور کا گوشت کھایا جائے۔ اس کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی غذا کتوں کا گوشت مقرر کرے اور اس کا کھانا ثواب سمجھنے لگے۔ تو یقیناً وہ کائیں کائیں کرنے لگے گا۔

ہاں تو بیل کا ایک وصف یہ بھی ہے۔ کہ یہ اپنی ہٹ کا پکا ہوتا ہے چنانچہ یہ کہیں ریلوے لائن میں کھڑا ہو۔ اور گاڑی آ جائے۔ تو بیل اپنی آنکھیں نکال کر سیدھا انجن کو دیکھتا رہے گا۔ مگر لائن سے ہٹے گا نہیں۔ یہی عادت کچھ ہمارے پٹھان بھائیوں میں ہے۔ اور اس کا تجربہ ڈوگروں نے محاذ کشمیر پر کر لیا ہے۔ ہمارے پٹھان غازی نہ کسی بم سے ڈریں نہ کسی تلوار سے میدان میں ڈٹ گئے تو ڈٹ گئے۔ تلوار تو کیا تلوار کا باپ بھی آ جائے۔ تو یہ نہ ہٹیں۔ اور سیانے اس قدر کہ انگریز کو بھی چنے چبا دئے تھے۔ نفیر ایپی کے کارنامے کسے یاد نہیں۔

لطیفہ کہتے ہیں۔ کہ انگریز کے دور میں انگریزوں نے علاقہ پاکستان یعنی آزاد علاقہ میں کچھ دور ریل لے جانا چاہی۔ اور پٹھان مجاہدین سے اس امر پر گفتگو کی۔ کہ ہم تمہارے علاقہ میں چند میل ریلوے لائن بچھانا چاہتے ہیں۔ ہم اس کے عوض اتنے لاکھ روپیہ دیں گے۔ پٹھان مجاہدین نے مان لیا۔ اور روپیہ لے کر معاہدہ کر لیا۔ کہ اس حد تک ریلوے لائن بچھا لو۔ انگریز اپنی کامیابی پر خوش ہوئے۔ اور ریلوے لائن پر بھی ہزاروں روپیہ خرچ کر کے لائن بچھا دی۔ اور جب پہلی مرتبہ اس پر انجن چلایا تو مجاہدین بگڑ گئے۔ اور لائن کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ اور کہا۔

ہم نے معاہدہ کیا تھا۔ کہ ریلوے لائن بچھا لو۔ یہ کب
کہا تھا۔ کہ اس پر انجن بھی چلا لو ———

لائن بھی اکھیڑ دی اور مال موذی بھی لے لیا۔

ہاں تو یہ مجاہدین پٹھان جو تلوار کے باپ سے بھی نہیں ڈرتے۔ بتایا جائے۔ کہ ان لوگوں کو کس تلوار نے مسلمان کیا ہے؟ کیا اس لوہے کی تلوار نے یا خلق مصطفےٰ کی تلوار نے؟ ———

اور سنئے! سرزمین کشمیر جہاں کا راجہ ہری سنگھ تھا۔ وہاں مسلمانوں کی کثرت ہے۔ اور حیدر آباد دکن جہاں کا نواب مسلمان تھا۔ وہاں غیر مسلموں کی کثرت ہے۔ حالانکہ اگر اسلام بزور شمشیر پھیلا ہوتا۔ تو ہونا تو یوں چاہیئے تھا۔ کہ حیدر آباد میں جہاں اسلامی تلوار تھی۔ مسلمان زیادہ ہوتے۔ اور کشمیر میں جہاں اسلامی تلوار نہ تھی۔ مسلمان کم ہوتے۔ مگر معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔ کہ جہاں اسلامی تلوار چلانے والا ہے۔ وہاں مسلمان کم ہیں۔ اور جہاں اسلامی تلوار چلانے والا کوئی نہیں۔ وہاں مسلمانوں کی کثرت ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ یہ جس تلوار کے زور سے اسلام پھیلا ہے۔ وہ تلوار لوہے کی نہیں۔ بلکہ وہ اخلاق نبوی کی تلوار ہے۔

تعلیم نبوی میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پاک ایسی اخلاق آموز اور رحمت بھری تعلیم ہے۔ کہ اس پر عمل کرنے سے ساری لڑائیاں جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ دیکھئے حضور کا ارشاد ہے۔

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ

جو تجھ سے قطع کرے تو اس سے مل۔ اور جو
تجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر دے۔

سبحان اللہ! کیا رحمت بھرا ارشاد ہے۔ اور اسی ایک ارشاد پر عمل شروع ہو جائے۔ تو سارے فتنہ و فساد دور ہو سکتے ہیں۔ میرے بھائیو! حضور کی اسی تعلیم نے عرب کے بڑے بڑے جابروں کو متواضع اور

بڑے بڑے ظالموں کو محسن بنا دیا تھا۔ بت پرستوں کو خدا پرست۔ اور دنیا پر مرنے والوں کو عاقبت کا شیدائی کر دیا تھا۔ دلوں میں کچھ ایسا خدا کا خوف پیدا کر دیا تھا۔ کہ ہر مسلمان چھوٹا ہو یا بڑا۔ اپنے اللہ سے ڈرنے لگا۔ اور ہر بات میں عاقبت کو پیش نظر رکھنے لگا۔

فاروق اعظم اور ایک شخص

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے۔ کہ آپ ایک مرتبہ سحری کے وقت مسجد میں آ رہے تھے۔ کہ کسی شخص کے پاؤں پر آپ کا پاؤں آ گیا۔ وہ شخص بے خبری میں کہنے لگا۔ ؎

کہا اس نے اندھا ہے اے بےخبر ٭ لگے معذرت کرنے حضرت عمر

کہ اندھا نہیں ہوں خطا وار ہوں ٭ خطا بخشنے کا طلب گار ہوں

بزرگوں کے الطاف تو دیکھئے

کہ کیا کیا کرم عاجزوں پر کئے

دیکھا آپ نے فاروق اعظم کی تواضع اور آپ کے اعتراف کو؟ سبحان اللہ! اس قدر جلیل القدر ہستی۔ کہ قیصر و کسریٰ ان کے نام سے لرزہ براندام۔ اور تواضع کا یہ عالم۔ کہ ایک عام شخص سے طالب عفو ہو رہے ہیں۔ یہ نہیں۔ کہ ہم بڑے آدمی ہیں۔ چاہے کسی کو موٹر کے تلے کچل ڈالیں۔ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ یہ سارا کمال اس تعلیم نبوی کا تھا جس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان عامل تھے۔

میرے نبی ہادی کا ارشاد ہے۔ خیارکم احسنکم اخلاقاً یعنی تم میں سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

در ہمہ احوال و افعال اے فتیٰ

پیش نظر تو سیمائے خلق مصطفیٰ

یعنی ہر مسلمان کو اپنے تمام احوال و افعال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ اور ہر وقت حضور ہی کو دیکھنا چاہتے

پلید نہیں۔ پلید اس وقت ہوگا۔ جبکہ اپنے اس مقام کو چھوڑ دے گا۔ تو وہ جو پیٹ کا پیشاب ہے۔ وہ چونکہ اپنے اصل مقام ہی پر موجود ہے۔ اس لئے وہ نجس نہیں ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے نماز ہو جائے گی اور جو بوتل کا پیشاب ہے۔ وہ چونکہ اپنی جگہ چھوڑ چکا ہے۔ اور دوسری جگہ آچکا ہے۔ اس لئے وہ نجس ہے۔ اور اس کے ہوتے ہوئے نماز ہرگز نہ ہوگی۔ یہ بوتل کا پیشاب، پیشاب کہلایا ہی اپنے مقام سے الگ ہو کر ہے۔ جب تک اپنے مقام پر تھا۔ اس کا یہ نام نہ تھا۔ اپنے منبع سے الگ ہوا۔ تو پیشاب کہلانے لگا۔

بلا تشبیہ کہ ہم سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس دنیا میں آتے ہیں۔ ہماری اصل حضور ہیں۔ ہم جب تک اپنی اصل کے دامنگیر رہیں گے۔ ذی وجاہت و معزز بنے رہیں گے۔ اور جب حضور سے جدا ہوئے۔ تو نہ وہ عزت رہی اور نہ وہ وجاہت۔ وہ لوگ جو حضور سے کٹ کر اغیار کی بوتلوں میں نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتے۔ ماڈرن اور اپ ٹوڈیٹ تو کہلا سکتے ہیں۔ مگر مسلمان اسی صورت میں ہو سکتے ہیں۔ کہ اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے لپٹے رہیں۔

میرے عزیزو! اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے کبھی نظر نہ ہٹانا کوئی کچھ کہے۔ اور نئے نئے خیالات و اجتہادات کے چکر میں پھنسائے۔ مگر تم اپنے نبی کے قدموں سے لپٹے رہو۔ اگر خدا سے کچھ پانا ہے۔ تو حضور ہی کے وسیلہ سے پا سکتے ہو۔

دوسری مثال

دیکھو۔ یہ آٹا پیسنے کی چکی ہے۔ یہ اس کمرے میں ہے۔ اور انجن وہ دور دوسرے کمرے میں ہے۔ چکی بیچاری حیران ہے۔ کہ میں انجن کی حرکت اپنے آپ میں کیسے پیدا کروں؟ انجن وہ دور ہے اور میں یہ اس سے دور ہوں۔ آخر انجن و چکی میں ایک وسیلہ و واسطہ بنلیا گیا۔ جسے پٹا کہا جاتا ہے۔ پٹے نے ایک طرف انجن کو آغوش میں لیا۔ اور

دوسری طرف چکی کو آغوش میں لیا۔ اور اُدھر انجن سے حرکت لینے لگا اور ادھر چکی کو حرکت دینے لگا۔

بلا تشبیہ کہاں خالق اور کہاں مخلوق۔ ہمیں اللہ کے انعام واکرام کی احتیاج۔ مگر کہاں وہ اور کہاں ہم۔ آخر اللہ نے اپنی مخلوق پر کرم فرمایا اور خالق و مخلوق کے درمیان ایک وسیلہ عظمیٰ پیدا فرما کر ہم میں بھیجا۔ اور اس کا نام رکھا "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس وسیلے نے اُدھر خدا کی رحمت کو آغوش میں لیا۔ اور ادھر ہم گنہ گاروں کو اپنی آغوش رحمت میں لیا اور اُدھر اللہ سے لینے لگے اور ادھر ہمیں دینے لگے۔ ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ کا ہے حرفِ مشدد کا

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

بھائیو! یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لو۔ کہ انجن چلتا ہو۔ تو اس کے پہیے پر ہاتھ رکھ لیجئے۔ تو کچھ ایسا خطرہ نہیں۔ مگر پٹے کی یہ شان ہے۔ کہ جو اس کی طرف بڑھا۔ اور دست درازی کی تو فوراً پکڑا گیا۔ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ گویا انجن یہ کہتا ہے۔ کہ جس کسی نے پٹے کی طرف دست درازی کی۔ اُسے میں نہ چھوڑوں گا۔

میرے بھائیو! ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں لکھا ہے۔ کہ خدا کو گالی دینے والا بے ایمان اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ مگر جو بے ایمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اس کی توبہ بھی مقبول نہیں۔ گویا جس نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دی وہ بچ نہیں سکتا۔ جو مرتا ہے۔ پٹے ہی میں پھنس کر مرتا ہے اور جو بھی کافر ہے۔ وہ نبوت و رسالت ہی کا مارا ہوا ہے۔

بھائیو! بارگاہِ رسالت کی بے ادبی سے بچتے رہو۔ یہ مقام بڑا ہی نازک مقام ہے۔ ایسا نازک کہ۔ ع

نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

افسوس ! کہ اس پرفتن دور میں بعض لوگ مقامِ نبوت کی عظمت و اہمیت کو گھٹا کر اپنے مقام کو نہ صرف یہ کہ برابر بلکہ اونچا دکھانے کی بے سود کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ دیکھئے جو لوگ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت نہیں مانتے۔ وہ گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ و سیرت مطہرہ کو قابلِ اتباع نہیں مانتے۔ اور اپنے مزعومہ معانی قرآن کو مسلمانوں سے منوانا چاہتے ہیں گویا حضور نے جو کچھ فرمایا ہے اور کرکے دکھایا ہے۔ وہ حجت نہیں (معاذ اللہ) اور یہ جو کچھ کررہے ہیں وہ ماننے کے قابل ہے۔

بھائیو! اگر دین و دنیا کی کامیابی حاصل کرنے کی تمنا ہے۔ تو اخلاقِ نبوی کو اپناؤ۔ حضور فرماتے ہیں۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ - میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں۔ تاکہ بزرگ خلق کی تکمیل کردوں۔ جس قدر بھی اخلاقِ حسنہ ہیں ان کی تکمیل حضور نے فرمائی ہے۔ اور انسانیت نام ہے اخلاقِ حسنہ کا۔ اور اخلاق حسنہ کا منبع و مخزن ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ پس جسے مسلمان بننا ہے۔ مگر جسے انسان بننا ہے وہ آئے اور ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دامن گیر ہوجائے ورنہ ایسا شخص جس میں اخلاقِ نبوی کی جھلک نہیں۔ وہ مسلمان تو کیا انسان کہلانے کا بھی حقدار نہیں۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ستائیسواں وعظ ۲۷

معراج پاک

پہلے حصّہ میں معراج شریف کا جو وعظ درج
ہے۔ یہ وعظ اس سے مختلف ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (الآیۃ)
ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَى السَّمَاءِ (الحدیث)

حضرات! ہمارے آقا و مولیٰ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو جہاں
اور بہت سے کمالات اور رفعتیں عطا ہوئیں۔ وہیں ہمارے حضور صلے اللہ

علیہ وسلم کو ایک کمال "معراج پاک" کا بھی عطا ہوا۔ یعنی ہمارے حضور ۲۷ ویں رجب شریف کو جاگتے میں اور اپنے جسمِ انور کے ساتھ مکہ معظمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر اور پھر آسمانوں سے عرشِ اعظم اور لامکاں تشریف لے گئے۔ اور سر انور کی مبارک آنکھوں سے خدا تعالیٰ کا دیدار اس شان سے کیا۔ کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ یعنی آپ کی پلک بھی نہ جھپکی۔ ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو جمال
تو عینِ ذات مے نگری در تبسمی!

یہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ صحابہ کرام و اجلہ محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی مسلک و مذہب ہے۔ چنانچہ شارح بخاری حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَالْحَقُّ اِنَّهٗ اِسْرَاءٌ وَاحِدٌ بِرُوْحِهٖ وَجَسَدِهٖ يَقْظَةً فِي الْقِصَّةِ كُلِّهَا وَاِلٰى هٰذَا ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ مِنْ عُلَمَاءِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ — (مواہب لدنیہ ص۳ ج۲)

"یعنی حق یہی ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف کی یہ ایک سیر تمام روح و جسم کے ساتھ اور جاگتے ہوئے ہوئی ہے اور یہی مذہب ہے۔ جمہور محدثین و فقہا اور متکلمین کا۔"

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ مدارج شریف میں فرماتے ہیں:-

صحیح آن است کہ وجودِ اسرار و معراج ہمہ در بیداری وبجسد بود۔ وجمہور علمار از صحابہ و تابعین و اتباع و من بعدہم از محدثین و فقہار و متکلمین بریں اند۔ (مدارج النبوۃ ص۱۹ ج۱)

"صحیح یہ ہے۔ کہ واقعہ سیر و معراج شریف سب بیداری میں اور جسم شریف کے ساتھ تھا۔ جمہور علمار۔ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین ہیں سے اور ان کے بعد کے محدثین کرام و فقہار

و متکلمین سبھی اس بات پر متفق ہیں "

اور طبرانی شریف کی صحیح روایت ہے۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا :-

اِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَأٰى رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ مَرَّةً بِبَصَرِهٖ وَ مَرَّةً بِفُؤَادِهٖ ---- (مواہب لدنیہ ص۳۷ ج۲)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کو دو بار دیکھا ایک بار دل سے اور ایک بار چشم سر سے "

اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ جب کوئی کریم کسی اپنے خاص دوست کو اپنے گھر بلائے۔ اور اپنے محل میں دوست اپنے دوست کی ضیافت کرے تو یہ بات قرینِ قیاس نہیں۔ کہ وہ کریم اپنے دوست سے پردہ کرے۔ اور اپنا جلوہ اسے نہ دکھائے۔ میرے بھائیو! یہی حقیقت ہے۔ جو میں نے بیان کی۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جاگتے ہوئے جسم انور کے ساتھ شرفِ معراج حاصل کیا۔ اور سرِ انور کی چشمانِ مبارک سے اپنے رب کا دیدار پایا۔ اسی لئے اعلیحضرت نے بھی لکھا ہے۔ کہ

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

قانونِ قدرت

حضرات! پہلے میں مختصراً آجکل کی عقل کا ایک اعتراض اور اس کا جواب سنا دوں۔ تاکہ معراج پاک کے سچے واقعہ کو سنتے ہوئے یہ "برائے نام عقل" کوئی شور نہ مچا سکے۔ آجکل یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جس بات کو عقل تسلیم کرلے۔ اور جو بات مشاہدہ میں آجائے۔ وہ قانون قدرت کے مطابق ہے۔ اور جو بات عقل میں نہ آئے۔ اور اس کا مشاہدہ نہ ہو۔ وہ قانونِ قدرت کے مخالف ہے۔ حالانکہ عقل کی یہ بات عقل کی بات نہیں ہے۔ قانونِ قدرت کا ہماری یہ محدود عقل احاطہ نہیں کرسکتی۔ اسی طرح ہمارا تجربہ یا مشاہدہ بھی قانونِ قدرت کو محدود نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہماری عقلوں نے سارے قانون قدرت کو معلوم کرلیا

ہے۔ اور جو بات ہمارے مشاہدے کے خلاف ہوگی۔ وہ قانونِ قدرت کے خلاف ہوگی۔ ہماری عقل۔ ہمارا علم۔ ہمارا تجربہ اور ہمارے مشاہدات سب محدود ہیں۔ اور ان میں آئے دن نئی نئی تحقیقات سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کئی تھیوریاں ہیں۔ جو ایک وقت ثابت تھیں۔ اور سب کا ان پر یقین تھا۔ مگر بعد میں ایک محقق اٹھا۔ اور اس نے اُن ساری تھیوریوں پر پانی پھیر دیا جیسے کہ مشہور ہے۔ کہ پچھلے زمانہ کے ڈاکٹر پھل کو چھلکا اتار کر کھانے کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ مثلاً ہری چھیمی کا کیلا ہے۔ پہلے ڈاکٹروں کا خیال یہ تھا کہ کیلے کو چھلکا اتار کر کھایا جائے۔ مگر آجکل یہ تھیوری بدل گئی ہے۔ اب ڈاکٹر یوں کہا کرتے ہیں۔ کہ پھل کو چھلکے سمیت کھانا مفید رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ بہت ممکن ہے۔ یہ تھیوری بھی بدل جائے۔ اور آئندہ یوں کہا جانے لگے۔ کہ پھل کا چھلکا ہی کھانا چاہیئے۔ اور اندر کا گودا پھینک دینا چاہیئے یعنی ہری چھیمی کا کیلا لیجئے۔ اور چھلکا اتار کر تناول فرمائیے۔ اور اندر کا گودا پھینک دیجئے۔ اور دیکھئے لگے گا۔ اگر کسی وقت یہ تھیوری اسی شکل میں سامنے آگئی۔ تو یورپ کی ہر بات پر آمنّا کہنے والے ایسا ہی کیا کریں گے۔ اس لئے کہ ایسے لوگوں کے لئے یورپ کا ماڈل بڑا معتبر ہے۔ یعنی یورپ کی ہر بات چاہے وہ عقل و نقل اور شریعت و طبیعت کے خلاف بھی کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کے لئے وہ اچھی ہی ہوتی ہے۔ اور اسے اپنانا ہی چاہیئے۔ مثلاً آج تک کھانا بیٹھ کر ہی کھایا جاتا رہا ہے۔ اور ہمیں یہ شکوہ تھا۔ کہ مقلدینِ یورپ چائے

کھڑے ہو کر کھانا

سوڈا وغیرہ کھڑے کھڑے کھانے لگے ہیں۔ اور یہ ایک خاص انگریزی طرز ہے۔ کہ میز پر کھانا چن دیا جاتا ہے اور کھانے والے حضرات میز کے ارد گرد اپنے ہاتھوں میں پلیٹیں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کھانا اپنی اپنی پلیٹوں میں لیکر میز کے ارد گرد پھرتے اور گھومتے ہوئے کھاتے ہیں۔ میں تو اب اس انتظار میں ہوں۔ کہ دیکھیں یہ لوگ دوڑ دوڑ کر کھانا کب شروع کرتے ہیں۔ سچ کہا ہے۔ کہ ہر بازی ...

ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر اے حضور!
آپ خوش قسمت تھے جو بندر سے انساں بن گئے

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہماری عقل۔ مشاہدہ اور ہمارے تجربات محدود ہیں۔ یہ قانون قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ خدا کا قانون بڑا وسیع ہے۔ پھر کئی ایسی باریک تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ جو ہزاروں سالوں کے بعد جا کر ایسی صورت اختیار کرتی ہیں۔ کہ ہم ان کو محسوس کر سکیں۔ پس ہماری عقل، ہمارا تجربہ و مشاہدہ صرف انہیں قوانین کو معلوم کر سکتا ہے۔ جو ہمارے زمانہ میں ہوں۔ اس لحاظ سے ہمارا مشاہدہ محدود اور وقتی ہوگا۔ اور کامل ہرگز نہ ہوگا۔ اس کی مثال عرض کروں۔ دیکھئے ایک شخص دن کے نو بجے پیدا ہوا۔ اور شام سے پہلے پہلے دو بجے فوت ہوگیا۔ اب اگر وہ بچہ اپنے اس پانچ گھنٹہ کے مشاہدہ سے نتیجہ یہ اخذ کرلے۔ کہ سورج کا طلوع اور غروب سب جھوٹ ہے۔ سورج نہ چڑھتا ہے۔ نہ ڈوبتا ہے۔ بلکہ ہر وقت روشن ہی رہتا ہے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اس بچہ نے اپنے محدود۔ مشاہدہ کی بنا پر ایک غلط اصول قائم کر لیا ہے۔ اگر وہ شام تک زندہ رہتا۔ تو یقیناً سورج کا غروب ہونا بھی دیکھ لیتا۔ اور اگر دوسری صبح بھی زندہ رہتا۔ تو سورج کا طلوع ہونا بھی دیکھ لیتا میرے بھائیو! یہی حالت دنیا کی ہماری عمروں کے مقابلے میں ہے۔ دنیا کی عمر لاکھوں، کروڑوں سال ہے۔ اور ہمارے تجربے زیادہ سے زیادہ سو یا ہزار سال کے سہی۔ بہرحال محدود اور وقتی ہیں۔ اس لئے یہ کسی صورت قانون قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

کنوئیں کا مینڈک

کہتے ہیں۔ سمندر کا ایک مینڈک اتفاقاً کسی کنوئیں پر گر گیا۔ کنوئیں میں بھی ایک مینڈک رہتا تھا۔ کنوئیں کے مینڈک نے جب ایک نئے صاف اور اجلے مینڈک کو دیکھا۔ تو اس سے پوچھنے لگا۔ بھئی! تم کہاں سے آئے؟ وہ بولا۔ میں سمندر کا رہنے والا ہوں۔ کنوئیں کے مینڈک نے کہا۔ سمندر کیا ہوتا ہے؟ وہ بولا۔ سمندر ایک وسیع و عریض اور ناپیدا کنار پانی کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ کنوئیں کا

مینڈک حیران ہو کر کہنے لگا۔ میرے اس کنوئیں سے بھی بڑا کوئی پانی کا ذخیرہ ہے؟ وہ بولا۔ ارے نادان! یہ تمہارا کنوآں اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے۔ سمندر بہت ہی بڑا ہوتا ہے۔ کنوئیں کا مینڈک اپنے کنوئیں میں ایک فٹ تیر کر کہنے لگا۔ کیا سمندر اتنا بڑا ہے؟ وہ بولا۔ بے وقوف! اس سے بھی کہیں بڑا۔ اس نے اپنے کنوئیں کے نصف دائرہ کا چکر کاٹا۔ اور پوچھا کیا اتنا بڑا ہے؟ وہ بولا۔ اس سے بھی بڑا۔ پھر اُس نے کنوئیں کے سارے دائرہ کا چکر کاٹ کر پوچھا۔ تو کیا اتنا بڑا ہوتا ہے؟ سمندر کے مینڈک نے کہا اس سے بھی کہیں زیادہ بڑا۔ کنوئیں کا مینڈک بولا۔ میں یہ بات مان ہی نہیں سکتا۔ کہ میرے اس کنوئیں سے بھی بڑا کوئی ذخیرۂ آب ہو سکتا ہے؟ یہ بات میری عقل میں نہیں آئی۔ اور میرے مشاہدے کے بالکل خلاف ہے۔ میرے بھائیو! کچھ یہی قصہ آجکل کی عقل کے کنوئیں کے مینڈک کا ہے۔ جو معجزات کے بحرِ ذخّار کی وسعتوں کا صرف اس بنا پر انکار کر رہا ہے۔ کہ وہ اسکے مشاہدے کے خلاف ہیں۔ کنوئیں کے مینڈک نے جس طرح صرف اپنے کنوئیں ہی کے محدود دائرے کو قانونِ قدرت سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح آج کل کے عقلی مینڈک نے بھی صرف اپنے تجربوں ہی کو قانون قدرت سمجھ رکھا ہے۔

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! واقعہ معراج شریف بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے بحر ذخار کی ایک موج ہے۔ اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ سرکار کے فضل و کمال کا سمندر "فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ حَدٌّ" کے مطابق ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اور اس بے پایاں سمندر کی ہزاروں لاکھوں موجوں میں سے معراجِ پاک بھی ایک مَوج اَوج ہے۔ اسی حقیقت پر اپنا ایمان رکھیئے۔ اور کنوئیں کے مینڈک کو اگر وہ انکار کرتا ہے۔ تو کرنے دیجئے۔ کہ وہ بچارا معذور ہے۔

دو جہان کی مملکت

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم دو جہان کے رسول اور سلطانِ دارین ہیں۔ اس جہان کے بھی اور اس جہان کے بھی آپ رسول و حاکم ہیں۔ چنانچہ خود حضور صلے اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ میرے دو وزیر زمین پر ہیں۔ اور دو آسمان پر۔ آسمان پر میرے دو وزیر جبریل و میکائیل ہیں۔ اور زمین پر ابوبکر و عمر۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۲)

کیوں صاحب! وزیر کس کے ہُوا کرتے ہیں؟ حاکم و بادشاہ ہی کے تو ہوتے ہیں۔ اور کسی حاکم و بادشاہ کے وزیر کیا اس مقام پر بھی ہو سکتے ہیں۔ جہاں اس کی حکومت نہ ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ حاکم کے وزیر اسی مقام پر ہو سکیں گے۔ جس مقام پر اس حاکم کی حکومت قائم ہے۔ تو معلوم ہو گیا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت زمین پر بھی قائم ہے۔ اور آسمان پر بھی۔ اسی لئے آپ کے وزیر زمین پر بھی ہیں۔ اور آسمانوں پر بھی۔

میرے بھائیو! اس شان کا حاکم چشمِ فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا کہ حکم فرمانے پر اِدھر زمین پر درخت بھی دوڑتے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ اور اُدھر آسمان پر چاند بھی شق ہو رہا ہے۔ اور سورج بھی واپس دوڑا ہُوا آ رہا ہے ؎

چاند شق ہو۔ پیڑ بولیں۔ جانور سجدہ کریں
بارکَ اللہ مرجعِ عالم یہی سرکار ہے

میرے بھائیو! ہمارے بلانے پر تو ہمارا سگا بیٹا بھی قریب نہیں آتا اور سرکار کے بلانے پر شجر و حجر بھی لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں۔ پھر کس قدر ظلم ہے۔ کہ کوئی شخص ان کی مثل بننے لگے۔ ؎

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی!
حضور بلبلِ بستاں کرے نوا سنجی!

ہاں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مملکت کے یہ دونوں جہان گویا دو صوبے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں رہیں۔ وہاں تشریف لے جائیں۔ یہ آپ کا اختیار ہے۔ آپ دونوں جہان کے حاکم ہیں۔ آپ کا آسمانوں پر تشریف لے جانا اپنی ہی مملکت کا دورہ ہے۔ اس میں کیا اشکال ہے۔ دیکھئے ہمارے وطنِ عزیز کے دو صوبے ہیں۔ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان۔ صدرِ پاکستان راولپنڈی میں تشریف رکھیں۔ کراچی میں۔ یا ڈھاکہ تشریف لے جائیں۔ یہ ان کا اختیار ہے

اور سرکاری طور پر جب اعلان ہوتا ہے۔ کہ صدر پاکستان فلاں دن صبح راولپنڈی سے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو کر شام کو ڈھاکہ پہنچ گئے۔ تو اس خبر پر کسی کو تعجب نہیں ہوتا۔ ہاں مثال کے طور پر ایک چیونٹی اگر یہ خبر سن لے۔ کہ صدر پاکستان صبح چل کر شام کو ڈھاکے پہنچ گئے ہیں۔ تو وہ اپنے ضعف اور اپنی محدود طاقت کے پیشِ نظر جب یہ دیکھے گی۔ کہ کہاں راولپنڈی اور کہاں ڈھاکہ میں تو سارا دن اگر چلتی رہوں۔ تو راولپنڈی سے چک لالہ بھی نہیں پہنچ سکتی۔ لہذا راولپنڈی سے چل کر ایک ہی دن میں ڈھاکہ پہنچ جانا میرے نزدیک قانونِ قدرت کے اور میرے مشاہدے کے خلاف ہے۔ تو فرمایئے۔ اس چیونٹی کا یہ کہنا کیا صحیح ہوگا؟ آپ یہی کہیں گے۔ کہ بی چیونٹی! تم اپنی بات کر رہی ہو اور ہم صدر پاکستان کی بات کر رہے ہیں۔ تم اپنے ضعیف پاؤں کی طرف دیکھ رہی ہو اور یہاں ایک زبردست طاقت و پرواز رکھنے والے ہوائی جہاز کا ذکر ہے۔ اب سمجھیئے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو دونوں جہانوں کے حاکم و سلطان ہیں۔ اور صدرِ مکان و لامکان ہیں۔ ان کے متعلق سرکاری اعلان ہوتا ہے۔ کہ

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (الآیۃ)

یعنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تھوڑے سے وقت میں مسجد حرام سے مسجدِ اقصٰی تک اور پھر وہاں سے (از روئے احادیث صحیحہ) آسمانوں اور لامکاں کی بھی سیر فرمائی۔ اور سیر بھی اس طرح کہ جب واپس تشریف لائے۔ تو۔ سہ

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سر عرش گئے آئے محمد

تو اس سرکاری اعلان کو سن کر ہر صاحبِ ایمان پکار اٹھتا ہے۔ کہ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔ اور اگر کوئی شخص اس پر عقلی استحالے پیش کرنے لگے۔ اور یوں کہنے لگے۔ کہ یہ تو میری سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ تو ہم اُسے یہی جواب دینگے

کہ جس طرح ایک چیونٹی کے لئے ہوائی جہاز کی تیز رفتاری اس کی سمجھ بوجھ سے باہر ہے۔ اسی طرح "براق" کی برق رفتاری تمہاری سمجھ بوجھ سے باہر ہے۔

ایمان میرے بھائیو! جو صاحبِ ایمان ہے۔ وہ اللہ و رسول کے ارشادات کے سامنے کبھی چون و چرا نہیں کرتا۔ اور کبھی یہ نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہے۔ اور ایسا کس طرح ہو گیا؟ ہمارا ایمان ہے۔ کہ حضور شبِ معراج آسمانوں پر اور لامکاں تشریف لے گئے۔ کیسے گئے۔ اور یہ بات کیسے ہو گئی؟ ان باتوں سے ہمیں کیا۔ ہمارا کام تو ماننا ہے۔ نہ کہ بحث کا دروازہ کھولنا۔ اور اگر تحقیق و تدقیق کی آڑ میں اس قسم کی بحثوں کا دروازہ کھولنا ہی ہے تو پھر ہر بات میں بحث چل نکلے گی۔ مثلاً ہم معترض صاحب ہی سے پہلے یہ پوچھیں گے۔ کہ آپ مرد کیوں بن گئے۔ اور کیسے بن گئے؟ اور آپ کی بیگم عورت کیوں بن گئی۔ اور کیسے بن گئی، اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ آپ عورت نہیں بن گئے؟ اور آپ کی بیگم مرد کیوں نہیں بن گئی؟ آپ کے والد آپ کے والد کیسے بن گئے؟ کیا وجہ ہے۔ کہ آپ دنیا میں پہلے تشریف نہیں لے آئے۔ تاکہ آپ اپنے والد صاحب کے والد بن جاتے۔ اس تقدیم و تاخیر کا فلسفہ سمجھائیے۔ آپ اپنے بیٹے کے باپ کیوں ہیں۔ اور وہ آپ کا باپ کیوں نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ فرمائیے! اگر فلسفہ ہی پوچھنے اور حکمتیں ہی دریافت کرنے اور ان کو سمجھ لینے کے بعد کسی چیز کو ماننا ٹھہرا لیا گیا۔ تو پھر آپ کے لئے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ ناچار آپ کو یہی کہنا پڑے گا۔ کہ یہ جو کچھ ہوا۔ اللہ کی مرضی سے اور اس کی مشیت سے۔ اور جو ہوا اچھا ہوا۔ وہ قادر ہے۔ حکیم ہے۔ مالک ہے۔ اور جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔ میرے بھائیو! اسی طرح دین کے معاملہ میں بھی۔ یہی اپنا وطیرہ رکھو۔ خدا و رسول کا جو ارشاد ہو۔ اُسے فوراً مان لو۔ اور کیوں مانیں۔ ایسا کیوں کریں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ وغیرہ۔ باتوں سے اجتناب رکھو۔ اس لئے کہ ایمان و اسلام کا معنی ہی ہے مان لینا اور مان کر اپنے آپ کو امن میں لے آنا۔

روسی راکٹ یہ دیکھئے۔ روسی راکٹ، کے متعلق بعض اخباری خبروں

اور ریڈیو کی نشریات پر "ایمان" لا کر سب یہی کہہ رہے ہیں۔ کہ کمال کیا ہے روس نے۔ کہ گگرین ۱۲۵ میل کی بلندی پر جا پہنچا۔ اور تھوڑے سے وقت میں اس نے دنیا بھر کے سترہ (۱۷) چکر لگا لئے۔ کیوں صاحب! کوئی یہاں بھی کہتا ہے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور یہ کیسے ہو گیا؟ اور وہ راکٹ کیسا ہے؟ جو اتنا سریع السیر ہے؟ ہم نے آج تک نہیں سنا۔ کہ کوئی روسی راکٹ کو خلافِ عقل بتاتا ہو۔ مگر افسوس کہ بعض ایسے ہی افراد جو روسی راکٹ پر تو آنکھیں بند کر کے ایمان لا چکے ہیں۔ مگر "براقِ نبوی" کے حقیقی وسچے وجود کے تسلیم کرنے میں انہیں پس و پیش ہے۔ بھائیو! ہم صاحب ایمان ہیں۔ اور ہم مانتے ہیں۔ کہ بیشک بیشک ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج بیداری میں اور جسم انور کے ساتھ سیر سماوات فرمائی۔ اور اپنے خالق و مالک کا دیدار پایا۔ اور بصدق دل اعلیحضرت کے یہ ایمان افروز شعر پڑھتے ہیں کہ ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

اٹھے جو قصرِ دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

آج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بارہویں سال رجب شریف کی ۲۷ ویں شب کو حضرت ام ہانی کے مکان میں آرام فرما تھے۔ کہ جبریل امین علیہ السلام خدا کے حکم سے براق ساتھ لے کر بچاس ہزار فرشتوں سمیت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرشتوں کی تسبیح سے حرم شریف گونج اٹھا۔ ؎

کون آتا ہے سلطانِ دنیا و دیں

در پہ حاضر ہیں یہ کون روح الامیں
قدسیوں کا ہے ہر سمت میلا لگا
آمنا خیرالورٰے آج کی رات ہے
طائر سدرہ بھی چہچہانے لگے
نعتِ احمد کے نغمے سنانے لگے
آکے روح الامیں بولے صلِّ علٰی
آمدِ مصطفٰے آج کی رات ہے!

جبریل امین نے اپنی کافوری آنکھوں کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پائے ناز پر مل کر جگایا۔ اور عرض کیا۔ حضور! اٹھیئے۔ وہ خدائے پاک جس نے کوہِ طور پر حضرت موسٰے علیہ السلام سے لَنْ تَرَانِی فرمایا تھا۔ آج وہ آپ کو خود دعوتِ دیدار دے رہا ہے۔ حضور! چلیئے۔ میں لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں یہ براق آپ کی سواری کے لئے ساتھ لایا ہوں۔ اس کے بعد جبریل امین نے انبوہِ ملائکہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حلہ بہشتی پہنایا۔ سر پر نوری عمامہ رکھا۔ اور نوری چادر اڑھائی۔ اور پھر آپ کی خدمت میں براق حاضر کیا۔ حضور علیہ السلام بصد آب و تاب براق پر رونق افروز ہوئے۔ آسمانوں پر حضور کی آمد آمد کے ڈنکے بجنے لگے۔ اور رحمتِ حق کا دریا اپنے پورے جوش سے بہنے لگا۔ جنت کو سجایا گیا۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ ؎

حور و غلماں صفیں باندھ کر ہیں کھڑے
ارض و افلاک ہیں موتیوں میں جڑے
بابِ دوزخ میں ہر سمت تالے پڑے
خلد کا در کھلا آج کی رات ہے
نورِ وحدت کے چشمے لیمنے لگے
چپے چپے میں قندیل جلنے لگے
دستِ حسرت شیاطین ملنے لگے

کفر کا خاتمہ آج کی رات ہے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس نورانی جلوس کے ساتھ بیت المقدس پہنچے۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام تک سب پیغمبر آپ کی انتظار میں چشم براہ تھے۔ آپ پہنچے۔ تو سب استقبال کے لئے بڑھے۔ حضور نے براق سے اتر کر السلام علیکم فرما کر سب سے ملاقات کی پھر جبریل امین نے اذان کہی۔ اصل اذان کو سن کر آسمانوں سے دیگر فرشتے بھی اترے۔ حتیٰ کہ ساری مسجد اور جنگل بھر گیا۔ جبریل نے تکبیر کہی۔ حضور نے امامت فرمائی۔ اور سب انبیاء کرام علیہم السلام نے حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ ؎

سن کے پیغام حق کو دلارے نبی!
سوئے بیت المقدس سدھارے نبی!
آگے سب کے نبی پیچھے سارے نبی!
کیسی شانِ عُلا آج کی رات ہے

حضور علیہ السلام پھر یہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ ہر آسمان پر مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں پہنچکر جبریل امین نے بھی جواب دے دیا۔ اور عرض کیا۔ حضور! ؎

اس سے آگے اگر میں بڑھوں بال بھر
سارے جل جائینگے میرے بال اور پر
اب تو آگے فقط آپ کا ہے گزر
آپ ہی کو یہ رتبہ ملا آج کی رات ہے

چنانچہ حضور آگے تنہا تشریف لے گئے۔ اب یہ جانے والا جانے یا لیجانے والا۔ کہ حضور آگے کیسے گئے۔ حضور ہزاروں مقامات طے فرماتے ہوئے عرش اعظم کے قریب پہنچ گئے۔ جب آپ عرش اعظم کے قریب ہوئے۔ تو آپ نے یہ پیاری پیاری آواز سُنی۔ اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ۔ اُدْنُ

یا احمد ادن یا محمد ۔ حتیٰ کہ آپ وہاں پہنچ گئے۔ جہاں آج تک کوئی نہ پہنچا تھا۔ ؎

عرش اعظم پہ پہنچے یہ کس کا جگر
ہے کوئی حور و غلمان و جن و بشر ؟
خاک ہوتے ہیں جل کر فرشتوں کے پر
جا نہیں سکتی جس جا کسی کی نظر
جس جگہ وہم کا بھی نہیں ہے گزر
اس جگہ پر گئے آمنہ کے پسر
ان کا رتبہ ہے یہ منکر بے خبر!
عرش پر وہ اور اللہ کی ذات ہے
دونوں عالم میں نورِ مصطفےٰ نور آج
کیسی رونق فزا آج کی رات ہے

یہ مقام ہے۔ جو نہ کسی نبی کو حاصل ہوا۔ اور نہ کسی رسول کو۔ نہ کسی فرشتے کو ملا نہ کسی اور کو۔ تمام تجلیات جمالی و جلالی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آغوش میں لے لیا۔ اور محبوب نے اپنے محب یا محب نے اپنے محبوب کو سرِ اقدس کی چشمانِ مبارک سے دیکھا۔ اور آپ شنید سے منزلِ دید تک پہنچ گئے۔ ؎

پڑے ہوئے تھے ہزار پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے
میں صدقے آنکھوں کی اسکے جس نے وہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

واپسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ درجے و بلندیاں حاصل فرما کر اور عجائب و غرائب کو ملاحظہ فرما کر اور اسرار و رموز پر مطلع ہو کر آسمانوں سے واپس زمین بیت المقدس پر نزول فرمایا۔ اور براق پر سوار ہو کر پھر وہاں سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور صبح صادق سے پہلے اسی مقام پر واپس تشریف لے آئے۔ جہاں سے آپ نے یہ مقدس سفر شروع فرمایا تھا۔ اگرچہ

ملاحظہ فرمایا۔ تو بستر مبارک گرم تھا۔ اور زنجیر ہل رہی تھی۔ ؎

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سیر عرش گئے آئے محمدؐ

اعلیحضرت فرماتے ہیں۔ ؎

قصرِ دنیٰ تک ان کی رسائی
جاتے یہ ہیں۔ آتے یہ ہیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اٹھائیسواں وعظ

کمالاتِ نبوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ (پ۲۰ ع۴)

اور ہم نے پہلے ہی سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں۔

حضرات! آج میں کمالاتِ نبوت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور بتانا چاہتا ہوں۔ کہ "نبی" کسے کہتے ہیں۔ اور نبی کی کیا شان ہوتی ہے۔ اور وہ کس قدر علوم و اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ اور سنانا چاہتا ہوں۔ کہ "نبی" کیا ما و شما کی طرح ایک عام انسان ہوتا ہے۔ یا وہ ساری کائنات سے زیادہ ذی شان۔ سارے عالم سے بڑھ کر عالم۔ اور دنیا بھر کے داناؤں حکیموں۔ اور ذی اختیار لوگوں سے بڑھ چڑھ کر دانا و حکیم اور مختار ہوتا ہے۔ میرے بھائیو! آج کل بعض لوگ "نبی" کو معاذ اللہ ایک عام پیام بر اور چٹھی پہنچانے والے شخص کی سطح پر رکھتے ہیں۔ اور اُسے "اپنی مثل" جان کر اس کی بے پناہ عظمت و بلندی اور اس کے علوم

و اختیارات سے انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی کے ساتھ کوئی غیر نبی مساوی ہو ہی نہیں سکتا۔

میرے بزرگو! یوں تو جسے بھی پوچھو۔ کہ نبی دوسروں سے بڑا ہوتا ہے یا نہیں؟ تو سب یہی جواب دیں گے۔ کہ ہاں بڑا ہوتا ہے۔ مگر جب نبی کے علوم و اختیارات کا بیان کیا جائے۔ تو کئی لوگ انکار کر جاتے ہیں۔ حالانکہ جب نبی کو بڑا مان لیا گیا۔ تو اس کے علوم و اختیارات کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس لئے کہ بڑے کا معنی ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ علوم و اختیارات میں بڑا ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ فلاں افسر، فلاں افسر سے بڑا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ افسر دوسرے افسر سے قد میں بڑا ہے۔ یا وزن میں زیادہ ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ افسر دوسرے افسر سے اختیارات میں بڑا ہے۔ یعنی جو کام چھوٹے افسر سے نہیں ہو سکتا۔ وہ کام یہ کر لیتا ہے۔ تو میرے عزیزو! جب "نبی" کے متعلق یہ اقرار کر لیا جائے۔ کہ نبی سارے عالم سے بڑا ہے۔ تو لازماً یہ مان لیا گیا کہ جو کام دنیا بھر میں کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ کام نبی کر سکتا ہے۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر روسی خلائی انسان میجر گاگارین چند میل بلندی پر پہنچ کر چند منٹوں میں ساری زمین کا چکر لگا سکتا ہے۔ تو "نبی" ایک آن میں فرش سے عرش اور لامکان تک جا اور آ سکتا ہے۔ اور اگر میجر گاگارین کی چند میل کی بلندی کی آواز یہاں زمین پر سائنسدان سن سکتے ہیں۔ تو اللہ کا "نبی" کروڑوں میل کی بلندی پر پہنچکر جنت میں بلال کے جوتوں کی آواز سن سکتا ہے۔ اور اگر ایک روسی یا امریکی انسان اپنے راکٹ میں بیٹھ کر بلندی پر اڑ سکتا ہے۔ تو اللہ کا "نبی" ہوا پر اپنا تخت بچھا کر اور اس پر اپنے لشکر سمیت تشریف فرما ہو کر جہاں چاہے تشریف لے جا سکتا ہے۔ اور اگر ان حقائق سے کوئی شخص انکار کرے۔ تو اس نے گویا نبی کے بڑا ہونے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ جو سارے عالم سے بڑا ہوگا۔ وہ یقیناً سارے عالم کے سائنسدانوں، اور موجدوں سے بھی بڑا ہوگا۔ اور بڑا اسی کو کہتے ہیں۔ جو وہ کام کر سکے۔ جو دوسرے نہ کر سکیں۔ تو کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ گاگرین کی پرواز کو تو مان لیا جائے؛

اور معراجِ پاک کا انکار کر دیا جائے۔ میلوں دور تعلائی انسان کی آواز کو تو زمین پر سن لینے کا اقرار کیا جائے۔ اور اَلصَّلوٰۃُ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ۔ کی آواز کو نبی کے نہ سن سکنے کا اظہار کیا جائے۔ روسی راکٹ پر تو ایمان لے آیا جائے۔ اور تختِ سلیمان و براقِ نبوی (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو خلافِ عقل بتا دیا جائے۔ اور پھر ساتھ ساتھ یہ بھی کہا جاتا رہے۔ کہ "نبی" سارے عالم سے بڑا ہوتا ہے۔ بھائیو! ایسے لوگ یا تو صاف صاف یہ کہیں۔ کہ نبی بڑا نہیں ہوتا۔ اور اگر "بڑا" کہتے ہیں۔ تو پھر نبی کے بے پناہ علوم و اختیارات کو بھی علی الاعلان تسلیم کریں۔ یہ کیا تماشہ ہے۔ کہ "بڑا" بھی کہتے رہے۔ اور "بڑائی" کی باتوں کا انکار بھی کرتے رہے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

نبوت کا معنیٰ

میرے بزرگو! نبوت کے کمالات سننے سے پہلے نبوت کا معنیٰ سن لیجئے۔ اہل لغت نے نبوت کا معنیٰ لکھا ہے۔ "خبر دادن" یعنی خبر دینا۔ گویا نبی اُسے کہتے ہیں۔ جو خبر دینے والا ہو۔ اور خبر وہی دیتا ہے جو خود خبر رکھتا ہو۔ اور جو خود ہی بے خبر ہو۔ وہ خبر کیا دے گا۔ معلوم ہوا۔ کہ نبی کتنے ہی خبر والے ہوں۔ اور نبی کو بے خبر وہی بتاتے ہیں۔ جو خود بے خبر ہیں۔

بھائیو! یہ لغوی معنیٰ ہے۔ اور اصطلاحِ شریعت میں نبی وہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی جانب سے مامور و مرسل ہو کر اس جہان اور اُس جہان کی بھی خبر دے۔ اور جس کی خبر میں کوئی غلطی نہ ہو۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ یہ ہمارے اخبارات بھی خبریں تو دیتے ہیں۔ مگر ان کی خبروں میں غلطی کا امکان ہے۔ علاوہ ازیں یہ فرش پر رہ کر فرش ہی کی خبریں دیتے ہیں۔ مگر جو نبوت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی خبروں میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں وہ رہتا فرش پر ہے۔ اور خبریں دیتا ہے۔ عرش کی۔ اور اس کی نظرِ پاک میں اتنی وسعت ہوتی ہے۔ کہ بقولِ اعلیحضرت ؎

دلِ فرش پر ہے تری نظر سرِ عرش پر ہے تری گزر

ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

میرے بزرگو! نبی کا علم و عرفان بڑا وسیع ہوتا ہے اور خوب یاد رکھئے۔ کہ نبی کو یہ علم کسی مدرسہ یا کالج میں پڑھ لکھ کر نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اپنے اللہ سے یہ علم و عرفان پاکر تشریف لاتا ہے۔ اور نبی کی یہ شان ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے بچپن میں بھی "باخبر" ہوتا ہے۔ آیئے نبوت کے کمالات سننے کے لئے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ سنئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ فرعون بڑا مغرور اور متکبر بادشاہ تھا۔ اور اپنی ربوبیت کا مدعی تھا۔ اس نے ایک مرتبہ خواب دیکھا۔ کہ اس کا تخت اوندھا ہو کر گر گیا ہے۔ فرعون نے اس خواب کی تعبیر کاہنوں سے پوچھی۔ تو انہوں نے بتایا۔ کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے زوال کا باعث ہوگا۔ فرعون ڈر گیا۔ اور اس نے بچوں کو مروانا شروع کر دیا۔ جو بچہ کسی کے ہاں پیدا ہوتا۔ وہ اُسے مروا دیتا۔ اسی اثنار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو فکر ہوئی۔ کہ فرعون میرے بچے کو بھی نہ مروا دے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی۔ اور فرمایا:-

اَنْ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ۔ (پ ۱۶ ع ۱۱)

اس بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے۔

اور پھر فرمایا:-

وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

(پ ۲۰ ع ۴) اور نہ غم کر جبکہ ہم اُسے تیری طرف پھیر لائیں گے۔

اور اُسے رسول بنائیں گے۔"

یعنی اے امِ موسیٰ۔ گھبراؤ مت۔ اور اپنے اس بچے کو دودھ پلا کر ایک صندوق میں رکھ کر ندیا میں ڈال دو۔ پھر ہم جانیں اور یہ تمہارا بچہ۔ ہم اس کی حفاظت فرمائیں گے۔ اور تم سے ہمارا وعدہ ہے۔ کہ ہم تمہارے اس بچے کو پھر سے تمہاری گود میں لائیں گے۔ اور اے موسیٰ کی ماں! یہ بھی سن لو۔ کہ

تمہارے اس بچے کے سر پر ہم رسالت کا تاج بھی رکھیں گے۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے نبوت و صاحبِ نبوت کی۔ کہ بچپن ہی میں برکاتِ نبوت کا ظہور ہونے لگا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے اس مقدس بچے کو دودھ پلایا۔ اور ایک صندوق لے کر اس میں بحفاظت اپنے لختِ جگر کو لٹایا۔ اور اس کا ڈھکنا بند کر کے دریائے نیل کے کنارے لا کر اُسے اللہ پر بھروسہ کر کے دریا میں ڈال دیا۔ اُمّ موسیٰ کا وعدۂ ربانی سے دل مطمئن تھا اسی اطمینان میں وہ گھر واپس آگئیں۔ اور وہ صندوق پانی کی لہروں میں بہنے لگا۔

فرعون کے محل میں

اس دریا سے ایک نہر نکلتی تھی۔ جو فرعون کے محل میں سے ہوتی ہوئی گزرتی تھی۔ فرعون صبح ہی صبح اپنی بی بی آسیہ کے ساتھ اس نہر کے کنارے بیٹھا تھا۔ اس نے نہر میں ایک صندوق بہتا ہوا دیکھا۔ فوراً اس نے اپنے سپاہیوں کو بلایا۔ اور حکم دیا۔ کہ نہر میں کود جاؤ۔ اور اس صندوق کو نکال کر میرے سامنے حاضر کرو۔ چنانچہ سپاہیوں نے نہر میں سے صندوق کو نکالا۔ اور فرعون کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ فرعون نے بصد شوق اس صندوق کو کھلوایا۔ تو اس نے ایک نورانی شکل کے بچے کو دیکھا۔ جس کی پیشانی سے وجاہت و اقبال کے آثار نمودار تھے۔ اور جو اپنے پیارے اور نورانی منہ میں اپنا نورانی انگوٹھہ ڈال کر چوس رہا تھا۔

سبحان اللہ! فرعون نے جب چہرۂ نبوت کو دیکھا۔ تو حیران رہ گیا۔ اور فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پیارے معلوم ہوئے۔ خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے:۔

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي۔ (پ۱۶ ع۱۱)

اور میں نے تجھ پر اپنی طرف کی محبت ڈالی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو دیکھتا تھا۔ اسی کے دل میں آپکی محبت پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ فرعون نے بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ تو اُسے بھی آپ پیارے معلوم ہوئے۔ اور وہ خبیث اس وقت اپنے خواب کو بھی بھول گیا۔ اور اُسے یہ بھی یاد نہ رہا۔ کہ میں نے بچوں کو

مروا ڈالنے کا حکم دے رکھا ہے۔ فرعون نے صندوق میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا۔ اور اپنی گود میں لے لیا۔

میرے بھائیو! اب ذرا نبوت کا کمال دیکھئے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی گود میں آئے۔ تو آتے ہی اپنے مبارک اور ننھے ہاتھوں سے

فرعون کی داڑھی

فرعون کی داڑھی پکڑ لی۔ اور کچھ ایسے زور سے کھینچی کہ فرعون لرز اٹھا۔ اور ایک دم آپ کو گود سے اتار کر زمین پر لٹا دیا۔ اور خود دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ آسیہ اور غلاموں باندیوں نے دیکھا۔ کہ فرعون مبہوت و پریشان کھڑا ہے۔ اور اُدھر اللہ کا نبی جس کی ابھی ایک دن کی عمر ہے۔ قہر آلود نظروں سے فرعون کو دیکھ رہا ہے گویا آپ نظروں ہی نظروں میں فرما رہے ہیں۔ کہ ملعون! ابھی کیا ہے۔ پتہ تو تم کو اس وقت چلے گا۔ جب میں "ڈنڈا" لے کر تمہارے پاس آؤنگا۔ فرعون نے جب اپنی داڑھی کا یہ حشر دیکھا۔ تو اب اُسے اپنا خواب یاد آیا۔ اور ایک مرتبہ اس خیال سے پھر لرز اٹھا۔ کہ کہیں میرا تخت اوندھا کر دینے والا یہی بچہ نہ ہو۔ چنانچہ اس نے اعلان کیا۔ کہ اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے۔

میرے بزرگو! مگر اللہ کے نبی کا اللہ خود محافظ ہوتا ہے چنانچہ جب

آسیہ

فرعون نے یہ حکم دیا۔ تو فرعون کی بی بی آسیہ جو بڑی نیک بی بی تھیں۔ اور انبیاء کی نسل سے تھیں۔ وہ آگے بڑھیں اور کہنے لگیں۔ آپ کو جس بچے کا اندیشہ ہے۔ وہ اسی ملک کے بنی اسرائیل سے بتایا گیا ہے۔ اور یہ تو خدا جانے دریا میں بہتا ہوا کہاں سے آیا ہے؟ اسے قتل نہ کرائیے۔ دیکھئے ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں۔ بھائیو! فرعون کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ دشمن رسول "ابتر" تھا۔ آسیہ نے کہا۔ اسے ہم اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ اسے قتل نہ کراؤ۔ خدا تعالیٰ قرآن پاک میں اسی واقعہ کو بیان فرماتا ہے:-

قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ط لَا تَقْتُلُوْهُ

عَسٰى اَنْ یَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا وَّ ھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔

(پ۲۰ ع۴) اور فرعون کی بی بی نے کہا: یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو۔ شاید ہمیں یہ نفع دے۔ یا اسے ہم اپنا بیٹا بنالیں۔ اور وہ بے خبر تھے۔

"اور وہ بے خبر تھے" یعنی انہیں اس بات کی کوئی خبر نہ تھی۔ کہ اس مقدس بچے کے ہاتھوں فرعون کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ حضرت آسیہ کے کہنے پر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اور اب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون ہی کے محل میں رہنے لگے۔

اس کے بعد آپ کے دودھ پلانے کے لئے کسی "دائی" کی ضرورت تھی۔ آسیہ نے فرعون سے کہا۔ کہ کسی دائی کا انتظام کیجئے۔ چنانچہ فرعون نے مختلف دائیاں بلائیں۔ مگر اللہ کا نبی جو دائی بھی آتی۔ اس سے منہ پھیر لیتا۔ اور آپ کسی کا دودھ نہ پیتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَرَّمْنَا عَلَیْہِ الْمَرَاضِعَ (پ۲۰ ع۴)

اور ہم نے سب دائیاں اس پر حرام کر دی تھیں۔

عرفانِ نبوت

بھائیو! نبوت کا کمال دیکھا آپ نے؟ اور خیال فرمایا آپ نے؟ کہ نبی کا علم و عرفان کس قدر وسیع ہوتا ہے۔ اور نبی اپنے بچپن میں بھی کتنا باخبر ہوتا ہے؟ دیکھ لیجئے۔ ایک دو روز کی عمر پاک ہے۔ مگر ہر دائی کے متعلق خبر ہے۔ کہ یہ میری ماں نہیں ہے۔

میرے بزرگو! پھر کس قدر ظلم ہے اس ظالم کا جو نبیوں کو اپنی مثل کہے۔ بھائیو! ایسے ظالم کو تو بچپن میں اگر کسی کتیا کے دودھ پر بھی ڈال دیا جائے۔ تو یقیناً وہ کتیا کو بھی اپنی والدہ سمجھ کر اس کا دودھ پینے لگے گا۔ کیا خوب فرمایا ہے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے کہ کہاں اللہ کے نبی (علیہم السلام) اور کہاں عوام سے

کہ بود مر لعل را فضل و شرف

کے بود ہم سنگِ او سنگ و خزف

آں خزف افتادہ باشد بر زمیں
بس ذلیل و خوار و ناکارہ ببیں
لعل باشد زیبِ تاج سروراں
زینت و خوبیِ گوشِ دلبراں
مولویِ معدنِ رازِ نہفت
رحمتہ اللہِ علیہ خوش بگفت
کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر!
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یعنی ہیرے کو ایک عام پتھر سے بہت زیادہ فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ ہیرا بھی از قبیل پتھر ہی ہوتا ہے۔ مگر عام پتھر اس کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔ عام پتھر تو زمین پر بے کار اور ذلیل و خوار ہو کر پڑا رہتا ہے۔ مگر ہیرا بادشاہوں کے تاج اور محبوب کے کان کی زینت بنتا ہے۔ کیا اچھا فرمایا ہے مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے کہ شیر اور شیر لکھنے میں اگرچہ برابر ہیں۔ مگر ایک تو شیر (جنگل کا بادشاہ) ہے، اور ایک شیر (دودھ) ہے۔ اس شیر (دودھ) کو تو آدمی کھا پی جاتا ہے۔ اور وہ شیر (جنگل کا بادشاہ) آدمی ہی کو کھا پی جاتا ہے۔ میرے بھائیو! انبیائے کرام علیہم السلام بھی اگرچہ لباسِ بشریت ہی میں تشریف لاتے ہیں۔ مگر جو کمالاتِ نبوت ان میں نظر آتے ہیں۔ وہ دوسروں میں کہاں۔ تم بھی بشر ہو۔ مگر لیسے کہ فرش پر بھی بار۔ اور ایک وہ بھی ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم) کہ ان کی عرش کو بھی انتظار ہے

تو رینگتا ہے فرش پر، اور عرش پر ان کی گزر!
اب خود ہی تو انصاف کر تو بھی بشر وہ بھی بشر؟

ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی دائی کا دودھ نہ پیتے تھے۔ اُدھر آپ کی والدہ کا حال سنئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بہن تھی جن کا نام مریم تھا۔ حضرت کی والدہ نے اپنی بیٹی سے کہا:-

صرکم

وَقَالَتْ لِأُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ (پ۲۰ ع ۴) اور اس کی ماں نے اس کی بہن سے کہا اس کے پیچھے چلی جا۔ تو وہ اُسے دور سے دیکھتی رہی۔ اور ان کو خبر نہ تھی۔"

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے صندوق کو دریا میں ڈال دینے کے بعد حضرت کی بہن سے یہ کہا۔ کہ اس صندوق کا خیال رکھنا۔ اور دیکھتی رہنا۔ کہ یہ کہاں جاتا ہے۔ اور کس کے ہاتھ آتا ہے۔ چنانچہ مریم نے ٹوہ لگاتے لگاتے معلوم کر لیا۔ کہ میرا بھائی فرعون کے محل میں ہے۔ مریم فرعون کے محل میں آئی۔ تو اُسے پتہ چلا۔ کہ موسےٰ علیہ السلام کسی دائی کا دودھ نہیں پی رہے۔ تو

فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ۔ (پ۲۰ ع ۴) بولی کیا میں تمہیں بتادوں ایسے گھر والے کہ تمہارے اس بچے کو پال دیں۔ اور وہ اس کے خیر خواہ ہیں۔

یعنی حضرت مریم نے ان سے فرمایا۔ کہ میں ایک ایسی دائی کی خبر دیتی ہوں۔ جس کا دودھ یہ بچہ ضرور پئے گا۔ فرعون نے کہا۔ اچھا تم ہی کسی ایسی دائی کو لے آؤ۔ جس کا دودھ یہ بچہ پی لے۔ یہ سن کر مریم گھر واپس آئی۔ اور ماں سے کہا۔ ماں! اللہ! بھائی تمہاری انتظار میں ہے۔ وہ فرعون کے محل میں ہے اور ابھی تک اس نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔ فرعون سے میں کہہ آئی ہوں۔ کہ میں ایک عورت ساتھ لاتی ہوں۔ جس کا دودھ یہ بچہ ضرور پئے گا۔ فرعون نے مجھ سے کہا ہے۔ کہ لے آؤ۔ ماں یہ سن کر باغ باغ ہو گئی اور چل پڑی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جب فرعون کے محل میں پہنچی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں تھے۔ اور دودھ کے لئے رو رہے تھے فرعون آپ کو بہلا رہا تھا۔ جب آپ نے اپنی والدہ کی خوشبو پائی۔ تو آپ چپ ہو گئے۔ اور اپنی والدہ کا دودھ پینے لگے۔

فرعون یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا۔ تم اس کی کون ہو؟ جو

اس بچے نے اور کسی عورت کا دودھ نہیں پیا۔ اور تمہارا جھٹ پی لیا۔ آپ نے جواب دیا۔ بس ایک پاک صاف عورت ہوں۔ میرا دودھ خوشگوار ہے۔ جسم خوشبودار ہے۔ اس لئے جن بچوں کے مزاج میں نفاست ہوتی ہے وہ اور عورتوں کا دودھ نہیں پیتے۔ میرا دودھ پی لیتے ہیں۔ فرعون نے بچہ انہیں دیا اور دودھ پلانے پر انہیں مقرر کر کے فرزند کو اپنے گھر لے جانے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے مقدس بچے کو خوشی خوشی گھر لے آئیں۔ اور خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا۔ کہ

لَا تَخَافِیْ وَ لَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ

نہ ڈر نہ غم کر بیشک ہم اسے تیری طرف پھیر لائینگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کا دودھ پیتے رہے۔ اور فرعون آپ کی ماں کو روزانہ ایک اشرفی دیتا رہا۔ دودھ چھوڑنے کے بعد آپ موسےٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس لے آئیں۔ اور آپ وہاں پرورش پاتے رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا مُکّہ

میرے بزرگو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف جب تیس برس کی ہو گئی۔ تو آپ ایک دن محل سے نکل کر شہر میں جو داخل ہوئے۔ تو آپ نے دو آدمی آپس میں لڑتے جھگڑتے دیکھے۔ ایک تو فرعون کا باورچی تھا۔ اور دوسرا موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا۔ فرعون کا باورچی لکڑیوں کا گٹھا اس دوسرے آدمی پر لاد کر اُسے لے چلنے کو کہہ رہا تھا۔ وہ بچارا کمزور تھا۔ اور مظلوم۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے ظالم فرعونی کو اس ظلم سے روکا۔ تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ بھی کرنے لگا۔

فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ (پ۲۰ ع ۵)

تو موسیٰ علیہ السلام نے اُسے ایک ایسا مُکّہ مارا۔ جس سے وہ ظالم وہیں ڈھیر ہو گیا۔ بھائیو! یہ نبی کا مُکّہ ہے۔ اس وقت حضرت موسےٰ علیہ السلام کی نبوت کا اظہار بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی یہ قوت و زور کہ ایک ہی مُکّہ سے ظالم کا دم نکل گیا۔ بھائیو! اظہارِ نبوت سے قبل

مُکّہ کا یہ عالم ہے۔ پھر اظہار نبوت کے بعد بھلا زور و طاقت اور جلال کا کیا عالم ہوگا؛ چنانچہ حدیث شریف میں موجود ہے۔ کہ حضرت موسےٰ

موسیٰ علیہ السلام کا طمانچہ

علیہ السلام کے پاس جب ملک الموت آیا۔ تو حضرت نے اُسے ایک ایسا طمانچہ مارا۔ کہ اُس کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی۔ دیکھ لیجئے۔ یہ حدیث پاک مشکوٰۃ شریف صـ۴۹۹ پر موجود ہے۔ یہ ہے نبوت کا زور و دبدبہ اور جلال۔ ایک آج ہم بھی ہیں جو محض باتوں ہی کے پہلوان ہیں۔ ایک وہ مُکّہ و طمانچہ بھی ہے۔ جس کا ذکر آپ نے سنا۔ اور ایک ہمارا بھی ہے۔

لطیفہ

کہتے ہیں۔ دو جنٹلمین آپس میں لڑجھگڑ رہے تھے۔ ایک نے غصہ میں آکر کہا۔ ابے چُپ رہتا ہے یا نہیں۔ ایک ایسی چپت دونگا کہ لاہور پہنچا دوں گا۔ دوسرا غصّے میں بولا۔ اور میں ایک ایسا گھونسا مارونگا کہ دِلّی پہنچ جاؤ گے۔ ایک دہقانی پاس ہی کھڑا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ بابو جی! ایک ہلکی سی ٹھوکر مجھے بھی لگا دینا۔ مجھے صرف گوجرانوالہ تک جانا ہے۔" دیکھا آپ نے۔ زبانی ہی زبانی زور دکھایا جا رہا ہے۔

بھائیو! زبانی جمع خرچ کو چھوڑو۔ اور اپنے آپ میں جذبۂ حق اور رعب و جلال اور حقیقی طاقت پیدا کرو۔ اپنے بزرگوں کو دیکھو۔ جن نفوسِ قدسیہ میں یہ سب باتیں موجود تھیں۔ اور اسی لئے وہ دنیا بھر پر چھا گئے ؎

مسلماں وہ مسلماں تھے جو میداں میں نکل آئے
تو کسریٰ اور اس کے ساتھ قیصر کو کچل آئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب فرعون کی گمراہی کا بیان کرنا شروع فرما دیا۔ اور جا بجا حق کا اعلان فرمانے لگے۔ اسی اثنار میں آپ کے مُکہ سے ایک فرعونی مارا بھی گیا۔ فرعون کو ان سب باتوں کا پتہ چلا۔ تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دیدیا۔ فرعونی آپ کے پکڑنے کو نکلے۔ تو آپ یہاں سے نکل پڑے ——

مَدین میں

اور فرعون کی حدودِ سلطنت سے نکل کر مدین پہنچ گئے۔

مدین میں اس وقت حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی دو لڑکیاں تھیں۔ اور بکریاں آپ کا ذریعہ معاش تھیں۔ مدین میں ایک کنواں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے اس کنوئیں پر پہنچے۔ آپ نے دیکھا۔ کہ بہت سے لوگ اس کنوئیں پر جمع ہیں۔ اور پانی کھینچ کر اپنی اپنی بکریوں کو پلا رہے ہیں۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دونوں لڑکیاں بھی اپنی بکریوں کو الگ روک کر وہیں کھڑی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تم ان بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟ انہوں نے کہا ہم سے پانی کھینچا نہیں جاتا۔ یہ لوگ چلے جائیں گے۔ تو جو پانی حوض میں بچا رہے گا۔ ہم وہ اپنی بکریوں کو پلا لیں گی۔ قریب ہی ایک دوسرا کنواں تھا۔ جس کے منہ پر ایک بہت بڑا وزنی پتھر ڈھکا ہوا تھا۔ اور جسے بہت سے آدمی مل کر سرکا سکتے تھے۔ آپ نے تنہا اس پتھر کو ہٹا کر اس میں سے ڈول کھینچ کر ان بکریوں کو پانی پلا دیا۔ ان لڑکیوں نے گھر جا کر حضرت شعیب علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا واقعہ سنایا۔ اور بتایا کہ وہ ایک قوی اور بہادر، اور بڑا نیک انسان ہے۔ اور نووارد ہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک لڑکی سے فرمایا۔ جاؤ اس صالح جوان کو میرے پاس بلا لاؤ۔

فَجَاءَتْهُ إِحْدٰهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ۔ (پ۲۰ ع۶)

تو ان دونوں میں سے ایک اسکے پاس آئی شرم سے چلتی ہوئی

وہ صاحبزادی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور قرآن پاک بتاتا ہے۔ کہ شرم و حیا سے چلتی ہوئی آئی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ کہ میرے باپ آپ کو بلاتے ہیں۔ آپ چل پڑے۔ اور اُن صاحبزادی سے فرمایا۔ کہ تم میرے پیچھے پیچھے رہ کر رستہ بتاتی آؤ۔ پیچھے پیچھے رہ کر اس لئے فرمایا۔ تاکہ پردے کا اہتمام رہے۔

پردہ

میرے بھائیو! یہ ہے عورت کی اصل شان۔ شرم و حیا اسکا زیور ہے۔ اور پردہ اس کا گہنا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل عورت عورت ہی نہیں رہی۔ عورت کا معنی ہی ستر و پردہ والی چیز ہے۔ اور "مستورات"

کتنے ہی چھپی ہوئی چیزوں کو ہیں۔ مگر اب عورت پردے اور حجاب سے باہر نظر آتی ہے۔ اور بقول حاجی حق حق سے

پھلی پھولی ہے کچھ ایسی فضائے بے حجابی میں!
بڑی مشکل سے لڑکی اپنے جامے میں سماتی ہے!
کچھ ایسا آکے چمٹا ہے اسے عفریت فیشن کا!
کہ لڑکی اپنے کپڑوں سے بھی باہر ہوتی جاتی ہے!

بھائیو! آج کل تو عورت علی الاعلان کہہ رہی ہے۔ کہ ہم مردوں سے کسی صورت کم نہیں ہیں۔ نہ صرف یہ کہ کم نہیں۔ بلکہ مردوں سے ہم افضل ہیں۔

لطیفہ

چنانچہ پچھلے دنوں اخبار جنگ میں ایک بی۔ اے عورت نے مضمون لکھا تھا۔ کہ مردو! تم کس بات پر نازاں ہو۔ عورتوں سے تم برابری کیسے کر سکتے ہو۔ ہم وہ ہیں۔ کہ ہم میں سے ایک عورت (مریم علیہا السلام) نے بغیر مرد کے بچہ پیدا کر دکھایا تھا۔ تم میں اگر ہمت ہے۔ تو کوئی مرد بغیر عورت کے بچہ پیدا کر کے دکھائے؟ لو سن لو مولویوں کے مخالفو! اور بے پردگی کی حمایت میں علماء سے بحث کرنے والو! اس بے پردگی کا بھیانک نتیجہ دیکھ لو۔ اور اب دو جواب ان بے پردہ عورتوں کو۔ یا کوئی جواب دو۔ یا پھر بچہ جن کر دکھاؤ۔ مولوی تو اس چیلنج کا مخاطب نہیں ہے۔ مولوی تو شروع سے ہی "عورت" کو "عورت" رکھنے کا حامی ہے یہ تم ہی تھے۔ جو کہا کرتے تھے۔ ان عورتوں پر پردہ ٹھونسنا، ان پر ظلم ہے۔ یہ بھی آخر انسان ہیں۔ ان کو بھی مردوں کے دوش بدوش چلنا چاہیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب لو وہ دوش بدوش چلنے لگی ہیں اور پردے سے باہر نکل کر تمہیں چیلنج دینے لگی ہیں۔ اب کر لو چارہ۔ اور دو جواب ان کو۔ مخاطب تم ہو ان کے۔ مولوی نہیں۔ سچ کہا ہے اکبر الہ آبادی نے سے

کیا کہوں کہ کیا کریں گی علم پڑھکر بیبیاں
بیبیاں شوہر بنیں گی اور شوہر بیبیاں!
ان کے نکر و کام سے بچنا ابھی دشوار ہے

اور آفت ڈھائیں گی سائنس پڑھ کر بیبیاں

جنٹلمین اور ملّا

اس موقعہ پر ایک شاعر کے چند شعر یاد آگئے۔ جن میں اس نے ایک "جنٹلمین اور ملا" کا مکالمہ لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ ؎

ایک جنٹلمین اِک ملّا میں یوں گلغپ ہوئی
بولے جنٹلمین کیوں پردے میں کدُ حضرت کو ہے
کیا سبب ہے عورتیں پھرتی نہیں کیوں بےنقاب
چھوڑنا لازم ہر اک پر ہر بُری عادت کو ہے
کیا دھرا ہے خاک پتھر کہیئے پردے میں بھلا!
قید کرنا ہاں مگر منظور اک عورت کو ہے!
چاہیئے ٹھنڈی ہوا میں عورتیں دل شاد ہوں
جس کی حسرت آرزو ہر صاحبِ فطرت کو ہے
حفظِ صحت کے لئے بھی ہے یہ پردہ ایک روگ
بَیر اس سے اس لئے ہر مخزنِ حکمت کو ہے
اس پہ ملّا بول اٹھا یہ آپ کی باتیں وہ ہیں!
جس سے آئی شرم ہر اک صاحبِ غیرت کو ہے
قوم بے پردہ کو دیکھو چشمِ عبرت سے ذرا
پہنچی کس حالت سے اپنی آج کس حالت کو ہے
منہ چھپانا ہے عبث یہ تو کہی بس ایک ہی!
موقعۂ اغوا اسی چہرے سے بدنیت کو ہے
لو فرضنا مان بھی لیں آپ کی خاطر سے ہم
پردۂ موجود اپنا کچھ مضر صحت کو ہے
لیکن اب اتنی گزارش آپ بھی تو مان لیں
یہ مضر صحت کو ہے تو وہ مضر عصمت کو ہے
آپ ہی انصاف سے یہ فیصلہ تو کیجئے!

دونوں میں ترجیح اس صورت میں کس صورت کو ہے

جہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آئے۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔ اب کوئی فکر نہ کرو۔ ظالموں سے بچ کر یہاں آ گئے ہو۔ اب یہیں میرے پاس رہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس دس برس تک رہے۔ اور حضرت شعیب

نکاح علیہ السلام نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا۔ اتنے عرصہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا۔ کہ میری والدہ مصر میں ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضری دوں۔ مجھے مصر واپس جانے کی اجازت دیجئے حضرت شعیب علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ اور آپ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر واپس مصر کو روانہ ہوئے۔

ماں کا درجہ بھائیو! یاد رکھو۔ ماں کا درجہ بڑا بلند ہے۔ افسوس آج اگر کسی کا نکاح ہو جاتا ہے۔ تو وہ اپنی ماں کو بالکل بھول جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھو۔ نکاح کے بعد ماں کو فراموش نہیں فرمایا۔ بلکہ اتنا لمبا سفر صرف ماں کی زیارت و خدمت کے لئے اختیار فرمایا۔ فقہاء نے لکھا ہے۔ کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی۔ کہ خدا کی قسم میں کعبہ شریف کے دروازہ کی چوکھٹ کی دہلیز چوموں گا۔ اور پھر وہ کسی صورت مکہ شریف نہیں پہنچ سکا۔ تو اس کی اگر ماں زندہ ہے۔ تو اس کے قدم چوم لے۔ قسم پوری ہو جائے گی۔ اگر ماں مر چکی ہے۔ تو اس کی قبر کی پائینتی چوم لے قسم پوری ہو جائے گی۔ دیکھا آپ نے ماں کا کتنا بڑا درجہ ہے۔ مگر افسوس کہ آجکل ماں کو کچھ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ خصوصاً جبکہ نکاح ہو جائے۔ تو پھر بیوی ہی سب کچھ ہے۔ اسی کی اطاعت و فرمانبرداری ہوتی ہے۔

لطیفہ اس موقعہ پر ایک لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ کہتے ہیں کسی جنٹلمین کی بیوی بڑے غصہ میں تھی۔ اور اپنے شوہر کو بڑی جلی کٹی

سنا رہی تھی۔ اور شوہر سر جھکائے بڑی "لیاقت" کے ساتھ بیوی کی گالیاں سن رہا تھا۔ بیوی جب حد سے بڑھ گئی۔ تو جنٹلمین بولا۔ "کیا کروں۔ رشتہ ہی کچھ ٹیڑھا سا ہے۔ ورنہ تمہاری جگہ اگر میری ماں ہوتی۔ تو اس کی بڑی پسلی توڑ دیتا"۔۔۔ سبحان اللہ! کیا ہی رشتہ ہے۔ اور کس قدر لحاظ ہے گویا بیوی کو تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں ماں ہوتی۔ تو پھر تماشہ دیکھتی۔ استغفر اللہ!

ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی سمیت مصر کی طرف روانہ ہوئے تو سردیوں کے دن تھے۔ چلتے چلتے رات ایک جنگل میں آ گئی۔ اور تاریکی کے باعث راستہ گم ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی جنگل میں دور ایک چمکتی ہوئی آگ دیکھی۔ یہ جنگل پہاڑ طور کے قریب تھا۔ اور یہ آگ آپ کو طور کی طرف سے نظر آئی۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے:۔

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۔۔۔۔

(موسیٰ علیہ السلام نے) طور کی طرف ایک آگ دیکھی۔

آپ کو جب یہ آگ نظر آئی۔ تو آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا۔

اِمْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ (پ ۲۰ ع ۷) تم ٹھہرو۔ مجھے طور کی طرف سے ایک آگ نظر پڑی ہے۔ شاید میں وہاں سے کچھ خبر لاؤں یا تمہارے لئے کوئی آگ کی چنگاری لاؤں۔ تاکہ تم تاپو"

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس آگ کی طرف بڑھے۔ مگر جب آپ اس آگ کے قریب پہنچے۔ تو آپ نے ندائے مبارک سنی۔ کہ:۔

یَا مُوْسٰىٓ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ

"اے موسیٰ بیشک میں ہی ہوں اللہ رب سارے جہان کا"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس چیز کو آگ دیکھ رہے تھے۔ اور جسے آگ ہی سمجھ کر بڑھے تھے۔ دیکھئے کہ وہاں پہنچکر اس کے متعلق کیا پتہ چلا۔ کہ وہ کیا ہے؟ سبحان اللہ! کیا شانِ عطا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف

نبوت سے نوازنے کے لئے کس رنگ میں اپنے حضور بلایا۔ دور سے پہلے ایک شعلۂ آگ نظر آیا۔ جسے موسیٰ علیہ السّلام نے آگ ہی سمجھا۔ اور قرآن پاک میں بھی لفظِ نار ہی وارد ہوا ہے۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت آگ ہی کی ضرورت تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اسی رنگ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے حضور بلایا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے آگ ہی دیکھی اور اُسے آگ ہی سمجھ کر آگے بڑھے۔ مگر جب اُس کے قریب پہنچے۔ تو پتہ چلا۔ کہ دیکھنے میں جو آگ نظر آ رہی تھی۔ یہ آگ نہیں۔ بلکہ یہ تو جلوۂ حق ہے۔ اور خدا نے بھی فرمایا۔ کہ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ـــ

بشریت میرے بزرگو! یہیں سے یہ بات بھی سمجھ لو۔ کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلّم بھی جو لباس بشریت میں تشریف لائے۔ تو اس میں بھی یہی حکمت تھی۔ کہ لوگ حضور سے مانوس ہو کر آپ کے قریب آئیں۔ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم لباس بشریت میں تشریف نہ لاتے۔ تو کوئی آپ کے حضور حاضر نہ ہوتا۔ تو اللہ تعالےٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو لباسِ بشریت پہنا کر اس عالم میں بھیجا۔ اور فرمایا۔ کہ آپ یہی اعلان کیجئے۔ کہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ آپ کے اس اعلان سے لوگ آپ سے مانوس ہوں گے۔ آپ کے قریب آئیں گے۔ اور جب وہ قریب آ جائیں۔ تو پھر اس حقیقت کا بھی اعلان فرمایئے۔ کہ "اَنَا مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ" اور یہ کہ "اَیُّکُمْ مِثْلِیْ"۔ "میں اللہ کے نور سے ہوں" اور کون ہے میری مثل"

پیغمبری ہاں تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام آگ کی طلب میں جب کوہ طور پر پہنچے۔ اور یہ ندائے مبارک سنی۔ کہ "اے موسیٰ میں تو اللہ ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے" تو موسےٰ علیہ السلام مسرت میں جھوم اٹھے۔ اور اپنے اللہ سے ہمکلامی کا شرف پا کر بجد خوش ہوئے۔ اور بھائیو! انسانی فطرت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ جس کا کلام سنا جائے۔ اس کا منہ دیکھنے پر بھی دل چاہتا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ کوئی مقرر ایک

بہترین لاؤڈ سپیکر پر تقریر کر رہا ہو۔ جس کی آواز گھر بیٹھے بھی سنی جا سکتی ہو۔ مگر لوگ پھر بھی جلسے میں جو پہنچ جاتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہی تقاضائے فطرت ہے کہ جس کی آواز سنی جائے۔ اس کا منہ دیکھنے پر بھی دل چاہتا ہے۔ اسی طرح دیکھ لیجئے۔ اگر کہیں گانا ہو رہا ہو۔ اور چاروں طرف شائقین کرام کا ہجوم ہو۔ تو آپ دیکھیں گے۔ کہ کسی شوقین کو جب پتہ چلتا ہے۔ کہ فلاں جگہ گانا ہو رہا ہے۔ تو وہ گھر سے دوڑتا ہوا وہاں پہنچتا ہے۔ اور پھر گانے کی آواز سننے کے باوجود شائقین کی جو چاروں طرف دیوار سی بنی ہوتی ہے۔ اسے چیر کر آگے نکل جانے کی کوشش کرتا ہے۔ آگے نہ بڑھ سکے۔ تو وہیں کھڑے کھڑے اپنی ایڑیاں اٹھانے لگتا ہے۔ اور اپنے آگے کھڑے ہونیوالوں کو ڈانٹنا ڈپٹتا ہے۔ کسی سے کہتا ہے۔ ارے اپنا سر تو نیچے کر۔ کسی سے کہتا ہے۔ ابی اپنی پگڑی اندر کر کھڑے ہو۔ مطلب یہ کہ کسی صورت "گانے والی یا گانے والے" کا چہرہ مبارک بھی نظر آئے۔

غیرت میرے بھائیو! یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام میں عورت کے چہرے کا اگر پردہ ہے۔ تو عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ یعنی عورت کی آواز بھی پردے میں رہنی چاہیئے۔ یہ نہیں۔ کہ عورت تو پردے میں ہو۔ اور آواز اس کی سارے محلے میں سنائی دے۔ یا آجکل کی طرح کہ فلاں صاحبہ تقریر فرمائیں گی۔ لیکن چونکہ وہ پردے کی پابند ہیں۔ اس لئے میکروفون اندر پردے میں بھیج دیا جائے گا۔ تاکہ وہ پردے میں رہ کر تقریر سے مستفید فرما سکیں۔ سبحان اللہ! کیا ہی پردہ ہے۔ کہ صورت تو مستور ہے اور صوت مشہور ہے۔

میرے بزرگو! خوب یاد رکھو۔ کہ عورتوں میں سے اسی لئے کوئی "پیغمبر" نہیں ہوا۔ اس لئے کہ پیغمبر کے لئے امت میں تعلیم و تربیت، اور تبلیغ کے لئے وعظ و خطبہ ضروری۔ اور اگر کوئی عورت بھی پیغمبر ہوتی۔ تو تبلیغ احکام میں صورت کی بھی بے پردگی ہوتی۔ اور آواز کی بھی۔ عورت اذان بھی اسی لئے نہیں دے سکتی۔ کہ اس کی آواز کی بے پردگی ہوگی۔ میرے

بھائیو! یہاں ایک مثال دے کر سمجھاؤں۔ دیکھئے۔ اگر کسی گاؤں میں کوئی مولوی صاحب تشریف لائیں۔ اور وہاں کی کسی جوان لڑکی ...... وضو کرا کے اس سے مسجد میں اذان دلوا دیں۔ تو گاؤں والوں کو جب پتہ چلے گا۔ کہ کوئی مولوی صاحب آئے ہیں۔ جنہوں نے ہماری جوان لڑکی سے اذان دلوائی ہے۔ تو سارے غصے میں آجائیں گے۔ اور ممکن ہے مولوی صاحب کو مارنے پیٹنے پر بھی تیار ہو جائیں۔ مگر سوچنا یہ ہے۔ کہ آخر ان لوگوں کو غصہ آئے گا کس بات پر؟ اذان میں ہوتا کیا ہے؟ یہی اللہ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان یعنی کلمہ شریف۔ تو کیا گاؤں والوں کو اس بات کا غصہ آئے گا۔ کہ مولوی صاحب نے ہماری لڑکی سے کلمہ کیوں پڑھایا؟ اور اللہ و رسول کا نام کیوں کہلوایا؟ بھائیو! نہیں اس بات پر غصہ نہیں آئے گا۔ بلکہ غصہ تو اس بات پر آئے گا۔ کہ ہماری جوان لڑکی کی آواز کو نشر کیوں کیا؟ اور ہماری بیٹی کی آواز کی بے پردگی کیوں کرا ڈالی۔ میرے بھائیو! اب ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ اس موقعہ پر آپ کا غصہ اور آپ کی غیرت بجا ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ مگر یہ بتاؤ۔ کہ یہی جوان لڑکی جب ڈھولک لے کر گیت گانے لگتی ہے اور "ماہیا" کے شعر بلند آواز سے سنانے لگتی ہے۔ اس وقت آپ کی یہ غیرت کہاں آرام فرما ہوتی ہے؟ افسوس صد افسوس! ہماری جوان لڑکیاں آج ڈھولک پر واہیات اور گندے گیت گاتی ہیں۔ اور وہ اودھم مچاتی ہیں کہ محلے بھر کو ساری ساری رات سونے نہیں دیتیں۔ اور اگر کوئی منع کرے۔ تو اُسے ملائیت کے طعنے دئے جاتے ہیں۔ میرے بھائیو! خوب یاد رکھو۔ کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ اس لئے کہ آواز سننے سے آواز والے کو دیکھنے کی بھی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پروردگارِ عالم کی ندائے پاک سنی۔ تو اس بات کی آپ کو خواہش ہوئی۔ کہ میں خود پروردگارِ عالم کو بھی دیکھوں۔ چنانچہ آپ نے عرض کیا:-

رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (پ ع ۷)

"اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں"۔

جواب ملا:۔ لَنْ تَرَانِیْ۔ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ یعنی اس دنیا میں میرے دیکھنے کی کوئی بشر طاقت نہیں رکھتا۔ اے موسےٰ ذرا اس پہاڑ کی طرف دیکھو۔ ہم اس پر اپنے انوار کی کچھ تجلی ڈالتے ہیں۔

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ۔۔۔

یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا۔ تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اور خدا تعالےٰ نے جب اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی۔ تو

فَجَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔

اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ بیہوش گرے۔

پھر جب ہوش میں آئے۔ تو فرمایا:۔

تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(ترجمہ) میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام کی نظر

حضرات! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کوہ طور پر خدا تعالیٰ نے جب اپنی تجلی ڈالی۔ تو اللہ کی اس ایک تجلی کی جو جھلک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مبارک آنکھوں نے دیکھی۔ اس کی بدولت آپ کی نظر مبارک میں جو برکت پیدا ہوئی۔ وہ بھی سن لیجئے۔ سنئے خود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ

لَمَّا كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى كَانَ يُبْصِرُ دَبِيْبَ النَّمْلِ عَلَى الصَّفَا فِى اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ مِنْ مَسِيْرَةِ عَشَرَةِ فَرَاسِخَ (طبرانی صغیر ص۱)

موسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ نے کلام فرمایا۔ تو اندھیری اور تاریک رات میں کسی پتھر پر اگر کوئی چیونٹی چلتی تھی۔ تو موسےٰ علیہ السلام اس چیونٹی کی رفتار کو دس فرسخ دور سے دیکھ لیتے تھے۔ (اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ غیاث اللغات)

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کی مبارک نظر

کہ تیس میل دور سے اندھیری رات میں ایک چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ میرے بھائیو! یہ حدیث پاک ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ اور پھر انصاف کرے۔ کہ جس مبارک آنکھ نے تجلی حق کی ایک جھلک دیکھی۔ وہ تیس میل دور سے اندھیری رات میں چیونٹی کو بھی دیکھنے لگی۔ پھر وہ مبارک آنکھیں جنہوں نے شب معراج خود خداوند عالم کی ذات مبارک کو دیکھا۔ فرمائیے! ان آنکھوں سے دنیا بھر کی کوئی چیز کیسے غیب رہ سکتی ہے؟ اور کس قدر ظالم ہے۔ ایسا شخص جو یہ لکھے یا کہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیوار پیچھے کی بھی چیز کا علم نہ تھا۔

ہاں تو پھر موسےٰ علیہ السلام سے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے موسےٰ! تم ہمارے رسول ہو۔ ہماری طرف سے فرعون کی طرف جاؤ۔ اور اسے ہمارا پیغام دو۔ اور سمجھاؤ۔ کہ وہ انسان بنے۔ اور خدائی کا دعوےٰ چھوڑ دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ الٰہی! میری رسالت پر اس نے اگر کوئی دلیل طلب کی تو؟ فرمایا! اے موسیٰ! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ عرض کیا۔ میرا سونٹا۔ فرمایا۔ اسے زمین پر تو پھینکو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سونٹے کو زمین پر جو پھینکا۔ تو

فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى

وہ دوڑتا ہوا سانپ ہو گیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنے سونٹے کا سانپ بنا دیکھا تو خدا نے فرمایا:۔

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ

اٹھا لے اور ڈر نہیں

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے اسے پکڑ لیا۔ تو وہ پھر سونٹا بن گیا۔

لطیفہ یہاں مجھے ایک لطیفہ بھی یاد آ گیا۔ کہتے ہیں۔ ایک امام صاحب جماعت کرا رہے تھے۔ اور یہی رکوع پڑھ رہے تھے۔ اور جب

"فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی" تک پہنچے۔ تو اتفاق سے محراب میں سچ مچ ہی ایک سانپ نکل آیا۔ امام صاحب نے سامنے جو سچ مچ سانپ دیکھا۔ تو ڈر گئے۔ اور ڈر میں بار بار یہی آیت پڑھنے لگے۔"فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی۔ فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی" پچھلی صف میں سے ایک نمازی نے سمجھا۔ کہ امام صاحب شاید بھول رہے ہیں۔ اُس نے لقمہ دیا۔ کہ

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ

جس کا معنی یہ ہے۔ کہ "اٹھا لے اور ڈر نہیں" امام صاحب نے یہ لقمہ سنا۔ تو پیچھے مڑ کر اُس نمازی سے کہنے لگے۔

تَعَالَ اَنْتَ وَخُذْهَا

تم آگے بڑھو اور اِسے اٹھاؤ۔

ہاں تو پروردگار عالم نے حضرت موسٰی علیہ السلام کے سونٹے کو سانپ بنا کر دکھایا۔ اور پھر فرمایا۔

اُسْلُکْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ تَخْرُجْ بَیْضَاءَ مِنْ غَیْرِ سُوْءٍ۔

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ نکلے گا سفید چمکتا بے عیب"

چنانچہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنا مبارک ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا۔ تو آپ کا ہاتھ مبارک ایسی تیز چمک سے چمکنے لگا۔ کہ نگاہیں نہ ٹھہر سکتی تھیں۔

پھر فرمایا۔ کہ اے موسٰی! یہ دو نشانیاں لو۔ اور فرعون کی طرف جاؤ۔ اور فرمایا

فَخُذْ مَا اٰتَیْتُکَ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ۔

"لے لو جو میں نے تجھے عطا فرمایا۔ اور شکر والوں میں ہو"

لطیفہ

یہاں ایک اور لطیفہ بھی سن لیجیے۔ یہ پُرلطف قصہ میں نے مدینہ منورہ میں ایک ہندوستانی مولوی صاحب سے سنا تھا۔ انہوں نے سنایا۔ کہ مجھ سے ایک عربی سائل نے کچھ طلب کیا۔ تو میں نے اُسے ایک قرش (آنہ) دینا چاہا۔ تو اُس سائل نے کہا۔

يَا مُوْسٰى اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ ۔ یعنی

گریبان میں ہاتھ ڈالو۔ اور سفید چمکتا ہوا باہر نکالو۔

مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں نے بھی وہی قرش (آنہ) آگے بڑھایا۔
اور کہا :۔

خُذْ مَا اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ ۔

لے لو جو میں نے تجھے عطا کیا۔ اور شکرگزاروں میں ہو۔

میرے بھائیو! ایک بات یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ یہ ایک پیغمبر کا ہاتھ ہے۔ اور نبوت کا کمال ہے۔ کہ اس ہاتھ سے سونٹا نیچے ڈالا جائے تو وہ سانپ بن جائے۔ اور اُس ہاتھ سے وہ سانپ پکڑ لیا جائے۔ تو وہ سونٹا بن جائے۔ اور یہ ہاتھ گریبان میں ڈالا جائے۔ تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگے۔ بھائیو! یہ ایک نبی کا ہاتھ ہے۔ اور یہ کمالات نبی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور یہ کمالات اس ہاتھ میں ہیں۔ جس ہاتھ کو اللہ تعالےٰ نے موسےٰ علیہ السلام کا ہاتھ بنایا ہے۔ اور یوں فرمایا ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ

اے موسیٰ! تو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال۔ میرے بزرگو! جو ہاتھ یدک کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ہو۔ اس میں تو اتنے بڑے بڑے کمالات ہوں۔ اور جو ہاتھ "ید اللہ فوق ایدیہم" کے مطابق خود اللہ کا ہاتھ ہو۔ فرمائیے۔ وہ کونسی مشکل ہے۔ جو اس ہاتھ سے حل نہ ہو سکے گی۔ اور وہ کونسا کمال ہے۔ جو اس مبارک ہاتھ میں نہ ہوگا۔ یہی وہ ہاتھ ہے۔ جس کے متعلق اعلیٰحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا ❊ موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام
نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں ❊ انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام
عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال !
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

فرعون کے پاس | حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اللہ سے دو نشانیاں پا کر

فرعون کی جانب روانہ ہوئے۔ اور جس وقت آپ فرعون کے محل میں پہنچے۔ اس وقت فرعون صاحب سو رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جگایا۔ اور فرمایا اے ملعون! ؎

چھوڑ دے تو اپنا دعوٰے چھوڑ دے!
کبر کے شیشے کو ظالم توڑ دے!

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو جو دیکھا۔ تو کہنے لگا۔ تم وہی تو ہو۔ جو میرے پاس پہلے پلے اور میرا ایک آدمی بھی قتل کر کے بھاگ گئے تھے اور آج مجھے تبلیغ کرنے آگئے ہو۔ ذرا ہوش سے اور سوچ سمجھ کر بات کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم خود ہوش میں آؤ۔ خبردار! میری کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور اس کا پیغمبر بن کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ فرعون نے کہا۔ واہ وا! کیا خیال ہے۔ تم اپنے متعلق کچھ بھی دعوٰی کرو۔ میری نظر میں تو تم وہی ہو۔ جو میرے پاس رہ چکے۔ اور اگر کچھ ایسا ہی دعوٰے ہے۔ تو کوئی نشانی ہو تو دکھلاؤ۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ۔

"تو موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا۔ وہ فوراً ایک اژدہا ظاہر ہو گیا"

حضرات! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنا سونٹا مبارک زمین پر ڈالا۔ تو سبحان اللہ! وہ سونٹا ایک اتنا بڑا اژدہا بن گیا۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اس کا رنگ زرد تھا۔ اور وہ اپنا مونہہ کھولے ہوئے زمین سے ایک میل اونچا اپنی دم پر کھڑا ہو گیا۔ اور ایک جبڑا اس نے زمین پر رکھا۔ اور ایک قصر شاہی کی دیوار پر۔ پھر اس نے فرعون کی طرف رخ کیا۔ اور فرعون سمیت اس کے محل کو نگلنے لگا۔ فرعون نے جو یہ منظر دیکھا۔ تو مارے دہشت کے بھاگا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ اے موسٰے! تمہیں اُس کی قسم! جس نے تجھے رسول بنایا۔ اس کو پکڑ لو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اٹھا لیا۔ تو وہ پھر سونٹا بن گیا۔

فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ مہلت طلب کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے مہلت دے دی۔ فرعون گھبرایا ہوا اپنے وزراء و اراکین سے کہنے لگا۔ کہ موسیٰ تو کہیں سے ایک زبردست کرشمے والا سونٹا لے آیا ہے۔ بتاؤ کیا کریں۔ سب نے کہا ملک کے سب

جادوگر

جادوگر اکٹھے کرو۔ اور ان سے کہو۔ کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ چنانچہ فرعون کے حکم سے ہزاروں کی تعداد میں جادوگر جمع ہوئے۔ اور فرعون نے ان کو بتایا۔ کہ موسیٰ کے پاس ایک عصا ہے۔ وہ جب زمین پر ڈالتا ہے۔ تو اس کا ایک خوفناک اژدہا بن جاتا ہے۔ میں نے تم سب کو اس لئے جمع کیا ہے۔ کہ کسی طرح موسیٰ کو شکست دو۔ چنانچہ ان جادوگروں نے اپنی اپنی لاٹھیوں اور رسیوں پر منتر پڑھنا شروع کر دئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے تیار ہونے لگے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو چیلنج دے دیا۔ کہ ہم سے مقابلہ کرلو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

مقابلہ

چیلنج منظور فرمایا۔ اور فرعونیوں کے ایک بہت بڑے میلہ کا دن اس مقابلہ کے لئے مقرر فرما دیا۔ یہ دن فرعونیوں کا ایک ایسا دن تھا۔ جس دن وہ زینتیں کر کر کے دور دور سے جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ جب یہ دن آیا۔ تو فرعون ایک بڑے میدان میں اپنا تخت بچھوا کر بڑے فخر و غرور سے اس پر بیٹھا۔ اور ہزاروں جادوگر اپنا اپنا سامان جادو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ اور ہزاروں کی تعداد میں دوسرے لوگ بھی وہاں جمع ہو گئے آج فرعون بڑا خوش تھا۔ اور اسے یقین تھا۔ کہ حضرت موسیٰ آج شکست کھا جائیں گے۔ بے دین کو نبوت اور نبوت کے کمالات کا کچھ علم نہ تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک عام انسان اور دوسروں کی مثل بشر سمجھ رہا تھا۔ جب یہ میدان فرعونیوں سے بھر گیا۔ تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا۔

میرے بزرگو! اب ذرا نبوت کا کمال دیکھنا۔ اللہ کا نبی وہاں کس شان سے تشریف لایا۔ تن تنہا۔ نہ کوئی ظاہری سامان جنگ اور نہ کوئی ساتھ فوج۔

بس اپنے مبارک ہاتھ میں وہی ایک سونٹا ہے۔ جسے پکڑے ہوئے اللہ کا جلالی پیغمبر (علیہ السلام) اس فرعونی اجتماع میں تشریف لے آیا۔ ادھر فرعون ہے۔ جو بڑے فخر و غرور اور تکبر و انانیت کے ساتھ اپنے تخت پر بیٹھا ہے۔ اور اُدھر اللہ کا پیغمبر ہے۔ جو بڑے اطمینان سے اُس مجمع میں تشریف فرما ہے۔ فرعون نے بڑے غرور سے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کیا۔ اور کہا۔

دیکھ اے موسےٰ کہ ہے ساری خدائی اس طرف

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔ کہ

ہے خدائی اس طرف ۔ ذاتِ الٰہی اس طرف

فرعون نے کہا۔

سربلندی کے ذرا تو اس مرے جھنڈے کو دیکھ

حضرت موسےٰ نے اپنا سونٹا اٹھا کر فرمایا۔

سر جو کچلے گا ترا تو اس مرے ڈنڈے کو دیکھ

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا ڈنڈا جو دیکھا۔ تو ایک بار پھر تخت پر بیٹھا بیٹھا کانپا۔ میرے بھائیو! یہ نبی کا سونٹا ہے۔ اور یہ نبی کے سونٹے کا کمال ہے۔ کہ دشمن کے چھکے چھڑا رہا ہے۔ ایک وہ آدمی بھی ہے جس کا اپنی بیوی پر بھی رعب نہیں۔ بھائیو! آج ہمارے پاس بھی سونٹے ہیں۔ مگر کہاں یہ اور کہاں عصائے موسےٰ۔

گِرِوں کا سہارا

سَو سَو رحمتیں نازل ہوں اعلیٰحضرت کے مزار اقدس پر اس موقعہ پر اُن کا ایک ایمان افروز شعر یاد آگیا۔ فرماتے ہیں سہ

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا!

گِروں کا سہارا عصائے محمدؐ

سبحان اللہ! کیا اچھا فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصائے مبارک تو غضب و جلال کا سونٹا تھا۔ مگر ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عصائے مبارک رحمت و جمال کا مظہر اور گرتوں

کا سہارا عصائے مبارک ہے۔

ہاں تو یہ نبی کا عصا ہے۔ جسے دیکھ کر فرعون لرز اٹھا۔ اور اپنے جادوگروں سے کہنے لگا۔ تو بڑھو۔ اور کرو مقابلہ اس سے۔ چنانچہ فرعونی جادوگر جو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اپنے اپنے رسے اور سونٹیاں لے کر آگے بڑھے۔ اور کہنے لگے۔

يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ (پ ۹)

اے موسیٰ! یا تو پہلے آپ اپنا عصا ڈالیں۔ یا پھر ہم اپنے سونٹے رسیاں وغیرہ ڈالتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم ہی پہلے ڈال لو۔ اور نکال لو جو سانپ نکالنا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اپنی رسیاں، اور سونٹے ڈالے۔ تو ان جادوگروں کے جادو سے سارا میدان سانپوں سے بھر گیا۔ اور ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں سانپ ہی سانپ دوڑتے پھرتے نظر آنے لگے۔ فرعون بڑا خوش تھا۔ کہ اب موسیٰ جیت نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ اے موسیٰ! اب تم بھی اپنا عصا ڈالو۔ اور پھر دیکھو۔ کہ یہ نبی کا سونٹا اپنا کیا کمال دکھاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک زمین پر ڈالا۔ تو

فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سونٹا ایک عظیم اژدہا بن گیا۔ اور سارے میدان میں اپنا منہ کھول کر چکر لگانے لگا۔ اور ایک ہی چکر میں ان جادوگروں کے ہزاروں سانپوں کا ایک ہی لقمہ بنا گیا۔ اللہ کے نبی کے سونٹے کے ایک ہی چکر نے جادوگروں کی مہینوں کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ اور وہ جادوگر یہ اعجاز دیکھ کر سب کے سب سجدے میں جا پڑے۔ اور کہنے لگے۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ — رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ

ہم موسیٰ و ہارون کے رب اور سارے جہانوں کے رب پر ایمان لے آئے۔"

سبحان اللہ! نبی کے سونٹے نے وہ کمال دکھایا۔ کہ ہزاروں جادوگر ایمان کی

دولت سے مشرف ہو گئے۔ اور فرعون پر لعنت بھیجنے لگے۔

فرعون نے جو یہ منظر دیکھا۔ تو گھبرایا۔ اور ان جادو گروں کو ڈرانے دھمکانے لگا۔ مگر انہوں نے یہ جواب دیا۔ کہ کچھ بھی کر۔ مگر اب ہم ایمان لا چکے۔ اور سچے رب کو پا چکے۔ اب ہم اس ایمان سے پھسل نہیں سکتے۔ اور تمہیں کبھی سچا نہیں مان سکتے۔

میرے بزرگو! دیکھا آپ نے نبوت کے کمال کو۔ اور نبی کے رعب و جلال کو؟ کہ اس کے ایک سونٹے ہی سے دنیا اِدھر کی اُدھر ہو گئی۔ میرے بھائیو! ان پاک ہستیوں کو کبھی عام سطح پر نہ رکھو۔ اور اس بات پر یقین رکھو کہ ہم اگر فرش ہیں۔ تو وہ عرش ہیں۔ ہم کچھ بھی نہیں۔ اور وہ سب کچھ ہیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں صحیح عقیدہ پر قائم رکھے۔ اور بدعقیدگی سے محفوظ رکھے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

۲۹ انتیسواں وعظ

فوز و فلاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ہُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ہُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ہُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ ہُمْ لِفُرُوْجِہِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِہِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ

فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (پ۱۸ ع۱)

(ترجمہ) بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیبیوں یا شرعی باندیوں پر جو اُن کے ہاتھ کی ملک ہیں۔ کہ ان پر کوئی ملامت نہیں۔ تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے، وہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں۔ کہ فردوس کی میراث پائیں گے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(کنز الایمان)

حضرات! آج جو میں نے آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ اس میں

خدا تعالیٰ نے نجات و کامیابی اور فوز و فلاح کا طریق بیان فرمایا ہے۔ اِس وقت میں اگر آپ سے پوچھوں۔ کہ آپ میں سے کون ہے؟ جو نجات و فلاح کا طالب ہے۔ اور کون ہے۔ جو یہ چاہتا ہے۔ کہ میں قیامت کے روز خدا کی گرفت سے بچ جاؤں؟ تو سب یہی کہیں گے۔ کہ صاحب! ہم سب یہی چاہتے ہیں۔ کہ ہم کامیاب و بامراد ہوں۔ اور خدا تعالےٰ کی گرفت سے بچ جائیں۔ اور اگر میں کہوں کہ آپ میں سے جو شخص فلاح و نجات کو نہیں چاہتا۔ وہ اپنا ہاتھ کھڑا کرے۔ تو یقیناً کوئی بھی اپنا ہاتھ کھڑا نہ کرے گا۔ میرے بھائیو! اگر واقعی آپ اپنی طلب میں سچے ہیں۔ اور سچ مچ آپ بامراد ہونا چاہتے ہیں۔ اور خدا کی گرفت سے بچ جانا چاہتے ہیں۔ تو آیئے اس مقصد کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ کا ارشاد فرمودہ طریقِ کار سنئے۔ اور اس پر عمل کرکے فوز و فلاح سے ہمکنار ہو جایئے۔

ایمان

حضرات! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے۔ خوب یاد رکھیئے۔ کہ ایمان ہی فوز و فلاح اور کامیابی کی بنیاد ہے۔ سب سے پہلے ایمان ہونا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ نے اِن آیاتِ کریمہ میں اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا ہے۔ لیکن ان سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے ایمان کا ذکر کیا ہے۔ گویا ایمان نہ ہو۔ تو کوئی عمل عمل صالح نہیں۔ اور بجز ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ بھائیو! آپ قرآنِ پاک کا مطالعہ کریں۔ تو پتہ چلے گا۔ کہ خدا تعالیٰ نے جہاں بھی اعمالِ صالحہ کا ذکر کیا ہے۔ وہاں پہلے ایمان کا ذکر ضرور فرمایا ہے۔ اس لئے کہ ایمان ہی اصل ہے اور بنیاد ہے۔ اگر یہ ہے۔ تو اس بنیاد پر اعمالِ صالحہ قائم رہیں گے۔ اور کام آئیں گے۔ اور اگر یہ بنیاد ہی نہیں تو سارے اعمال بیکار اور ضائع ہو جائیں گے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کفار کے اعمال کے متعلق فرماتا ہے:۔

وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (پ ۱۹)

اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا۔ کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں"

دیکھا آپ نے! بے ایمانوں کے جملہ اعمال بکھیر دئے گئے۔ اور ضائع کر دئے گئے۔ جس کی بنیاد نہ ہو۔ اس کا حشر یہی ہونا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ سب سے پہلے ایمان ضروری ہے۔ اعمال صالحہ بھی ضروری ہیں۔ مگر ایمان کو تقدیم حاصل ہے۔ نجات کا مدار ایمان ہی پر ہے۔ ایک شخص چاہے بظاہر بہت بڑا پارسا ہو نیک ہو۔ بہت بڑا مبلغ ہو۔ لندن و پیرس تک پہنچ پہنچ کر تبلیغ کرتا ہو۔ پیدل چل چل کر بھوکا پیاسا رہ رہ کر بزعم خویش خدماتِ تبلیغ سرانجام دیتا ہو۔ مگر ہو بے ایمان۔ تو اس کے یہ سارے اعمال "هَبَاءً مَّنْثُوْرًا" کے مصداق ہیں۔ بھائیو! گاندھی ہی کو دیکھ لو۔ وہ مرد مشرک۔ بڑی پوجا پاٹ کیا کرتا تھا۔ بظاہر بڑا حلیم اور متواضع تھا۔ ہر شخص کے آگے ہاتھ جوڑا کرتا تھا حد یہ کہ گیتا کے ساتھ ساتھ قرآنِ پاک کی بھی تلاوت کیا کرتا تھا۔ مگر کیوں صاحب! گاندھی کیا "ناجی" ہے؟ اور کیا وہ جنتی ہے؟ استغفراللہ العظیم! ہرگز نہیں۔ وہ چونکہ مومن نہ تھا۔ اس لئے وہ ناری ہی ہے۔ اگر وہ پڑھ لیتا" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تو یہ ایمان بیشک ناجی اور جنتی بنا دیتا۔ معلوم ہوا۔ کہ نجات کا مدار ایمان پر ہی ہے اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ

مَنْ شَہِدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ النَّارَ۔ (مشکوٰۃ شریف) یعنی جس شخص نے توحید و رسالت کی گواہی دی۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ دیا۔ اس پر نار جہنم حرام ہے۔ اور وہ جنتی ہے۔

ایمان کیا ہے؟

میرے بھائیو! ایمان نام ہے یقین اور تصدیق قلبی کا یعنی دل سے خدا کی توحید اور رسولِ خدا کی رسالت۔ حشر و نشر۔ روز قیامت اور فرشتوں پر یقین رکھے اور ان

حقائق کے خلاف اس کے دل میں وہم تک نہ گزرے۔ اس یقین و تصدیق
کے بعد اب جو وہ نیک کام کرے گا۔ وہ اعمال صالحہ کہلائیں گے۔ اور اس کے
کام آئیں گے۔ ایک اور بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ ایمان ایک ایسا یقین ہے۔ جو
ہر وقت مومن کے دل میں قائم رہتا ہے۔ اور کسی لحظہ بھی اُس سے جدا نہیں
ہوتا۔ مومن جاگ رہا ہو۔ تو بھی مومن ہے۔ سو رہا ہو تو بھی مومن۔ گھر میں
ہو تو بھی مومن۔ مسجد میں ہو۔ تو بھی مومن۔ جہاں ہو۔ جس حال میں بھی ہو وہ
مومن ہی ہے۔ برخلاف عمل صالح کے۔ کہ عمل وقتی طور پر ہوتا ہے اور
وقت گزر جانے پر وہ عمل قائم نہیں رہتا۔ مثلاً نماز ایک نیک عمل ہے
مگر نمازی جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے۔ یہ عمل قائم رہتا ہے۔ مگر جب نماز
ختم ہو جاتی ہے۔ تو یہ عمل قائم نہیں رہتا۔ پھر جب دوسری نماز کا وقت
آتا ہے۔ تو یہ عمل پھر شروع ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ نماز بھی پڑھ لی
جاتی ہے۔ تو عمل نماز پھر ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روزہ بھی ایک نیک
عمل ہے۔ مگر یہ بھی ماہ رمضان میں شروع ہوتا ہے۔ اور عید پر آکر ختم
ہو جاتا ہے۔ نفلی روزہ بھی صبح سے شام تک رہتا ہے۔ اور رات کو جدا
ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر جملہ نیک کام کرنے پر قائم۔ اور کر لینے کے بعد
ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد اب یہ فرق صاف سمجھ میں آ
جائے گی۔ کہ ایک شخص بے ایمان ہے۔ تو وہ مجرم ہے۔ اور اُسے اس
بے ایمانی کی سزا ملے گی۔ اور ایک شخص بے عمل ہے۔ نماز نہیں پڑھتا۔
روزہ نہیں رکھتا۔ وہ بھی مجرم ہے۔ اور اسے بھی سزا ملے گی۔ مگر دونوں
کی سزاؤں میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا ایمان و عمل کی کیفیت میں فرق
ہے۔ یعنی بے عمل کو قیامت کے روز جو سزا ملے گی۔ وہ دائمی نہ ہوگی
بلکہ جس طرح عمل وقتی طور پر ہوتا ہے۔ اور عمل پورا ہو جانے کے بعد
عمل قائم نہیں رہتا۔ اسی طرح ترک عمل کی سزا بھی ہمیشہ کے لئے قائم نہ
رہے گی۔ بلکہ وہ اپنے وقت ختم ہو جانے پر ختم ہو جائے گی۔ اور [illegible]
اُسے ایک نہ ایک وقت جہنم سے باہر نکال دیا جائے گا۔ اور بے ایمان

ہوگا۔ اُسے اس بے ایمانی کی جو سزا ملے گی۔ وہ دائمی ہوگی۔ یعنی جس طرح ایمان کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ترکِ ایمان کی سزا بھی کسی وقت جدا نہ ہوگی۔ اور بے ایمان خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلے گا۔ چونکہ ایمان ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو جہنم سے نجات دلانے والی ہے۔ اور کافر میں یہ ہے نہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا۔ اور جو بے عمل ہے۔ لیکن ہے مومن تو یہ ایمان اُسے جہنم میں رہنے نہ دے گا۔ اور انجام کار اُسے جہنم سے نکال کر رہے گا۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ اپنی عزت وجلال کی قسم فرما کر فرمائے گا۔ کہ

لَاُخْرِجَنَّ مِنْھَا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۶۸)

"میں ہر کلمہ پڑھنے والے کو جہنم سے نکال لوں گا"

دیکھا آپ نے کہ ایمان ہی مدارِ نجات ثابت ہُوا یا نہیں؛ اگر ایمان نہیں۔ تو نجات بھی نہیں۔ اور اگر ایمان ہے اور ساتھ ہی ساتھ بے عمل بھی ہے۔ تو وہ اگرچہ اپنی اس بے عملی کی سزا پائے گا تو سہی۔ لیکن ایک وقت وہ اس عذاب سے نجات بھی یقیناً پائے گا۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکُمْ (پ۲ع۱۱)

اور بیشک مومن غلام مشرک سے اچھا ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو"

یعنی بے ایمان اگرچہ بظاہر کتنا ہی بھلا کیوں نہ ہو۔ اس سے ایک مومن غلام ہزار درجہ اچھا ہے۔ مومن غلام ہو۔ گنہ گار ہو۔ لیکن ہے تو مومن۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں۔ ؎

بد سہی چور سہی مجرم ناکارہ سہی

اے وہ کیسا ہی سہی، ہے تو کریما تیرا

جنّت کے لڈو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پڑھنے والا جنت میں ضرور جائے گا۔ اگرچہ وہ بدعمل بھی ہو (مفصل حدیث مشکوٰۃ شریف ص۱۲ پر موجود ہے) مطلب یہ ہے۔ کہ جو لَآ الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھنے والا ہے۔ وہ اگرچہ گناہ گار بھی ہے۔ پھر بھی ہے تو میرا ہی۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک مثال سنیئے۔

ایک سکول میں ایک بہت بڑا افسر آتا ہے۔ اور اس کی آمد کی خوشی میں سکول کے لڑکوں کے لئے بوندی کے لڈو منگوائے جاتے ہیں۔ اور وہ افسر یہ حکم دیتا ہے۔ کہ یہ لڈو سکول کے لڑکوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ تو دیکھ لیجئے۔ کہ اس سکول میں بعض لڑکے بڑے ذہین اور بڑے محنتی ہیں۔ اور بعض کند ذہن اور کھلنڈرے بھی ہیں مگر جب لڈو بانٹے جائیں گے۔ تو اس وقت یہ دیکھا جائے گا۔ کہ اس سکول میں کون کونسا لڑکا داخل ہے۔ اور پھر جو لڑکا بھی سکول میں داخل ہوگا۔ اُسے لڈو ضرور مل جائے گا۔ ذہین لڑکے کو بھی۔ اور کند ذہن کو بھی۔ محنتی کو بھی اور کھلنڈرے کو بھی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ جو لڑکا محنتی نہ ہوگا۔ کھلنڈرا ہوگا۔ اسے سزا بھی ملے گی۔ ماسٹر سے طمانچے کھانے پڑیں گے۔ اس کے کان پکڑوائے جائیں گے۔ اُسے مرغ بنایا جائے گا۔ مگر جب لڈو بٹنے لگیں گے۔ تو لڈو بھی اسے یقیناً مل ہی جائے گا۔ برخلاف اسکے جو لڑکا بڑا محنتی ہے۔ قابل ہے۔ مگر سکول میں داخل نہیں۔ بلکہ پرائیویٹ پڑھتا ہے۔ ٹیوشن پر تعلیم پاتا ہے۔ تو اس کی یہ قابلیت لڈو بٹنے کے وقت کچھ کام نہ آئے گی۔ اس لئے کہ لڈو پانے کے لئے تو صرف "سکول کا لڑکا" ہونا شرط ہے۔ اسی طرح کل قیامت کے روز محمد رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ و سلم کے صدقہ میں جنت کا جو لڈو بانٹا جائے گا۔ تو یہ لڈو ہر اس شخص کے لئے ہوگا۔ جو سکول ایمان میں داخل ہے۔ گنہگار مومن اگرچہ اپنے کھلنڈرے پن کی سزا بھی پائیں گے۔ مگر جب جنت کا لڈو بٹنے لگے گا۔ تو پھر یہ دیکھا جائے گا۔ کہ ایمان میں داخل کون ہے؟ اور جو ایمان میں داخل نہیں۔ وہ اگرچہ بڑا پارسا بھی ہوگا۔ تو وہ گاندھی

کی طرح پرائیویٹ اور ٹیوشن پر پڑھنے والا شمار ہوگا۔ اور لڈو کا کسی صورت حقدار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ جنت کا لڈو تو ان کے لئے ہے۔ جو محمدی سکول کے لڑکے ہیں — یہی مراد ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی۔ کہ جو شخص لآ الٰہ اِلّا اللہ پڑھنے والا ہے۔ وہ اگرچہ گنہگار بھی ہوگا۔ تو بھی جنت کا حقدار ضرور ہے۔ ؎

زاہد! اُن کا ہیں گنہگار وہ شافع میرے!
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

جہنم سے بچو

میرے بھائیو! اس موقعہ پر کوئی یہ نہ سمجھ لے۔ کہ چلو نماز روزہ سے چھٹی ہوئی۔ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔ کلمہ پڑھ لیا ہے۔ تو اب کوئی نیک کام کرنے کی حاجت نہیں۔ نہیں میرے بھائیو! ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ دیکھئے میں نے یہ بھی تو سنایا ہے۔ کہ بے عملی کی بھی سزا ہے۔ دائمی نہ سہی کچھ وقت کے لئے ہی سہی۔ لیکن ہوگی تو سہی۔ اور جہنم کی ایک لحظہ کی سزا بھی الامان والحفیظ۔ خدا محفوظ رکھے کوئی معمولی بات تو نہیں۔ میرے بھائیو! یہ ہماری اس دنیا کی آگ جو جہنم کی آگ کے مقابلہ میں بہت ہی ہلکی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کیا اس میں ایک منٹ کے لئے جانا بھی کوئی منظور کرتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر اے میرے بھائیو! جہنم کی وہ آگ۔ جو اس آگ سے ہزاروں درجے زیادہ تیز ہے۔ اس میں لحظہ بھر بھی جلنے کی تاب کون لا سکتا ہے؟ پھر وہ شخص کس قدر بے وقوف ہے۔ جو نماز روزہ کا پابند نہیں۔ اور دیگر احکامِ شریعت کی تعمیل نہیں کرتا۔ اور جہنم کی آگ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بزرگو۔ دوستو اور عزیزو! قرآن پاک فرماتا ہے

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ۔

"ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن نافرمان انسان اور پتھر ہیں"

قیامت کا ہولناک دن

بھائیو! ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے۔ اور میدان حشر میں ہر ایک کو حاضر ہونا ہے۔ بھائیو! اس روز سور [illegible] کر دیا جائے گا۔

زمین پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گی۔ سر پر سایہ کوئی نہ ہوگا۔ کافروں منافقوں اور بے دینوں کے بدنوں سے بعد پسینہ جاری ہوگا۔ اس روز بجز رحمتِ حق کے سایہ کے جو خاص مومنوں کے لئے ہوگا۔ اور کہیں بھی سایہ نہ ہوگا۔ نیک اور بد الگ الگ کر دئیے جائیں گے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے پکار کر کہا جائے گا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ اے مجرمو! آج وہ دن نہیں ہے کہ دنیا کی طرح تم نیکوں میں ملے جلے رہو۔ میرے پیاروں سے الگ ہو جاؤ۔ چنانچہ گنہ گاروں کا ہر ایک فرقہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔ بے نمازوں کا الگ۔ رشوت خوروں کا الگ اور بدمعاشوں ڈاکوؤں، قاتلوں کا الگ۔ ہر ایک کو اپنے اپنے فرقہ کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ادہر نیکوں کی جماعتیں بھی الگ الگ ہوں گی۔ پھر اس ہولناک دن میں سب اپنی اپنی کرتوتوں سے پوچھے جائیں گے قیامت کے اس اولین موقف میں قیامت کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر ہر ایک اپنے نفس کو ملامت کرنے لگے گا۔ نیک کہیں گے۔ ہم نے نیکیاں زیادہ کیوں نہ کیں۔ بدکار کہیں گے۔ افسوس ہم نے اپنی دنیوی زندگی گناہوں میں کیوں بسر کی۔ کاش کچھ نیکی بھی کر لیتے۔ جو آج کے دن کام آتی۔ اور ہر شخص اپنی نجات کی فکر میں ہوگا۔ ادھر بجز ہمارے حضور کے سب کی زبانوں پر نفسی نفسی کی آواز ہوگی۔ اور اس روز کوئی بول بھی نہ سکے گا۔ ہاں جسے اذن ہوگا۔ وہی بول سکے گا۔ خدا فرماتا ہے۔

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا۔

گنہگار جب یہ ہولناک منظر دیکھیں گے۔ تو چاہیں گے۔ کہ خدا تعالےٰ ہماری اولاد وغیرہ دیگر اشیاء ہم سے لے لے۔ اور ہمیں اپنے عذاب سے رہائی دے دے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ۔ وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى۔ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى۔ تَدْعُوْا

مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰی (پ۲۹ ع۷) مجرم آرزو کرے گا۔ کاش اس دن
کے عذاب سے چھٹنے کے بدلے میں دیدے اپنے بیٹے۔ اور اپنی
جورو۔ اور اپنا بھائی۔ اور اپنا کنبہ جس میں اس کی جگہ ہے اور
جتنے زمین میں ہیں سب پھر یہ بدلا دینا اُسے بچائے۔ ہرگز نہیں
وہ تو بھڑکتی آگ ہے۔ کھال اتارنے والی بلا رہی ہے اس
کو جس نے پیٹھ دی اور منہ پھیرا۔

دیکھا میرے بھائیو! یہ دن کتنا خطرناک اور ہولناک ہوگا۔ اور بدعملیوں کے باعث کس قدر وہاں پریشانی ہوگی۔ تو اگرچہ ایمان انجام کار جہنم سے نکال ہی لے گا۔ مگر ان خطرناک منازل کا تو سامنا ہوگا۔ اور کچھ مدت کے لئے ہی سہی، نافرمانیوں اور بدعملیوں کی سزا ملے گی تو سہی۔ تو پھر کیوں نہ ہم اپنی عملی زندگی بھی درست کریں۔ اور ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی اختیار کریں۔ اور جہنم کی آگ سے بچ جائیں ؎

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اَوْقَدْتُمُوْا
اِشْکُمْ فِی الْمَعْصِیَۃِ اِذْ دَدْتُمُوْا

نماز و روزہ کے مسائل

میرے بھائیو! ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ کہ ہم میں سے جو نماز و روزہ ادا بھی کرتا ہے۔ وہ ان اعمالِ صالحہ کے شایانِ شان ان کی ادائیگی نہیں کرتا۔ نماز و روزہ کو ایک معمولی چیز سمجھ کر ان کے مسائل کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ میرا دعویٰ ہے۔ کہ اتنے بڑے مجمع میں اگر کسی سے نماز سنی جائے۔ تو اس میں بہت سی غلطیاں نظر آئیں گی۔ اور ان کے ارکان وغیرہ کی کماحقہ ادائیگی نظر نہیں آتی۔ مسجد میں آئے اور دو ٹکریں مار کے باہر نکل گئے۔ نہ صحت کے ساتھ کچھ پڑھا۔ نہ تعدیل ارکان کا خیال رکھا اور نہ ہی کسی آداب کو ملحوظ رکھا۔ بھائیو! اس طرح غفلت کے ساتھ کسی فرض کی ادائیگی بھی بجائے فائدہ کے نقصان پہنچا دیتی ہے۔ اور سارا قصہ مثنوی شریف کے اس بہرہ والا ہو جاتا ہے۔ جس کا ذکر مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی میں کیا ہے۔

ایک بہرے کا قصہ

مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ ایک بہرہ تھا۔ اس کا پڑوسی بیمار ہو گیا۔ تو بہرے نے سوچا۔ کہ پڑوسی کی بیمار پرسی کے لئے جانا چاہیئے مگر کیا کروں۔ میں بہرہ ہوں۔ اور وہ بیمار ہے بیماری کی وجہ سے وہ کمزور آواز میں بولے گا۔ اور میں سن نہ سکوں گا میں کچھ پوچھوں گا تو خدا جانے وہ کیا جواب دے گا۔ پھر اس نے دل میں خود ہی کچھ سوال و جواب گھڑ لئے اور سوچا۔ کہ میں کچھ پوچھوں گا۔ تو اس کے لب ہلیں گے۔ تو میں خود ہی اپنی فراست سے بطور قیاس سمجھ لونگا کہ اس نے یہ بات کہی ہے۔ چنانچہ اس نے پہلا سوال و جواب یہ سوچا۔ کہ میں سب سے پہلے اس سے پوچھوں گا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ تو وہ ضرور کہے گا۔ کہ میں اچھا ہوں۔ اور نسبتاً آرام ہے۔ کیونکہ عموماً یونہی کہا جاتا ہے۔ میں کہدوں گا — الحمد للہ۔ پھر میں پوچھوں گا کہ علاج کس کا جاری ہے؟ تو وہ کسی اچھے طبیب ہی کا نام لے گا۔ میں کہہ دوں گا۔ بڑا اچھا طبیب ہے۔ اس کا علاج نہ چھوڑنا۔ پھر میں پوچھوں گا۔ غذا کیا ہے؟ تو وہ کسی نرم غذا ہی کا ذکر کریگا۔ تو میں کہدوں گا۔ بڑی اچھی غذا ہے۔ اسی کا استعمال جاری رکھنا۔ چنانچہ وہ بہرا اس بیمار پڑوسی کے پاس پہنچا اور:

گفت چونی گفت مُردم گفت شکر
شد ازاں رنجور پُر آواز و نکر

بہرے نے پوچھا۔ فرمایئے کیا حال ہے؟ بیمار بولا۔ "مر رہا ہوں۔ بہرا بولا۔" الحمد للہ! یہ سن کر بیمار کو بڑا غصہ آیا۔ کہ یہ میرا دشمن کہاں سے آگیا۔ جو میری تکلیف پر الحمد للہ کہہ رہا ہے۔ ؎

بعد ازاں گفتش چہ خوردی گفت زہر
گفت نوشت باد افزوں گشت قہر

بہرے نے پھر پوچھا۔ کہ خوراک کیا ہے؟ بیمار بولا خوراک میری زہر ہے۔ بہرا بولا۔ بڑی اچھی غذا ہے۔ یہی چیز کھایا کرو۔ اسے مت چھوڑنا۔ اب تو بیمار اور بھی غصہ میں آگیا۔

بعد ازاں گفت از طبیباں کیست او
کہ همے آید بچارہ پیشِ تو

بہرے نے پھر پوچھا۔ کہ طبیب کونسا ہے؟ جو تمہارا علاج کرنے کیلئے آتا ہے۔ تو سہ

گفت عزرائیل مے آید برو
گفت پائش بس مبارک شاد شو

بیمار نے جواب دیا۔ طبیب میرا عزرائیل یعنی ملک الموت ہے۔

بہرہ بولا۔ مبارک ہو۔ یہ بڑا اچھا طبیب ہے۔ اس کا علاج نہ چھوڑنا یہ کہہ کر بہرہ بزعم خویش اپنا فرض پورا کرکے چلا آیا۔ اور سمجھا یہ کہ بیمار کو میں خوش کرکے آیا ہوں۔ حالانکہ وہ اپنی جہالت سے بیمار کو ناخوش کرکے آیا تھا میرے بھائیو! اسی طرح جبکہ غافل مسلمان مسجد میں آتا تو نماز پڑھ کر خدا کو خوش کرنے کے لئے ہے۔ مگر غلط سلط نماز پڑھ کر الٹا خدا کو ناراض کرکے مسجد سے نکلتا ہے۔ بھائیو! نماز پڑھتے ہو۔ تو نماز کے مسائل بھی یاد کرو اور اسے کوئی معمولی کام نہ سمجھو۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ بہت سے نمازیوں کو بھی نماز کے مسائل یاد نہیں ہوتے۔

لطیفہ

چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہ کوئی صاحب نماز پڑھ رہے تھے۔ تو سلام پھیرنے کے بعد انہوں نے "سجدہ سہو" کیا۔ کسی نے پوچھ لیا۔ کیوں صاحب! نماز میں کیا بھول واقع ہو گئی تھی۔ جو آپ کو "سجدہ سہو" کرنا پڑا۔ تو وہ بولے بھولا تو کچھ بھی نہیں۔ ان دوسری رکعت میں وضو ٹوٹ گیا تھا۔ اس لئے "سجدہ سہو" کر لیا ہے۔ سبحان اللہ! کیا مسئلہ نکالا ہے۔ کہ وضو ٹوٹ جائے۔ تو سجدہ سہو کر لو۔

ایک اور بات

حضرات۔ اب ایک اور بات باقی رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ کلمہ طیبہ پڑھ لینے سے اگر آدمی مومن بن جاتا ہے۔ تو پھر تو وہ شخص جو کلمہ پڑھتا نظر آئے۔ اس پر کوئی فتویٰ نہ لگنا چاہیئے۔ حالانکہ شریعت میں کلمہ پڑھنے والے پر بھی فتویٰ لگ جاتا ہے تو کہا یوں!

آؤ اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک اور حدیث پاک سن لو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک باغ کے اندر تشریف فرما تھے۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

یَا اَبَا هُرَیْرَةَ وَ اَعْطَانِی نَعْلَیْهِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَیَّ هَاتَیْنِ فَمَنْ لَقِیْتَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ یَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَیْقِنًا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ (مشکوٰۃ شریف)

یعنی اے ابوہریرہ میرے یہ نعلین (جوتے مبارک) لو اور جاؤ اور باغ کی اس دیوار کے پیچھے جو شخص بھی تجھے ملے۔ جو دل کے یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہو۔ اسے جنت کی بشارت دے دو۔"

میرے بھائیو! اس حدیث پاک میں دیکھئے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ کو اپنے نعلین شریفین دے کر یہ حدیث سنانے کا ارشاد فرمایا۔ سوال یہ ہے۔ کہ حضور نے اپنے نعلین شریفین کیوں دئیے؟ اور اگر اپنی طرف سے ابوہریرۃ کو کوئی اس امر کی نشانی کہ یہ ارشاد حضور ہی کا ہے۔ دینی ہی تھی۔ تو نعلین شریفین کی بجائے کچھ اور مرحمت فرما دیتے۔ عمامہ شریف دیدیتے۔ یا کوئی رومال وغیرہ دیدیتے۔ یہ نعلین شریفین ہی دینے میں کیا حکمت تھی؟ تو میرے بھائیو! آؤ میں آپ کو اس کی حکمت بتاؤں۔ سنئے۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے والے کو جنت کی بشارت دینے کا ارشاد فرماتے ہوئے ساتھ ہی اپنے نعلین شریفین بھیج دئے۔ کہ اے ابوہریرہ! جسے یہ حدیث سناؤ۔ اسے میرے یہ نعلین بھی دکھا دو۔ مطلب یہ کہ جو شخص کلمہ پڑھ لے۔ تو جب تک اس کے دل میں میرے ان نعلین شریفین کا بھی ادب و وقار نہ ہوگا۔ وہ کلمہ پڑھ لینے کے باوجود بھی صاحب ایمان نہ ہوسکیگا اور جنت کی بشارت صرف اسی کے لئے ہوگی۔ جو کلمہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کا بھی ادب کرے گا۔

اور جس کے دل میں ان مقدس نعلین کا بھی ادب نہ ہوگا۔ اور وہ انہیں عام جوتوں کی مانند سمجھے گا۔ تو اس کے کلمہ پڑھنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ میرے بھائیو! اب خود ہی فیصلہ فرمالیجئے۔ کہ اگر کوئی شخص حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین کو تو کیا۔ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنی مانند سمجھنے لگے۔ تو اس کے کلمہ پڑھنے کا کیا اعتبار۔ اسی لئے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ ؎

ذیابٌ فی ثیابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلامِ اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

نعلین شریفین

میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین وہ مقدس اور ارفع و اعلیٰ اور با برکت چیز ہے کہ حضرت ابوجعفر احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص کی بیوی کو سخت درد شروع ہوگیا۔ جس کے باعث وہ مرنے کے قریب ہوگئی۔ اس کے خاوند نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے نعلِ پاک کا نقشہ شریف مقامِ درد پر رکھ کر یوں کہا۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ بَرَکَةَ ھٰذَا النَّعل فَشَفَاھَا اللّٰہ لِلْحِیْنِ ــــ

اے اللہ! اس نعل پاک کی برکت مجھے دکھا دے۔" یہ کہتے ہی اس مریضہ کو فوراً شفا ہوگئی۔" (جواہر البحار صفحہ ۹۵۵ جلد ۳)

علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ نے نعل شریف کی اور بھی کئی برکات نقل فرمائی ہیں اور بعض ائمہ کا یہ ارشاد بھی لکھا ہے۔ کہ

مِنْ بَرَکَتِہٖ اَنْ مَنْ لَازَمَ حَمْلَہٗ کَانَ لَہُ الْقَبُوْلُ التَّام مِنَ الْخَلْقِ ــــ (جواہر البحار ص۹۵۶ ج ۳) جو شخص نعل شریف کے نقشہ کو اٹھائے رکھے گا۔ وہ مقبولِ خلائق بن جائے گا۔

مولانا حسن علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے۔ کہ ؎

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

اور سینۂ بزرگانِ دین فرماتے ہیں۔ کہ نقشہ نعلِ پاک جس لشکر میں ہوگا اسے شکست نہ ہوگی۔ جس قافلہ میں ہوگا۔ اسے لوٹا نہ جائے گا۔ جس کشتی میں ہوگا وہ غرق نہ ہوگی۔ جس گھر میں ہوگا وہ جلے گا نہیں۔

وَمَا تُوُسِّلَ بِصَاحِبِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ اِلَّا قُضِيَتْ

(جواہر البحار ص۱۵۹ ج ۳) اور صاحبِ نقشہ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جس حاجت کے لئے دعا مانگی جائے گی وہ پوری ہو جائے گی۔

اور پھر حضرت نبہانی علیہ الرحمۃ نے متعدد ایسے واقعات لکھے ہیں جن میں مذکور ہے۔ کہ بعض جہاز سمندر کے طوفان میں پھنس گئے۔ اور وہ اس نقشہ پاک کی برکت سے بچ گئے۔ بعض مکان اس نقشہ پاک کی برکت سے اردگرد آگ لگ جانے کے باوجود محفوظ رہے۔ اور بعض قافلے اس نقشہ پاک کی برکتوں سے ڈاکوؤں کے حملہ سے بچ گئے۔ اسی لئے حضرت موصوف نے جواہر البحار میں یہ شعر لکھا ہے۔ کہ ؎

يَا نَاظِرًا تِمْثَالَ نَعْلِ نَبِيِّهٖ   قَبِّلْ مِثَالَ النَّعْلِ لَا مُتَكَبِّرًا

اے نقشہ نعل پاک کو دیکھنے والے اس مبارک نقشہ پاک کو عاجزی سے چوم لو۔

ہاں تو یہ نقشہ پاک کی بے پناہ برکتیں ہیں۔ پھر جس نعلِ پاک کا یہ نقشہ ہے۔ اس نعلِ پاک میں کیا کیا برکتیں نہ ہوں گی۔ اور مسلمانو! پھر اندازہ تو کرو۔ اس وجود باجود منبع البرکات معدن الحسنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ان گنت برکات کا جس کے پائے انور کے ساتھ مس کرنے کی بدولت اس نعلِ پاک کے نقشہ میں بھی اتنی برکتیں پیدا ہو گئیں۔ پڑھیے درود شریف۔

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ

میرے عزیزو! اپنے دل میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین

شریفین کا بھی ادب و احترام پیدا کرو۔ اگر یہ ادب و وقار نہیں۔ تو کلمہ پڑھنے کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

میرے بزرگو اور دوستو! نعلین شریفین عطا فرمانے میں ایک اور راز بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اسے کلمہ پڑھنے والے ذرا ان نعلین پاک کو بھی دیکھ لے۔ اور خوب سمجھ لے۔ کہ کلمہ پڑھ لینے کے بعد پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم بھی چلنا۔ اور اتباع رسول بھی اختیار کرنا۔ یہ نہ ہو۔ کہ کلمہ پڑھ کر بیکار بیٹھے رہو۔ اور حضور کا اتباع اختیار نہ کرو۔ یا کلمہ تو پڑھو حضور کا۔ اور چلو کسی ملحد کے نقش قدم پر۔ اس لئے کہ ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید ؛ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔

ہاں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ایمان والے بامراد اور کامیاب ہیں۔ پھر اس کے آگے ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ اور گڑگڑاتے ہیں۔ میرے بھائیو! آپ سن چکے کہ ایمان کے بعد عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ دیکھ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایمان کا ذکر فرما کر اب اعمال کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ ایمان والے کہ جو وہ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اور نماز بھی بلا سوچے سمجھے نہیں۔ بلکہ خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

خشوع

حضرات! خدا تعالیٰ نے جو نماز میں خشوع اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ نماز دل لگا کر پڑھے۔ دل میں خدا کا خوف ہو۔ اِدھر اُدھر نہ دیکھے۔ آسمان کی طرف نظر نہ اٹھائے۔ انگلیاں نہ چٹخائے۔ داڑھی کے بالوں سے نہ کھیلے۔ بلکہ انتہائی خلوص اور انکساری کے ساتھ نماز ادا کرے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ صَلِّ كَاَنَّكَ تَرَاهُ۔ نماز یوں پڑھو۔ جیسے کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ

تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ - اور اگر تم نہیں دیکھ سکتے۔ تو اتنا تو یقین کر کے نماز پڑھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ بھائیو! یہ نماز کیا ہے۔ یہ مخلوق کی، اپنے خالق میں حاضری ہے۔ نمازی اپنے خالق کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ اور اپنے مالک سے محو دعا ہوتا ہے۔ گویا ادھر مخلوق ہے۔ اور اُدھر رحمت خالق ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی اجازت نہیں۔ دیکھئے۔ دو آدمی آمنے سامنے گفتگو کر رہے ہوں۔ تو کوئی شخص اگر ان کے درمیان سے گزرے۔ تو دونوں برا مناتے ہیں۔ بلا تشبیہ اِدھر مخلوق ہے۔ اور اُدھر خالق کا جلوہ ہے۔ تو جو کوئی نمازی کے آگے سے گزرے گا۔ تو وہ گویا دونوں کے درمیان سے گزرے گا۔ اور شریعت بُرا منائے گی۔

میرے بھائیو! نماز پڑھو۔ اور خشوع کے ساتھ پڑھو۔ نماز کے جملہ اعمال و آداب کو بجا لا کر پڑھو۔ اگر آداب و اعمال مکمل نہ ہوں تو نماز تو ہوئی۔ لیکن ایسی جیسے کوئی آدمی ہو۔ جو زندہ تو ہو۔ مگر اسکی آنکھیں نکل گئی ہوں۔ اور ناک کان کٹے ہوئے ہوں۔ اور اگر رکوع و سجود اور اعمال تو مکمل ہوں۔ مگر خشوع نہ ہو۔ تو اس کی مثال ایسے ہیں۔ جیسے صحیح سالم نظر آئے۔ مگر اندر بصارت نہ ہو۔ کان تو ہوں۔ مگر سماعت نہ ہو۔ نماز کی اصل روح یہ ہے۔ کہ از اول تا آخر خشوع اور حضورِ قلب رہے۔ اس لئے کہ نماز ہے ہی اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی یاد کے لئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ - یعنی نماز میری یاد کرنے کے لئے پڑھو۔

خدا کے سامنے میرے بزرگو! حضور صلے اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں کہ نمازی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ تو وہ خدا کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ تو خدا اُس سے فرماتا ہے۔

اِلٰى مَنْ تَلْتَفِتُ اِلٰى خَيْرٍ مِّنِّىْ ؟

کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے جدھر دیکھ رہے ہو؟

"میری طرف توجہ کرو لے ابن آدم! مجھ سے کوئی بہتر نہیں"۔

(روح البیان صلاک جلد۲)

سبحان اللہ! کیا ہی پیارا خطاب ہے۔ اور بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والے کے لئے اس میں کس قدر عبرت و سبق موجود ہے۔ میرے بھائیو۔ نمازی ایک بہت بڑی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ احکم الحاکمین کے حضور کھڑا ہوتا ہے۔ ذرا انصاف تو کیجئے۔ کہ کسی دنیوی چھوٹے سے حاکم کے سامنے کھڑا ہونے وقت آدمی کس قدر متواضع اور ادب کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر جو سارے حاکموں کا حاکم اور سب کا خالق و مالک ہو۔ اس کے سامنے آدمی کھڑا ہو اور اس کا دل حاضر نہ ہو۔ اور اس بارگاہ کی عظمت و جلالیت کا لحاظ نہ ہو تو کتنی بڑی غفلت ہے۔

تماشہ؟ میرے بھائیو! اتنی بڑی بارگاہ میں حاضر ہوتے وقت بعض لوگوں کا تماشہ دیکھئے۔ کہ اول تو اذان سن کر مسجد میں آئیں گے ہی نہیں۔ اور یہی سوچتے رہیں گے۔ کہ ابھی کافی وقت ہے۔ چل کر نماز پڑھ لیں گے۔ پھر اگر دکان سے اٹھے بھی تو اگر ننگے سر ہیں۔ تو کچھ پروا نہیں۔ مسجد میں آئے۔ جھٹ پٹ وضو کیا۔ اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے، اور قمیص کی پچھلی جانب کا کنارہ پیچھے سے الٹایا۔ اٹھایا۔ اور سر پر ڈال لیا۔ گویا عمامے اور ٹوپی کا کام قمیص کے پچھلے حصہ کے کنارہ سے لے لیا۔ اور سر ڈھانپ لیا۔ سر ڈھانپ لیا اور پیٹھ ننگی کر لی۔ اور ایک ایسی ہیئت سے کھڑے ہو گئے۔ کہ دیکھنے والا نمازی تو کیا سمجھے گا۔ بلکہ اگر کوئی بچہ دیکھے۔ تو ڈر ہی جائے۔ کہ خدا جانے یہ کیا بلا کھڑی ہے۔ کیوں میاں کبھی اس ہیئت سے کچہری میں کسی مجسٹریٹ کے سامنے بھی حاضر ہو سکتے ہو؟ توبہ! دھکے دے کر نکلوا دیا جائے گا۔ اور ہونا بھی ایسا چاہیئے کہ آداب عدالت کے یہ ہیئت خلاف ہے۔ تو میرے بھائیو کیا دربار الٰہی کو بھی کوئی تماشہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ جس شکل میں بھی جاؤ۔ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور کسی اہتمام کی تمہیں ضرورت نہیں۔

بھائیو! نماز کو کوئی معمولی بات نہ سمجھو۔ اور یونہی بغیر خشوع کے پڑھ لینے کی عادت نہ ڈالو۔ بلکہ اسے خشوع کے ساتھ پڑھو۔ افسوس کہ آجکل

نماز کی اہمیت پیش نظر نہیں رہی۔ اور آج صورت یہ ہے۔ کہ بظاہر ہم نماز کے اندر ہوتے ہیں۔ مگر دل ہمارا کہیں اور طرف لگا ہوتا ہے۔

لطیفہ

چنانچہ ایک لطیفہ ہے۔ کہ ایک دوکاندار عشاء کے وقت مسجد میں آیا۔ تو اُسے معلوم ہوا۔ کہ جماعت ہوگئی ہے وہ رونے لگا۔ اور بڑا افسوس کرنے لگا۔ لوگوں نے سمجھا۔ کہ یہ کوئی بڑا ہی پکا مسلمان ہے۔ جو جماعت سے رہ جانے پر رونے لگا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے ان کی اس بات پر تعریف کی۔ تو وہ بولا۔ کہ بھئی! بات دراصل یہ ہے۔ کہ میں دکاندار ہوں۔ رات کو جماعت کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں۔ تو سورۃ فاتحہ چونکہ امام ہی کو پڑھنا ہوتی ہے۔ اس لئے میں پیچھے آرام سے دکان کی دن بھر کی بکری کا حساب کر لیتا ہوں۔ مگر آج جماعت رہ گئی ہے۔ اور میں روتا اس لئے ہوں۔ کہ آج مجھے سورۃ فاتحہ خود پڑھنی پڑے گی۔ اور حساب کرنا رہ جائے گا۔ دیکھا آپ نے؟ کہ نماز میں دکان کا حساب ہو رہا ہے۔ خدا اپنا فضل فرمائے۔ اور نماز میں خشوع پیدا کرنے کی توفیق دے۔

میرے بزرگو! اس بات سے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ چلو اب جبکہ ہم ایسی نماز پڑھ ہی نہیں سکتے۔ تو پھر نماز پڑھنا ہی بیکار ہے۔ اب جبکہ ہم روح اور خشوع والی نماز پڑھ سکیں گے۔ اسی وقت نماز پڑھیں گے۔ ان نمازوں کا کیا پڑھنا۔ میرے بھائیو! اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں۔ کہ تم یہ نمازیں اب چھوڑ ہی دو۔ بھائیو! یہ ہماری نمازیں ٹوٹی پھوٹی جیسی بھی ہیں۔ ان سے فرض تو ادا ہو ہی جاتا ہے۔ اور اگر تم یہ نمازیں چھوڑ دوگے۔ تو پھر ان خشوع والی نمازوں تک کیسے پہنچ سکوگے۔ دیکھئے جو شخص فنِ کتابت میں ماہر اور بہترین خوشنویس ہو۔ وہ ابتداءً ہی تو خوشنویس نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلے پہلے وہ ٹوٹے پھوٹے حروف لکھتا ہے۔ اور مشق کرتا رہتا ہے۔ پھر کہیں جا کر اعلےٰ خوشنویس بنتا ہے۔ اور اگر وہ یوں کہنے لگے۔ کہ چھوڑو صاحب اس ابتدائی کتابت کو۔ یہ ٹوٹے

چھوٹے حروف لکھنے کا کیا فائدہ۔ ہم تو اسی وقت لکھنا شروع کریں گے جبکہ دین محمد کاتب جیسا لکھ سکیں گے۔ تو بھائیو! اُسے سب یہی کہیں گے کہ بھئی! دین محمد کاتب کے مرتبے تک تم اسی وقت پہنچ سکو گے۔ جبکہ ان ابتدائی ٹوٹے پھوٹے حروف میں تم ہر روز مشق کرتے رہو گے۔ اگر انہیں حروف کو لکھنا تم نے چھوڑ دیا۔ تو اوپر تک بھی نہیں پہنچ سکو گے۔ میرے بزرگو! اسی طرح تم اپنی انہیں ٹوٹی پھوٹی نمازوں میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اور انشاء اللہ جبکہ تم اس ارادہ سے نماز پڑھتے رہو گے۔ تو بزرگوں کی نمازوں جیسی نمازیں بھی پڑھنے لگو گے۔ بھائیو! کوشش جاری رکھو۔ اور نماز باقاعدہ پڑھتے رہو۔

دل کی نماز

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو!! آجکل بہت سے گمراہ یوں بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ چھوڑو صاحب اس ظاہری نماز کو۔ ہم تو دل کی نماز پڑھتے ہیں۔ ہمیں دل کی نماز کافی ہے۔

دوستو! ایسے لوگوں کے جواب میں میں یہ کہا کرتا ہوں۔ کہ ایک جوان آدمی اگر پاجامہ اتار کر اور ننگا ہو کر بازار میں نکل آئے۔ اور آپ اُسے ڈانٹیں۔ کہ بیوقوف! یہ کیا حرکت ہے۔ پاجامہ اتار کر کیوں باہر نکل آئے جاؤ جا کر پاجامہ پہن کر آؤ۔ تو وہ جواب یہ دے۔ کہ چھوڑیئے صاحب! اس لٹھے کے پاجامے کو دل کا پاجامہ کافی ہے۔ تو کیوں صاحب! کیا آپ یہ بات اس کی مان لیں گے۔ یا یہ کہیں گے۔ کہ دل کا پاجامہ رکھیے اپنے پاس۔ اور باہر نکلنا ہے۔ تو لٹھے کا پاجامہ پہن کر نکلو۔ بھائیو! اسی طرح کل قیامت کو اگر خدا نے نماز کا پوچھا۔ اور کسی گمراہ نے وہاں بھی یہی جواب دیا۔ کہ الٰہی! میں تو دل کی نماز پڑھتا رہا ہوں۔ تو خدا یہی فرمائے گا۔ کہ دل کی نماز رکھ اپنے پاس۔ اور مجھے تو وہ نماز دکھا۔ جو کالی کملی والے نے پڑھی تھی۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

اندر سے

اسی طرح بعض لوگ یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ صاحب چھوڑیئے داڑھی وڈھی نماز روزہ کے قصوں کو۔ اندر سے

مسلمان ہونا چاہیئے۔ رمضان شریف کا مہینہ ہے۔ ماڈرن مسلمان ہے۔ اور سامنے کھانا رکھا ہے۔ اور دوپہر کے وقت کھانا بھی کھایا جا رہا ہے۔ اور بڑے زور شور سے یہ مصرعہ بھی پڑھا جا رہا ہے۔ کہ

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

گویا اس عمل سے جو رمضان شریف میں دوپہر کے وقت جاری ہے استغفر اللہ! یہ ہے اندر سے مسلمان ہونے کی نشانی۔ یعنی باہر چاہے اسلام کا کوئی نشان نہ ہو۔ کچھ پرواہ نہیں۔ اندر سے وہ مسلمان ہی ہیں۔ اور اندر سب کچھ ہے۔

بغیر ایڈریس کے

بہت عرصہ کی بات ہے۔ راولپنڈی کے زمانہ قیام میں ایک پوسٹ ماسٹر صاحب سے داڑھی کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ پوسٹ ماسٹر صاحب بھی جو بالکل "ماڈرن خیال" کے تھے۔ یہی کہتے تھے کہ حضور شیخ صاحب اس ظاہری داڑھی کو اندر ہونا چاہیئے۔ میں نے اُن سے کہا۔ کہ آپ پوسٹ ماسٹر ہیں۔ آپ ہی کے متعلق ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ دیکھئے ایک شخص اپنے کسی عزیز کو خط لکھ کر لفافہ کے اندر بند کر کے لفافہ کے اوپر ایڈریس نہ لکھے۔ اور یونہی بغیر ایڈریس کے لفافہ بھیجنا چاہیئے تو وہ لفافہ جب آپ کے سامنے آئے۔ تو آپ اس سے پوچھیں۔ کہ بھئی! اس کے اوپر کوئی ایڈریس کیوں نہیں لکھا۔ تو وہ جواب دے۔ کہ حضور شیخ صاحب اس ظاہری ایڈریس کو۔ میں نے اندر سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تو فرمائیے آپ اُسے کیا جواب دیں گے؟ پوسٹ ماسٹر صاحب کھسیانے ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ داڑھی تو پھر ایڈریس ہوئی نا؟ اگر یہی بات ہے تو پھر سکھوں کا ایڈریس کیا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ کہ انہوں نے لفافہ پر ساری دوات ہی انڈیل رکھی ہے۔ جس سے سارا لفافہ ہی سیاہ ہو گیا ہے۔ مگر منزل مقصود تک نہ تو ایسا لفافہ پہنچ سکتا ہے جو دوات انڈیل دینے سے سارا سیاہ ہو چکا ہو۔ اور نہ ایسا جس پر کچھ بھی نہ لکھا ہو۔ منزل مقصود پر وہی پہنچے گا۔ جس پر خوشنما اور صاف ستھرا پتہ لکھا ہوا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق قبضہ بھر داڑھی ہو۔ لبیں پست ہوں۔ یہ ہے مکمل اور صاف ستھرا مبارک نقشہ۔ جس سے منزل کا پتہ چل سکتا ہے۔

ہاں تو بھائیو! نماز وہی مقبول ہے۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ یہ دل کی نماز۔ اور اندر کی نماز وغیرہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔

بزرگوں کی نماز

آیئے آپ کو بزرگوں کی پُر خشوع نماز کی تصویر دکھائیں آپ بیان سنئے اور کوشش کیجئے۔ کہ ہماری نمازیں بھی ایسی ہی ہوں۔ حضرت حاتمؒ اصم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور! آپ نماز کیسے پڑھتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ جب نماز کا وقت آتا ہے۔ تو میں ظاہر کا وضور کرتا ہوں۔ اور باطن کا وضور بھی کرتا ہوں۔ ظاہر کا وضور پانی سے اور باطن کا وضور توبہ کے پانی سے۔ اور پھر مسجد میں داخل ہوتا ہوں۔ اور کعبہ شریف کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ اور مقام ابراہیم کو دونوں ابرو کے درمیان رکھتا ہوں۔ اور بہشت کو اپنی دہنی طرف اور دوزخ کو بائیں طرف۔ پل صراط کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا ہوں۔ اور ملک الموت کو پشت کے پیچھے خیال کرتا ہوں۔ اور دل کو خدا کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ پھر بڑی تعظیم کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں۔ اور بڑی حرمت کے ساتھ قیام کرتا ہوں۔ اور بڑی ہیبت و شوکت سے قرأتِ قرآن کرتا ہوں اور بڑی عاجزی کے ساتھ رکوع میں جاتا ہوں۔ اور نہایت عاجزی کیساتھ سجدہ بجا لاتا ہوں۔ اور بہت حلم و بردباری کے ساتھ قعدے میں بیٹھتا ہوں۔ اور نہایت شکر گزاری کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں۔ میں اس طرح نماز پڑھتا ہوں۔ (تذکرۃ الاولیا و صـ۳۰۲)

سبحان اللہ! کیا شانِ نماز ہے۔ واقعی یہ ہے نماز کی مکمل تصویر، کوشش کیجئے۔ کہ ہمیں بھی یہ مقام حاصل ہو۔ اور کوشش کرنے سے کیا نہیں ملتا۔ ؎ کوشش کرے انساں تو کیا ہو نہیں سکتا!

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔

حضرات! خدا تعالیٰ نے پھر ان فوز و فلاح پانے والوں کی یہ نشانی بھی بتائی ہے۔ کہ یہ لوگ کسی لغو اور بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور یاوہ گوئی و بکواس سے محفوظ رہتے ہیں۔ میرے بھائیو! لغویات میں مشغول رہنا سچے مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔

لغو

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے امام قشیری علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا ہے کہ :-

"ہر آنچہ از خدا باز دارد سہو است۔ و آنچہ بندہ را دراں حظّے باشد لہو است، و آنچہ از خدا نہ بود لغو است، و حقیقت آنست کہ لغو چیزے را گویند از اقوال و افعال کہ ہیچ کار نیاید۔" (روح البیان صـ۱۳۷ جلد ۲)

(ترجمہ) "جو چیز خدا سے باز رکھے وہ سہو ہے۔ جس چیز میں بندے کو حظِّ نفس حاصل ہو۔ وہ لہو ہے۔ اور جو چیز خدا کی طرف سے نہ ہو۔ وہ لغو ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ لغو ہر ایسی بات اور ہر ایسے کام کو کہتے ہیں۔ جو کسی کام نہ آئے۔"

بھائیو! اب دیکھ لو۔ کہ آج کل سہو۔ لہو اور لغو عام ہے۔ ذکر خدا سے روک دینے والی اور نفس کو خوش کرنے والی اور کسی کام نہ آنے والی باتیں پھیل چکی ہیں۔ یہ سینما۔ تھیٹر، ناچ گانے۔ ڈانس۔ ڈرنک۔ ڈنر وغیرہ بٹیر بازی۔ تاش بازی۔ کنکوے بازی۔ وغیرہ وغیرہ جس قدر بھی چیزیں ہیں۔ سب سہو و لہو اور لغو ہیں۔ افسوس! کہ آج ان لغویات کی بہتات ہے۔ ذکرِ خدا کی مجلسوں سے تو اعراض ہے۔ اور ایسی مجلسیں جو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دینے والی ہیں۔ ان کی طرف میلان و رجوع ہے۔

لہو الحدیث

حضرات! خدا تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (پ ۲۱ سورۃ لقمان) — اور ایک وہ لوگ ہیں جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے۔ تا کہ بھٹکائیں اللہ کی راہ سے بے سمجھے۔ اور اُسے ہنسی بنائیں۔ ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے ؛

اس آیت کریمہ کی شرح میں مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص نضر بن حارث عراق کی طرف سوداگری کے لئے جایا کرتا تھا۔ اور وہاں سے کبھی گانے والی لونڈیاں خرید لاتا۔ کبھی رستم و اسفندیار کے قصے کی کتابیں لے آتا۔ اور مکہ معظمہ میں واپس آکر فسانہ گوئی اور رقص و سرود کی مجلسیں قائم کرتا۔ اور لوگوں کو اس میں شریک ہونے کی دعوت دیا کرتا تھا۔ مقصد اس کا یہ تھا۔ کہ لوگوں کو قرآن حکیم کے مواعظ و حکم سننے سے باز رکھے۔ اور انہیں اپنی ناچ گانوں میں مشغول رکھے۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس کے ان افسانوں اور ناچ گانوں کو لھو الحدیث فرمایا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا — اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں۔ تو تکبر کرتا ہوا پھرے۔ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔ جیسے اس کے کانوں میں ٹینٹ ہے :

میرے بھائیو! ان آیات کو سنو پڑھو اور سمجھو۔ کہ آج کل کے یہ ڈرامے۔ کھیل تماشے۔ اور ناچ گانے وغیرہ جملہ مشاغل ایسے ہیں یا نہیں۔ جو خدا سے غافل کر دینے والے اور قرآن کی آیات سے پھرا دینے والے ہیں بھائیو! ذرا سوچو تو کہ اس شیطان خبیث نے کس طرح اپنا داؤ چلایا ہے۔ اور یہ کیسے کیسے رنگ میں ہمیں پھانسنا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

یعنی شیطان اُن کے بد اعمال کو مزین و خوبصورت بنا کر ان کے آگے

پیش کرتا ہے! دیکھ لیجئے۔ وہ ان لغویات پر تہذیب و ثقافت کا لیبل لگا کر لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اس کے داؤ میں آجانے والے ان لغویات ہی کے فروغ میں دن رات مشغول ہیں۔ اور جو ان باتوں سے بچتا ہے اسے رجعت پسند اور ملا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بھائیو! ذرا سوچو تو کہ تم کیا تھے اور کیا بن گئے۔ تم تو غازی تھے۔ تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ تم نے بجائے شمشیر کے ہاتھ میں ہاکی پکڑ لی۔ اور بجائے قرآن کے شکسپیر کے ناول اپنا لئے اور بجائے مسجد کے کلب میں گھس گئے۔ اور بجائے تلاوت و نماز کے ناچ اور گانے اختیار کرلئے۔ اقبال نے سچا ہی رونا رویا ہے کہ ؎

وائے قومے کشتۂ تدبیرِ غیر
کارِ او تخریبِ خود تعمیرِ غیر

ہائے اس قوم کو کیا ہو گیا۔ جو غیر کے داؤ میں آگئی۔ اور جس نے دوسروں کی تہذیب کو چمکانے کی خاطر اپنا دین و مذہب بگاڑ دیا۔ بھائیو! اس نئی تہذیب کی ظاہری چمک دمک کی طرف نہ جاؤ۔ اس کا باطن دیکھو بڑا ہی گندا اور سیاہ ہے۔ اور اس کی مثال چاندی کی سی ہے۔ کہ ؎

ظاہرِ نقرہ گر اسپید است و نو
دست و جامہ ہم سیہ گردد ازو

چاندی کا ظاہر تو سفید ہے۔ مگر اس کے استعمال سے ہاتھ اور کپڑے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ بھائیو! تہذیبِ نو کی سرخی و پوڈر سے ظاہر تو چمک اٹھتا ہے۔ مگر باطن سیاہ ہو جاتا ہے۔ افسوس ہم اس تہذیب کو اپنا کر لغویات میں پھنس گئے۔ اور شیطان کے داؤ سے غافل ہو گئے۔

مثنوی شریف کا ایک قصہ

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک غافل کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ سابق زمانے میں ایک شخص منڈی سے قربانی کے لئے اونٹ خرید کر گھر لا رہا تھا۔ اونٹ کے گلے میں ایک لمبی سی رسی ڈال کر اس کا ایک سرا پکڑ کر ہاتھ میں لئے اور خود اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ایک چور نے دیکھا۔

تو اس نے کمال صفائی کے ساتھ رسی کو درمیان سے کاٹ لیا۔ اور دنبہ کو لے کر چلتا بنا۔ (منظوم اردو ترجمہ) سہ

لے گیا دنبہ اچک کر بے حیا
منہ اٹھائے سادہ دل چلتا رہا

وہ بے خبر رسی کا سرا پکڑے چلتا ہی رہا۔ اسے کچھ پتہ نہ چلا۔ کہ رسی کو درمیان سے کاٹ کر چور میرا دنبہ لے گیا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو پتہ چلا۔ کہ دنبہ تو چرا لیا گیا ہے۔ تو پھر وہ پیچھے کی طرف مڑا۔ اور سہ

اس کے قدموں کے نشانوں پر چلا
اک کنوئیں پہ چور کو پایا کھڑا
رو رہا تھا اس قدر وہ زار زار
بندھ گیا تھا ہچکیوں کا ایک تار

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ جب وہ اپنے دنبہ کی تلاش میں پیچھے پلٹا۔ تو اُسے ایک کنوئیں پر ایک شخص روتا ہوا نظر آیا۔ جسے دیکھ کر اُسے بڑا رحم آیا اور اس سے پوچھا۔ کہ بھئی! تم کیوں روتے ہو۔ تو وہ بولا۔ ارے یار! کیا بتاؤں۔ میرے بٹوے میں پانچ سو روپے تھے۔ وہ بٹوہ اس کنوئیں میں گر گیا ہے۔ سہ

کوئی غوطہ زن نکالے اس کو گر!
اس کو میں دیدوں گا بیشک نصف زر

جو شخص مجھے کنوئیں سے وہ بٹوہ نکال دے گا۔ میں اُسے اڑھائی سو (۲۵۰) روپے دے دوں گا۔ یہ سن کر اس نے دل میں سوچا کہ سہ

بعد مدت کے مری قسمت کھلی
ایک کی جا آئیں گے دنبے کئی

یہ سوچا۔ اور پھر سہ

اپنے جوتوں اور کپڑوں کو اتار

کنوئیں میں اترا ہوا مصروفِ کار

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ وہ رونے والا شخص وہی دنبہ کا چور تھا۔ اور ؎

پا کے موقعہ چور کپڑوں کو اٹھا
دنبہ بھی کپڑے بھی لے کر چل دیا

اب جو وہ شخص کنوئیں میں جوہر نہ پاکر باہر نکلا۔ تو دیکھا۔ کہ اس کے کپڑے بھی غائب ہیں۔ اور وہ دنبے کے ساتھ ساتھ کپڑوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

بھائیو! کچھ یہی حال شیطان بھی کر رہا ہے۔ کہ غفلت شعار لوگوں کو غافل پاکر ان کے دین و مذہب کو لے اڑتا ہے۔ پھر ترقی و عروج کا لالچ دے کر تہذیب نو کے مغربی کنوئیں میں ننگا کر کے اتار دیتا ہے۔ اور غافل لوگ اس کنوئیں میں اتر کر خوش ہوتے ہیں۔ کہ ہم اس میں سے بہت کچھ پالیں گے۔ مگر انہیں کوئی خبر نہیں کہ شیطان نے ان کے دین و مذہب کے ساتھ ساتھ ان کے کپڑے تک بھی اتار لئے ہیں۔ اور ان لغویات کی بدولت ان کی دولت بھی اڑا لی ہے۔

لغو گانے اور گیت

میرے بھائیو! ان لغویات میں سے یہ لغو گانے اور گیت بھی ہیں۔ یہ فلمی گیت اور ڈھولک کے گانے سب واہیات و لغویات ہیں۔ ذرا بیاہ شادیوں میں ان مسلمان عورتوں کو دیکھئے۔ جنہیں یہ لغو گیت اس طرح از بر یاد ہوتے ہیں۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ آجکل کے ماڈرن مسلمانوں کو مجال ہے۔ جو قرآن پاک کی کوئی آیت یاد ہو۔ ہاں فلمی گانے خوب یاد ہوں گے۔ ؎

لگا یادِ خدا میں دل ترا نہ ٭ مگر ہاں یاد ہے فلمی ترانہ

یہ حاجی حق حق کا شعر ہے۔ اسی نظم کا ان کا دوسرا شعر بھی خوب ہے لکھتے ہیں۔ ؎

نئی تہذیب کی گاڑی کو دیکھا ٭ نظر آیا ہر اک ڈبہ زنانہ

بھائیو! ان لغو گانوں سے پرہیز کرو۔ اور مرد بن کر اپنی عورتوں کو بھی ان لغویات سے روکو۔

دیوث میرے بزرگو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے گھر میں غیر شرع کام دیکھے۔ اور خاموش رہے۔ وہ دیوث ہے مگر افسوس کہ آج کل کی جوانمردی یہ رہ گئی ہے۔ کہ باہر نکلو۔ تو بڑی فوں فاں سے۔ غریبوں پر ظلم کرو۔ علماء پر رعب ڈالو۔ بزرگوں کو کوسو۔ مگر گھر جاؤ۔ تو بھیگی بلی بن جاؤ۔

لطیفہ چنانچہ ایک لطیفہ مشہور ہے۔ کہ ایک ایسے ہی مغرور صاحب باہر نکلے۔ تو کڑک کڑک کر کہنے لگے۔ کہ میں یہ کردوں گا۔ وہ کر دوں گا۔ اور جب گھر گئے۔ تو بیوی اُن سے جھگڑنے لگی۔ اور یہ بچارے عاجز آکر کہنے لگے۔

یا اللہ یا تو مجھے اٹھالے۔ یا .....

بیوی نے جھٹ لٹھ اٹھایا۔ اور کڑک کے کہنے لگی۔

اور یا ؟ .... وہ بولے

یا بھی مجھی کو اٹھالے۔

بھائیو! گھر میں اپنا رعب رکھو۔ خود بھی شریعت کے پابند بنو۔ اور اپنی عورتوں کو بھی شریعت کا پابند بناؤ۔ خوب یاد رکھو۔ تم اللہ اور اس کے رسول کے بن جاؤ گے۔ تو تمہارا رعب و دبدبہ بنا رہے گا۔ اور اگر تم پابندی شریعت سے آزاد ہو گئے۔ تو پھر تمہارے اپنے بھی تمہاری نہیں مانیں گے۔ حقیقت یہی ہے کہ سه

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ

حضرات! پھر آگے اللہ تعالیٰ نے ان فوز و فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے۔ کہ وہ لوگ زکوٰۃ دینے کا کام کرتے ہیں۔ یعنی زکوٰۃ دینے کے پابند ہیں۔ میرے بھائیو! یہ دولت اللہ کی ایک نعمت ہے، مگر نعمت اسی حالت میں ہوگی۔ جبکہ اُسے اللہ اور اس کے رسول صلی

اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق خرچ کیا جائے گا۔ خدا تعالے ارشاد فرماتا ہے :۔

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (پ۲۶ ع۱۸)

"اور ان کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے نیک بندوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ ان کے مالوں سے منگتوں اور بے نصیبوں کا بھی حصہ تھا۔ اور وہ ان کا حصہ انہیں دیتے رہے۔ گویا نیکی یہ ہے۔ کہ اپنے مال سے مستحقین کا حصہ نکالا جائے۔ اور جو لوگ دولت پر سانپ بن کر بیٹھے رہتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ وہ بہت بڑے مجرم اور عذاب کے مستحق ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔ (پ۱۰ ع۱۱) "اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں خوشخبری سنا دو دردناک عذاب کی جس دن وہ تپایا جائے گا۔ جہنم کی آگ میں۔ پھر اس سے داغا جائے گا۔ ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا۔ اب چکھو مزا اس جوڑنے کا"

میرے بھائیو! یہ ہے انجام بخل اور امساک کا۔ جو لوگ مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ ان کے لئے یہ مال نعمت نہیں۔ زحمت و عذاب ہے۔

قارون کا قصہ

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! قرآن پاک میں قارون کا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔ یہ بہت بڑا رئیس اور امیر تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاٰتَیْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ۔ (پ۲ع ۱۱) اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں۔

اللہ اکبر! کس قدر امیر تھا قارون۔ کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں اتنی زیادہ تھیں۔ کہ ایک زور دار پوری جماعت بھی ان کنجیوں کو اٹھا نہ سکتی تھی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ قارون سے کہا گیا۔ کہ:۔

اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ۔ احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔

تو قارون نے جواب یہ دیا۔ کہ:۔

اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ۔ یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے۔ جو میرے پاس ہے۔

یعنی یہ جس قدر مال ہے۔ یہ تو میرا اپنا پیدا کردہ ہے۔ میرا اپنا کمال ہے۔ میں اس میں سے کسی کو کچھ کیوں دوں؟

بہتان

مفسرین کرام علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو جب زکوٰۃ دینے کا حکم دیا۔ تو وہ زکوٰۃ دینے پر راضی نہ ہوا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخت دشمن بن گیا۔ حتیٰ کہ اس نے ایک بدچلن عورت کو ایک ہزار اشرفی دینے کا وعدہ کرکے اُسے اس امر پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ بھرے مجمع میں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہتان باندھے۔ اور تہمت لگائے۔ کہ حضرت نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) مجھ سے بدکاری کی ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس عورت کی گود

میں ایک دودھ پیتا بچہ بھی تھا۔ چنانچہ ایک روز بھرے مجمع میں جبکہ حضرت موسٰے علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے۔ اُس بدکار عورت نے قارون کے کہنے کے مطابق کہہ دیا۔ کہ لوگو! یہ دیکھو میری گود میں جو بچہ ہے۔ یہ موسٰی کا ہے۔ (معاذ اللہ) اتنا کہنا تھا۔ کہ سارے مجمع میں ایک شور برپا ہو گیا۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام نے اُس عورت کو آگے بلایا۔ اور اس کی گود میں جو بچہ تھا۔ اس کے پیٹ پر اپنی انگلی رکھی۔ اور فرمایا سہ

حق بیاں کر دے زباں کو کھول تو
ہے یہ میرا حکم بچے! بول تو

حضرت موسٰی علیہ السلام نے جب یہ حکم اس بچے کو دیا۔ تو خدا تعالیٰ کی قدرت اور موسٰی علیہ السلام کا اعجاز دیکھئے۔ کہ وہ شیر خوار بچہ بولنے لگا اور پکار اٹھا کہ سہ

میری ماں جھوٹی ہے سچ کہتی نہیں
حضرتِ موسٰی ہیں سچے بالیقین
ہے شرارت ساری یہ قارون کی
اور موسٰے تو خدا کے ہیں نبی

سبحان اللہ! شیر خوار بچہ بولنے لگا۔ اور اللہ کے معصوم نبی کی عصمت کی گواہی دینے لگا۔ بھائیو جب یہ اعجاز ظاہر ہوا۔ تو حضرت موسٰی علیہ السلام جلال میں آ گئے۔ اور قارون کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا ملعون! تیری شرارت ظاہر ہو چکی۔ اب اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جا۔ پھر حضرت نے سارے لوگوں سے فرمایا۔ کہ تم میں سے جو قارون کا ساتھی ہو۔ وہ اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ اور جو میرے ساتھی ہیں۔ وہ میری طرف ہو جائیں۔ چنانچہ سب لوگ قارون سے جدا ہو گئے۔ صرف دو شخص اس کے ساتھ رہ گئے۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے زمین سے خطاب فرمایا۔ اور جلال آمیز لہجہ میں اسے حکم فرمایا۔ کہ اے زمین! پکڑ لے (۳۰) مردود کو۔ زمین نے یہ حکم پا کر قارون کو اپنے اندر

دھنسا لیا۔ اور وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ اب جو اس نے اپنی یہ حالت دیکھی۔ تو منت و سماجت کرنے لگا۔ مگر حضرت نے معاف نہ فرمایا۔ اور زمین سے فرمایا۔ خبردار! ملعون رہا ہونے نہ پائے۔ چنانچہ پھر وہ کمر تک اور پھر گردن تک زمین میں دھنس گیا۔ اور اس کے بعد سر بھی اس کا غائب ہو گیا۔ اور خدا نے فرمایا۔ کہ

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ۔ "ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا"

بھائیو! دیکھا آپ نے زکوٰۃ نہ دینے کا انجام۔ اور اس مال و دولت سے دلی محبت کا ہولناک نتیجہ۔ خوب یاد رکھو۔ کہ یہ مال و دولت اللہ کی نعمت ہے۔ مگر اسی وقت تک جب تک کہ اس کی محبت دل میں نہ دھنس جائے۔

کشتی اور پانی اس کی مثال کشتی اور پانی کی سی ہے۔ دیکھئے پانی نہ ہو تو کشتی تیر نہیں سکتی۔ مگر یہ پانی کشتی کے لئے اسی وقت تک رحمت ہے۔ جب تک کہ وہ کشتی سے باہر باہر رہے اور اگر یہی پانی کشتی کے اندر گھس جائے۔ تو پھر بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا ہے۔ اور بجائے تیرانے کے اُسے لے ڈوبتا ہے۔ اسی طرح مال جب تک کہ انسان کے دل سے باہر باہر رہے۔ تو اس کے لئے رحمت و نعمت ہے۔ اور اگر یہی مال اس کے دل میں سما جائے۔ یعنی اس کی محبت دل میں کچھ ایسی پیدا ہو جائے۔ کہ حقوق اللہ و حقوق العباد دبانے لگے۔ تو یہی مال اُسے لے ڈوبتا ہے۔ جیسے کہ قارون کو لے ڈوبا۔

بھائیو! خبردار! اپنی دولت کو قارونی دولت نہ بنانا۔ خدا نے اگر دیا ہے۔ تو اس میں سے فی سبیل اللہ خرچ بھی کرو۔ اخروی نجات، اور فوز و فلاح کے لئے ضروری ہے۔ کہ آپ زکوٰۃ دینے کے بھی پابند ہوں۔

ایک شیر خوار بچہ حضرات! آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنا۔

کہ کس طرح آپ نے ایک شیر خوار بچے کے پیٹ پر انگلی مبارک رکھی۔ اور وہ فصاحت کے ساتھ بولنے لگا۔ ایسا ہی ایک واقعہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے متعلق بھی ہے۔ جسے مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں لکھا ہے۔

ایک مشرکہ عورت جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے کوئی معجزہ طلب کرنے حضور کی خدمت میں آئی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ جس وقت وہ حضور کی خدمت میں پہنچی۔ تو اس کے بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا۔ اور بڑی فصاحت سے بولنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ ؎

گفت کودک سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْکُ
یَا رَسُوْلَ اللہ قَدْ جِئْنَا اِلَیْکُ

لڑکے نے کہا۔ یا رسول اللہ! اللہ آپ پر
سلام بھیجے۔ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں

عورت نے جو اپنے بچے کو کلام کرتے دیکھا۔ تو حیران رہ گئی۔ اور لڑکے سے کہنے لگی۔ بیٹا! تمہیں کس نے بتایا۔ کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور تم بولنے کیسے لگے؟ تو لڑکے نے جواب دیا۔ اے میری ماں! خدا تجھے بھی وہ آنکھیں دے۔ جو اس نے مجھے بخشی ہیں۔ تو ذرا سر اٹھا کر وہ دیکھ جبریل میرے سر پر کھڑے مجھے یہ سبق دے رہے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ و سلم نے اس بچے سے دریافت فرمایا۔ کہ تمہارا نام کیا ہے۔ تو وہ بولا کہ ؎

عبد عزّیٰ پیش ایں یکمشت حیز
لیک نامم پیشِ حق عبد العزیز

یعنی یا رسول اللہ! اس میری ماں نے تو میرا نام
"عبدِ عزّیٰ" رکھا ہے۔ مگر اللہ کے نزدیک میں عبدالعزیز ہوں۔

اس عورت نے جو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کا معجزہ ہی دیکھنے آئی

تھی۔ اپنی ہی گود سے حضور کا یہ اعجاز دیکھ کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی۔ میرے بھائیو! ایک وہ بچے بھی تھے۔ جو حضور کو پہچانتے تھے۔ اور ایک آج کل بڑی بڑی عمروں والے بھی ہیں۔ جنہیں کچھ بھی عرفان حاصل نہیں۔ اور جن کی عمریں جہالت ہی میں گزر گئی ہیں۔ آج کل کسی بڑی عمر والے سے نماز تو سن کر دیکھئے۔ اول تو آئے گی ہی نہیں۔ اور اگر آ بھی گئی۔ تو کئی غلطیاں ہوں گی۔

لطیفہ

یہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ یہ ایک بڑے میاں کا واقعہ ہے۔ جو مجھے میرے ایک دوست نے سنایا تھا۔ اس نے بتایا۔ کہ میرے دانت میں درد تھی۔ اور ایک بڑے میاں میرے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ تم ہر روز بلا ناغہ "بکواس" کیا کرو۔ پھر خدا نے چاہا۔ تو دانت کی درد جاتی رہے گی۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔ کہ بکواس کیا کروں؟ تو بولے ہاں ہاں بکواس کیا کرو۔ مجھے دیکھو۔ میں خدا کی مہربانی سے ہر وضو کے ساتھ بلا ناغہ کیا کرتا ہوں۔ کیوں صاحب! کچھ سمجھے آپ کہ بڑے میاں کا مطلب کیا تھا؟ بڑے میاں "مسواک" کا ارشاد فرما رہے تھے۔ مگر یہ جہالت کا کرشمہ تھا۔ کہ مسواک کو بکواس کہہ رہے تھے۔ میرے دوستو! اسی طرح کئی حضرات نماز پڑھتے ہیں۔ مگر الفاظ غلط سلط ادا کرتے ہیں۔ بھائیو! دینی علم حاصل کرو۔ اور ضروری باتیں یاد کرو۔ اور برائے نام مسلمان نہ بنو۔

یوسف علیہ السلام کا گواہ

دوستو! ایک اور بھی واقعہ سن لو۔ یہ واقعہ بھی ایک شیر خوار بچے ہی کا ہے۔ یہ بچہ وہ ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت کی گواہی دی تھی۔ زلیخا نے جب آپ کا غلط نیت سے تعاقب کیا۔ اور آپ کا دامن کھینچا تو سامنے سے عزیز مصر آ گیا۔ اور وہ یہ منظر دیکھ کر جب متعجب ہوا۔ تو زلیخا نے اپنی بریت کے لئے الٹا حضرت یوسف علیہ السلام کو ملزم بنانا چاہا۔ اور کہنے لگی۔ کہ یہ یوسف مجھ پر دست درازی کرنا چاہتے

تھے (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ کہ

—— شَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ اَهْلِهَا ——

زلیخا ہی کے ایک عزیز کے چھوٹے شیر خوار بچے نے ہنگھوڑے میں سے بول کر کہا۔ کہ یوسف علیہ السلام کی قمیص دیکھ لو۔ اگر وہ آگے سے پھٹی ہے۔ تو زلیخا سچی۔ اور اگر پیچھے سے پھٹی ہے۔ تو زلیخا جھوٹی۔ اور یوسف علیہ السلام سچے۔ چنانچہ قمیص کو دیکھا گیا۔ تو وہ پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر عزیز مصر پر صداقت و عصمت یوسف علیہ السلام ظاہر ہو گئی۔ اور زلیخا شرمندہ ہو گئی۔

وزارت حضرت یوسف علیہ السلام جب جیل میں رہنے کے بعد رہا ہوئے۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا۔ جب کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو مصر کی حکومت عطا فرما دی۔ تو جب آپ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے۔ تو خدا نے فرمایا۔ اے یوسف! تمہارے لئے ایک وزیر بھی ہونا چاہیئے۔ تم کل صبح شہر سے باہر نکل جانا۔ جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو۔ اُسے اپنا وزیر بنا لینا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام دوسرے روز شہر سے باہر نکلے۔ تو آپ نے سب سے پہلے ایک حسین و وجیہہ اور پاکیزہ رو نوجوان کو دیکھا۔ جو لکڑیوں کا گٹھ سر پر اٹھائے ہوئے شہر میں آ رہا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُسے دیکھا۔ تو حیران رہ گئے۔ کہ کیا یہی میرا وزیر بنیگا؟ اتنے میں جبریل نے آکر حکم الٰہی سنایا کہ ؎

اِس نوں تساں پچھیا تا ناہیں جے ایہہ حکم الٰہی
ایہہ اوہ بچہ وچہ پنگھوڑے دتی جس گواہی

اے یوسف! اسے پہچانا نہیں۔ یہ وہی لڑکا ہے۔ جس نے پنگھوڑے میں آپ کے حق میں گواہی دی تھی۔ ہم نے اسکے بدلے اس کے لئے تمہاری وزارت لکھ دی تھی۔ تمہارا یہی وزیر ہے۔

سبحان اللہ! کیا شانِ عطا ہے۔ اور کیسے خوش قسمت ہیں وہ

افراد جو نبوت کے طرفدار اور انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اور ان کے علوّ مراتب کے قائل ہیں۔ بھائیو! یہ اللہ کے نبی وہ ذواتِ مقدسہ ہیں کہ ان کی عصمت پر کوئی دست درازی کرنے لگے۔ تو قدرتِ حق جنبش میں آجاتی ہے۔ خبردار! نبوت کے باب میں کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ یہ مقام بڑا نازک ہے۔ اس باب میں ادب و تواضع ہی سے ایمان ملتا ہے۔ اور انانیت و دعوائے مماثلت سے ایمان جاتا رہتا ہے۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام

میرے بزرگو! اسی سلسلہ میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام جب بن باپ کے پیدا ہوئے۔ تو حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے کہا۔

يَامَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا۔ (پ ۱۶ رکوع ۵)

اے مریم تو نے بہت بری بات کی۔

اور کہنے لگے۔ اے مریم تیرا باپ تو ایسا نہ تھا۔ اور تمہاری ماں بھی تو بدکار نہ تھی۔ پھر تو نے یہ کیا کر دکھایا۔ کہ بغیر خاوند کے بچہ پیدا کر دکھایا۔ حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے جب اپنی عصمت پر اعتراض ہوتے دیکھا۔ تو

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ۔ مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔

یعنی مجھ سے نہ پوچھو۔ اس بچہ ہی سے پوچھ لو۔

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا۔ وہ بولے ہم کیسے بات کریں اس سے جو پالنے میں بچہ ہے؟

یعنی کیا ہم اس بچے سے جو ابھی ابھی پیدا ہوا ہے۔ بات کریں؟ حضرت مریم نے فرمایا۔ تم اس سے پوچھو تو سہی۔ چنانچہ حضرت عیسٰے علیہ السلام بول پڑے۔ اور

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا۔ فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ۔ اس نے مجھے کتاب دی۔ اور مجھے نبی کیا۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام نے صاف صاف فرما دیا۔ کہ خبردار! میری والدہ پر کسی قسم کی بدگمانی نہ کرنا۔ میں اللہ کا نبی ہوں۔ اور میری والدہ نبی کی ماں ہے۔ اور نبی اور اس کی ماں ہر قسم کی قباحت سے پاک ہے۔

نبی کا علم

حضرات! دیکھ لیجئے حضرت عیسٰے علیہ السلام نے سب سے پہلا جو کلام فرمایا۔ وہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ تھا۔ یعنی میں "اللہ کا بندہ ہوں"۔ گویا حضرت عیسٰے علیہ السلام کو علم تھا۔ کہ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہا جائے گا۔ اسی لئے حضرت عیسٰے علیہ السلام نے پہلے اپنی عبودیت کا اعلان فرما دیا۔ اور فرمایا میں نہ خدا ہوں اور نہ خدا کا بیٹا۔ بلکہ اللہ کا بندہ ہوں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے نبی کے علم کی بھی کہ پہلے ہی سب کچھ جانتے تھے۔ بھائیو! نبی کہتے ہی غیب کی خبر دینے والے کو ہیں۔ اور اگر کوئی شخص نبی کو "بیخبر" بتائے۔ اور یوں کہے کہ انہیں دیوار پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ تو وہ گویا نبی کو نبی ہی نہیں مانتا۔ یقین کیجئے۔ کہ نبی کو بے خبر بتانے والا خود ہی بڑے درجے کا بے خبر ہے۔ اور جو خبر والے ہیں۔ وہ یوں فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ؎

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

ہاں تو حضرت عیسٰے علیہ السلام نے بچپن ہی میں بول کر حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی عفت کی گواہی دی۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

میرے بھائیو! آیئے اپنے آقا و مولیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بے مثل عظمت کا بھی نظارہ کر لیجئے۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی پر اعتراض کیا گیا۔ تو اللہ نے ایک پتھر سے حضرت کی صداقت کی شہادت دلائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی ذات گرامی کو ملزم ٹھہرایا گیا۔ تو خدا تعالےٰ نے آپ کی صداقت کی گواہی بھی ایک بچہ سے دلائی۔ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی عفت کا اعلان بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام

سے بچپن ہی کرایا۔ اب آیئے حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف۔ آپ کے متعلق نہیں۔ بلکہ آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے بہتان باندھا۔ اور آپ کے متعلق غلط باتیں پھیلانا شروع کر دیں۔ تو یہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے رسول اور محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تھا اور حضور کی بیوی پر بہتان باندھا جا رہا تھا۔ اس لئے یہاں کسی اور سے گواہی نہیں دلائی جا رہی۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عصمت کی شہادت دی۔ اور سورۃ نور نازل فرما کر فرمایا کہ

وَلَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔ اور کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا۔ کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں۔ الٰہی! پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے "

اور پھر فرمایا۔ کہ

يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (پ۱۸ع۸)
اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے۔ کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا۔ اگر ایمان رکھتے ہو "

دیکھا آپ نے کہ محبوب کی باری آئی۔ تو خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کی بیوی کی عفت و طہارت کے متعلق خود اعلان فرما دیا۔ کہ یہ بہتان عظیم ہے۔ اور تاکید فرمائی۔ کہ خبردار! آئندہ کبھی ایسا نہ کہنا۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی۔ کہ آپ کی عفت کا شاہد خود خداوند کریم ہے۔ بھائیو! یہ اللہ تعالیٰ کی شہادت جو سورۂ نور کی صورت میں قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے برقرار رہیگی اور عائشہ صدیقہ کی عظمت و عفت کے ڈنکے قیامت تک بجتے رہینگے یہ وہ شرف ہے۔ جو بجز صدیقہ کے اور کسی خاتون کو حاصل نہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا "

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا علم

میرے بھائیو! بعض لوگ آج بھی یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کہ دیکھو۔ جب حضرت عائشہ پر بہتان باندھا گیا۔ تو حضور کو اس بات کا رنج پہنچا۔ اور حضور نے صحابہ کرام سے حضرت عائشہ کے متعلق دریافت کیا۔ کہ تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ تو حضور کو اگر علم ہوتا۔ کہ حضرت عائشہ بے قصور ہیں۔ تو آپ کیوں دوسروں سے پوچھتے۔ میرے بزرگو! کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تو ارشاد فرماتے۔ کہ خبردار! آیندہ ایسی باتیں نہ کرنا۔ مگر ایسے لوگ ابھی تک باز نہیں آتے۔ اور ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شانِ پاک کو ابھی تک بحث بنائے لگے ہیں حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تو صاف صاف اعلان فرما دیا تھا۔ کہ

وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا۔ (بخاری شریف ص۵۹۵)

قسم اللہ کی مجھے علم ہے۔ کہ میری بیوی نیک ہی ہے۔"

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو قسم فرما کر فرمائیں۔ کہ مجھے اپنی بیوی کے نیک و پاکباز ہونے کا علم ہے۔ مگر یار لوگ یہی کہتے چلے جا رہے ہیں۔ کہ نہیں صاحب! حضور کو کوئی علم نہ تھا۔ معاذ اللہ! میرے بزرگو! ایسا خیال تک نہ لانا۔ کہ حضور کو حضرت عائشہ کی عفت میں کچھ شبہ تک بھی تھا۔ توبہ توبہ!! اللہ کا محبوب ہو۔ اور اسکی بیوی ایسی ویسی ہو۔ ایسا خیال ایک مومن تو کر نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ نجات پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ زکوٰۃ دینے کے پابند رہتے ہیں۔ اور اللہ کے دئے سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔

لطیفہ

جس گھر سے اللہ کے نام پر کچھ نہ نکلے۔ وہ گھر کیسا ہے۔ اس پر ایک لطیفہ سنئے۔ ایک سائل کسی بخیل کے دروازہ پر آیا۔ اور روٹی مانگی۔ بخیل نے اندر سے جواب دیا۔ بھائی یہ تندور

نہیں ہے۔ سائل نے کہا۔ اچھا تھوڑا سا آٹا دے دو۔ بخیل نے جواب دیا۔ بھائی یہ کوئی آٹے کی دکان نہیں۔ سائل نے کہا۔ اچھا تھوڑی سی گندم ہی دے دو۔ جواب ملا۔ یہ کوئی ڈپو نہیں۔ سائل بولا۔ تھوڑا سا پانی ہی پلا دو۔ جواب ملا یہ کوئی کنوآں یا سبیل نہیں۔ سائل جھٹ اندر گھس آیا۔ اور تہ بند اٹھا کر صحن میں بیٹھ کر رفع حاجت کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ جو نہ تندور ہے۔ نہ دکان۔ نہ ڈپو اور نہ سبیل۔ تو پھر وہ جگہ تو جنگل ٹھہری۔ تو میں کیوں نہ جنگل میں رفع حاجت ہی کر لوں۔

بھائیو! جس گھر سے خدا کے نام پر کچھ نہ نکلے وہ گھر اسی لائق ہے

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ○

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ کامیابی و نجات کے لیے زکوٰۃ ادا کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نجات و کامیابی پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے۔ کہ وہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں؛ یعنی فعل حرام سے بچتے ہیں۔ میرے بھائیو! اسلام نے انسانوں کو انسان بنایا ہے۔ انسانیت یہی ہے۔ کہ وہ شرعی و اخلاقی قواعد و ضوابط کا پابند رہے۔ یہ نہیں کہ حیوانوں کی طرح جہاں چاہے منہ مارتا پھرے۔ اور حرام و حلال کی کچھ پروا نہ کرے۔ اسی طرح یہ نہیں۔ کہ کسی محرم و غیر محرم کی کوئی تمیز نہ کرے۔ اور اپنی من مانی کاروائی کرتا پھرے۔ مسلمان اپنی شریعت کا پابند ہے۔ اور اپنے اللہ و رسول

(صلے اللہ علیہ و سلم) کا غلام ہے۔ خدا و رسول جس بات کی اجازت دے۔ اسی کو اپناتا ہے۔ اور جس بات سے روکے۔ اس سے رک جاتا ہے خدا و رسول نے ہمیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ اور اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے سوا دوسری عورتوں کے ساتھ اختلاط سے روکا ہے۔ پس جو انسان اور مسلمان ہے۔ وہ اس بات کی پابندی ضرور کرے گا۔ اور جو اس بات کی پابندی نہیں کرتا۔ اور پرائی عورتوں سے اختلاط اور زنا کو معیوب نہیں جانتا۔ وہ نہ صرف یہ کہ صحیح مسلمان کہلانے کا ہی مستحق نہیں انسان بھی نہیں ہے۔ انسانیت تو نام ہی قواعد و ضوابط کی پابندی کا ہے۔ یورپ وغیرہ برائے نام ترقی یافتہ ممالک میں جو اس قسم کی حرکتیں عام ہیں۔ آپ ان کی طرف نظر نہ کیجئے۔ وہ لوگ نہ مسلمان ہیں۔ اور نہ ہی صحیح معنوں میں انسان۔ اور یہ جو قرآن پاک کا حکم ہے یہ تو مسلمانوں کے لئے ہے۔ آپ کے لئے اس کی پابندی بڑی ضروری ہے۔

ایک مثال دیکھئے! شہروں کے بازاروں کی دیواروں پر یہ اعلان لکھا ہوتا ہے۔ کہ یہاں پیشاب کرنے والا گرفتار کر لیا جائے گا۔ لیکن وہاں اگر کوئی گدھا پیشاب کر دے۔ تو چاہے وہ دس آدمیوں کے پیشاب کے برابر پیشاب کر دے۔ اسے نہ کوئی پوچھتا ہے اور نہ ہی کوئی اُسے گرفتار کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ اعلان تو انسانوں کے لئے ہے۔ نہ کہ حیوانوں کے لئے۔ چنانچہ وہاں اگر کوئی انسان پیشاب کر دیگا۔ تو یقیناً گرفتار کر لیا جائے گا۔ اسی طرح مسلمانو! یہ اعلانِ قرآن تم مسلمانوں کے لئے ہے۔ تمہیں سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے انسان بنایا ہے۔ یورپ وغیرہ کی مثالیں ہرگز نہ دو۔ ان کی تو حیوانی زندگی ہے۔ تم بات اپنی کرو۔ مسلمان بن کر تم اگر کسی پرائی عورت کی طرف دیکھو گے بھی تو یقیناً شرعی گرفت میں آجاؤ گے۔

بھائیو! مسلمان جو صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ وہ بڑا ہی پاکیزہ

کردار کا مالک ہوتا ہے۔ وہ بازار میں چلتا بھی ہے۔ تو اپنی نظریں جھکائے ہوئے چلتا ہے۔ یہ نہیں۔ کہ اِدھر اُدھر اور نیچے اوپر تاکتا اور جھانکتا ہُوا جائے سیٹیاں بجاتا ہُوا اور فلمی گانے گاتا ہُوا نکلے۔ مسلمان تو اغیار کی عزت و عصمت کا بھی محافظ ہوتا ہے۔ چنانچہ تاریخ کا ایک واقعہ اس امر پر شاہد ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی

مدینہ منورہ کے ایک بازار سے ایک دہقانی عورت گزر رہی تھی۔ کہ چند یہودی اوباشوں نے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اور اس پر دست درازی کرنے لگے۔ وہ بچاری ان کی یہ ناجائز حرکتیں دیکھ کر گھبرائی — اور سے

نہ حفظِ آبرو کی جب کوئی صورت دکھائی دی
تو اُس مظلوم لڑکی نے محمد کی دہائی دی
پکاری کیا نہیں غیرت کسی انساں کے سینے میں
کہ یوں بے آبرو ہوں میں محمدؐ کے مدینے میں

اس عورت کی یہ فریاد ایک مسلمان کے کانوں میں پڑی۔ اور وہ دوڑتا ہُوا آیا۔ اور اس مظلوم عورت کی مدد کرتے ہوئے اُن یہودی بدمعاشوں سے لڑنے لگا۔ حتیٰ کہ اس غیر مسلم عورت کی عزت بچاتا ہُوا خود شہید ہو گیا۔ دیکھا آپ نے مسلمان کی بلند سیرت اور اعلیٰ کردار کو۔ کہ دوسروں کی عزت کی خاطر خود شہید ہو گئے۔ میرے بھائیو! مسلمان تو یہ تھے۔ مگر آہ! آج مسلمان خود اپنی ہی ماں بہنوں کا دشمن بن رہا ہے۔ اور سینما دیکھ دیکھ کر ایسی ایسی بری حرکتیں کرنے لگا ہے۔ کہ الامان والحفیظ! اور نہ صرف مرد ہی بلکہ آجکل عورتیں بھی کچھ ایسی نڈر اور بیباک ہو گئی ہیں۔ کہ کسی ضابطۂ اخلاق اور حکمِ شرعی کی پروا تک نہیں رہی۔ میرے بھائیو! اس مادر پدر آزادی اور عریانی و بے حجابی کی بدولت آئے دن جو نت نئے گل کھلتے نظر آ رہے ہیں۔ وہ سب کے سامنے ہیں۔ خدا کی پناہ اب تو عورتیں علی الاعلان چار چار شوہروں کا مطالبہ کرنے لگی ہیں اور بقول حق حق سے

برسر اجلاس اب تو کہہ رہی ہیں عورتیں
ایک شوہر کم ہے کوٹہ اب یہ بڑھنا چاہیئے

عورتیں اب ایک شوہر پر اکتفا کرتی نظر نہیں آتیں۔ ذرا غور تو کیجئے کہ یہ بھی کوئی انسانیت ہے؟ حاجی لق لق صاحب ہی نے لکھا ہے۔ کہ سے

ہے بیوی ایک لیکن اس کے شوہر چار پائے ہیں
یہ انساں ہیں نئی تہذیب کے یا چار پائے ہیں

میرے بزرگو! انسانیت نام ہے شریعت کی پابندی کا۔ اور یہ جو کھلے سر، کھلے منہ ادھر اُدھر جھانکتے، تاکتے، اچھلتے، کودتے اور اودھم مچاتے مرد اور عورتیں آتی جاتی نظر آ رہی ہیں۔ یہ تو سراسر حیوانیت ہے شریعت نے مرد اور عورتوں دونوں کو مبادی زنا سے بھی بچایا ہے اور ایک دوسرے سے اختلاط اور نظر بازی سے بھی روکا ہے۔ اور ان مبادی زنا سے محفوظ رکھنے کے لئے عورتوں کو پردے میں رہنے کا درس دیا ہے۔ اور قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ کا حکم دیا ہے۔

ایک انگریز جج کا فیصلہ

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں کلکتہ کی ایک عدالت کے ایک انگریز جج کا فیصلہ اخبارات میں آیا تھا۔ کلکتہ کے کسی رئیس کی نوجوان لڑکی بن ٹھن کر اور اَپ ٹو ڈیٹ بن کر بازار میں نکلی۔ ادھر یہ نکلی۔ اور اُدھر ایک رئیس کا نوجوان لڑکا بازار میں کسی دکان پر کھڑا تھا۔ یہ لڑکی جب اُس لڑکے کے قریب پہنچی۔ تو وہ لڑکا اس لڑکی کو چھیڑنے لگا۔ اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرنے لگا۔ حتی کہ اُس سے لپٹ گیا۔ لڑکی نے اپنے آپ کو آزاد کرا کے جھٹ عدالت کا رخ کیا۔ اور اس لڑکے پر دعویٰ دائر کر دیا۔ لڑکے کو عدالت میں طلب کیا گیا۔ اور انگریز جج نے لڑکے سے اس کی حرکت کی وجہ دریافت کی۔ لڑکے نے جو بیان دیا وہ قابل غور ہے۔ لڑکے نے کہا۔

"مائی لارڈ! پٹرول کی خاصیت یہ ہے۔ کہ آگ جب اس کے

قریب آئے تو وہ بھڑک اٹھتا ہے۔ اسی لئے پٹرول پمپوں پر یہ بورڈ اور نوٹس آویزاں ہوتے ہیں۔ کہ یہاں سگریٹ پینا ممنوع ہے اور کسی قسم کی آگ سلگانا یا لانا منع ہے۔ پٹرول کی فطرت یہی ہے۔ کہ آگ اس کے قریب آئے تو وہ فوراً بھڑک اٹھے اور جلنے لگے۔ جناب عالی پٹرول پمپ کے پاس اگر "کوئی آگ" خود ہی چل کر آ جائے۔ اور پٹرول اپنی فطرت کے مطابق بھڑک اٹھے۔ تو آپ اگر پٹرول سے پوچھنے لگیں۔ کہ کیوں بے پٹرول بتا تو کیوں بھڑک اٹھا۔ تو کیا یہ انصاف ہے؛ آپ آگ سے دریافت کیجئے کہ وہ کیوں پٹرول کے پاس آئی۔ جناب والا؛ آپ مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہیں کہ میں اس سے کیوں لپٹا۔ آپ اس لڑکی سے پوچھیں کہ یہ کیوں بن ٹھن کر باہر نکلی اور میرے قریب آئی۔

انگریز جج نے لڑکے کا یہ بیان سن کر لڑکے کو بری کر دیا اور لڑکی سے کہا۔ کہ میں تمہیں ایک سال کے لئے اس پردے کا حکم دیتا ہوں۔ جس کا حکم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیا ہے۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کہ اغیار بھی آپ کے احکام و ارشادات کی حکمتوں کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مگر افسوس! کہ آج ہم خود ہی اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ اور علی الاعلان فسق و فجور کے کام کرتے ہیں۔ اور ان پر پھر فخر بھی کرتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ کہ بلی کو دیکھو وہ پاخانہ کرکے اس نجاست پر مٹی ڈال کر اسے ڈھانپ دیتی اور چھپا دیتی ہے۔ مگر وہ فاسق معلن کس قدر بیباک اور جانوروں سے

بھی بدتر ہے۔ کہ بے حیائی کے کام علے الاعلان کرتا پھرتا ہے۔ اور ذرا نہیں شرماتا۔ بلکہ ان کو "آرٹ" کا نام دے دے کر ان کی تشہیر کرتا پھرتا ہے۔ میرے بزرگو! یہ جو مغربی تہذیب اور یورپین عریانی و بے حیائی ہے۔ اسے اپنے لیے مہلک سمجھو۔ جو لوگ اسے باعث ترقی اور ... سمجھ رہے ہیں۔ وہ بڑے ہی نادان ہیں۔

ایک ریچھ کا قصہ

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک آدمی کا قصہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ایک بہت بڑے اژدہا نے ایک ریچھ کو پکڑ لیا۔ ریچھ شور مچانے لگا اور فریاد کرنے لگا۔ ایک آدمی وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے ترس کھا کر کسی حیلہ سے اس ریچھ کو اژدہا سے چھڑا دیا۔ ریچھ بڑا خوش ہوا۔ اور اس آدمی کا بندۂ بے دام بن کر کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اور جب وہ آدمی سو جاتا۔ تو یہ ریچھ اس کا پہرہ دیا کرتا تھا۔ کسی شخص نے یہ منظر دیکھ کر اس آدمی کو سمجھایا۔ کہ اس ریچھ کی دوستی سے کنارہ کر لو۔ تمہارا اور اس کا کیا رشتہ؟ ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دے۔ وہ آدمی بولا۔ ؎ (مثنوی کا منظوم اردو ترجمہ)

تیری نیت میں خلل ہے ناصحا
اس میں کچھ مطلب ہے پوشیدہ ترا

یہ جواب اس کا بالکل ایسا ہی تھا۔ جیسے کہ موجودہ مسلمان کو کوئی مولوی صاحب یہ نصیحت کریں۔ کہ بھئی! اس مغربی تہذیب سے تمہارا کیا رشتہ؟ اس سے کنارہ کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے دینی و قومی وقار کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ تو وہ جواب دے کہ مولوی کی نیت میں خلل ہے۔ اس میں اس کا کوئی مطلب پوشیدہ ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ ؎

ایک دن جنگل میں سوتا تھا جوان

ریچھ بیٹھا جھل رہا تھا مکھیاں
ایک مکھی تھی ہٹیلی نا سزا
ریچھ نے اس کو ہٹایا بار ہا
پر جیسی جانے بھلا مقدور کیا
آتی ہر پھر کے وہیں تھی بے حیا
دق ہوا ریچھ اور ہو کے خشمگیں
اک بڑا پتھر اٹھا لایا لعین
تاک کر مکھی پہ مارا سنگ جب
کون مرتا ہے؟ نہ سمجھا پر غضب
ریزہ ریزہ اس جوان کا سر ہوا
اس کے صدمہ سے نہ وہ جاں بر ہوا

کچھ ایسا ہی قصہ یہ بھی ہے۔ کہ مغربی تہذیب سے رشتہ کاٹنے والوں کو مولوی سمجھاتا ہے۔ تو وہ مولوی پر بدگمان ہوکر مغربی تہذیب سے یارانہ توڑتے نہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ مغربی تہذیب کا یہ ظالم ریچھ الحاد کے پتھر سے دین و مذہب کے سر کو ریزہ ریزہ کر ڈالتا ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! شریعت کی پابندی کرو اور فوز و فلاح پانے کے لئے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ پاک بھی سنیئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

(بخاری شریف ص ۹۵۹)

جو میرے لئے ضامن بنے دونوں جبڑوں اور پاؤں کے درمیان کا، میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنی زبان

ور اپنی شرمگاہ کو ناجائز استعمال نہ کرے۔ اور ان کی نگہداشت کرے۔ اور اس بات کی ضمانت دے۔ تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ اور جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک بھی قرآن پاک کی آیت کی طرح فوز و فلاح پانے کا طریق بتا رہا ہے۔ اور درس دے رہا ہے کہ جہنم سے بچنا اور جنت میں جانا ہے تو اپنی زبان کو بھی قابو میں رکھو اور اپنی شرمگاہ کو بھی قابو میں رکھو۔

مالکِ جنت

میرے بھائیو! اس حدیث پاک سے یہ بات بھی واضح ہوگئی۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم جنت کے مالک ہیں۔ اور آپ جنت میں تصرف فرماسکتے ہیں۔ منجانب اللہ آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جسے چاہیں جنت میں لے جائیں اور جسے نہ چاہیں نہ لے جائیں۔ اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہی نہ ہو وہ ضمانت دے ہی نہیں سکتا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جو جنت کی ضمانت دے رہے ہیں تو یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بزور اور غلبہ کیساتھ جنت لے دیں۔ یا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ جنت نہ دے۔ تو حضور اس جنت کی مثل دوسری جنت بنا کر اسے دے دیں۔ ہاں یہی صورت ممکن ہے اور یہی حقیقت بھی ہے۔ کہ یہ جو جنت موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جنت سے متعلق اختیار مل چکا ہے اور آپ اسی جنت کے مالک بنا دیئے گئے ہیں۔ اور اگر یہ بات تسلیم نہ کی جائے۔ تو پھر حدیث پاک کا انکار لازم آئیگا۔ اور بزعم خویش مسلمانوں کو مشرک بنانے بناتے خود اشد بدعقیدت کا شکار ہو جانا پڑے گا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ۔ کہ نہیں صاحب! یہ بات نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ جو شخص اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا۔ تو حضور نے اللہ کے اس حکم پر بھروسہ کرکے یہ اعلان فرما دیا۔ کہ جو شخص زبان و شرمگاہ کو محفوظ رکھے گا۔ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ مطلب گھڑ لینے میں ضمانت کا مفہوم ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ اس طرح تو پھر ہم میں سے بھی ہر ایک شخص دوسروں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ بھئی! تم نماز پڑھو۔ میں جنت کا ضامن ہوں۔ تم برے کام چھوڑ دو میں جنت کا ذمہ دار ہوں۔ کیوں صاحب! کسی کی ہے جرأت کہ بر سر منبر وعظ کہتا ہوا یہ دعویٰ کرے اور کہے کہ تم نماز پڑھو۔ میں تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ میں جنت میں لے کر چلوں گا۔ بھائیو! سیدھی بات ہے۔ کہ ضامن جس چیز کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ اس کے قبضہ و اختیار میں ہوتی ہے۔ آپ حدیث پاک کے اس جملہ کو ہی لے لیجئے "مَن یَضْمَنُ لِیْ" اس جملہ کے الفاظ اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں۔ یعنی یہ جو حضور فرما رہے ہیں۔ کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کی مجھے ضمانت دے" تو اس شخص کو اپنی زبان اور شرمگاہ پر اختیار حاصل ہے۔ جبھی تو وہ ضمانت دیگا۔ تو جب وہ شخص جن چیزوں کی ضمانت دیگا۔ وہ چیزیں اس کے اختیار میں ہوں گی۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم جس چیز کی ضمانت دے رہے ہیں۔ وہ چیز حضور کے اختیار میں کیوں نہ ہوگی؟ دیکھ لیجئے۔ اس شخص کو اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ پر اختیار حاصل ہے۔ وہ ان میں جب چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ چاہے تو جائز استعمال کرے اور چاہے تو ناجائز۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی جنت پر اختیار و تصرف حاصل ہے۔ وہ جسطرح چاہیں تصرف فرما سکتے ہیں۔ چاہیں تو کسی کو دے دیں۔ چاہیں تو نہ دیں۔ پس ہمارا تو یہی ایمان ہے۔ کہ ؏

ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

صحابہ کرام علیہم الرضوان

حضرات! آیئے آپ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان دیکھیے۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا مالک و مختار سمجھتے تھے یا نہیں؛ غزوہ احد میں جب کافروں کی ایک جماعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب آ پہنچی۔ تو حضور نے اعلان فرمایا۔

مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا فَلَهُ الْجَنَّةُ اَوْ هُوَ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۰۷)

جو انہیں ہم سے ہٹائے گا۔ پس اس کے لئے جنت ہے یا فرمایا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان پر سات انصاریوں نے لبیک کہی۔ اور یکے بعد دیگرے شمع رسالت پر پروانہ وار شہید ہوگئے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جنت میں رفاقت حاصل فرما گئے۔

کیوں صاحب! اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا یہی خیال ہوتا کہ حضور تو کسی چیز کے مالک و مختار نہیں۔ (معاذاللہ) تو حضور کی اس آواز پر یہ سات انصاری کبھی لبیک نہ کہتے اور یہ کہتے کہ یارسول اللہ! آپ تو کسی چیز کے مالک ہی نہیں۔ پھر آپ یہ جنت کا وعدہ کیسے فرما رہے ہیں۔ مگر نہیں نہیں۔ ان کا ایمان تھا۔ کہ ہمارے حضور مالک و مختار ہیں۔ ان کا وعدہ سچا ہے۔ اور جو کچھ آپ نے فرما دیا ہے وہ یقیناً حق ہے۔ اور آپ مالکِ جنت ہیں۔ ہمیں جنت ضرور ملے گی۔ اسی لئے انہوں نے حضور پر جانیں نثار کر دیں۔ پس مسلمانو! تم بھی اپنا یہی عقیدہ رکھو۔ کہ ؎

خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنا دیا

حضرات! خدا تعالے نے نجات پانیوالوں کی پھر یہ نشانی بیان فرمائی ہے۔ کہ وہ لوگ امین ہوتے ہیں۔ امانات میں خیانت نہیں کرتے اور وعدہ وفا ہوتے ہیں۔ جس بات کا عہد و پیمان کرلیں وہ پورا کرتے ہیں سبحان اللہ! کیسا بہترین درس ہے۔ امانت میں خیانت کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔ مسلمان امین ہوتا ہے اور وہ کبھی خیانت سے کام نہیں لیتا۔

میرے بھائیو! ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے

رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم

دشمن بھی محمد امین (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے تھے۔ اور حضور کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ اور سب جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدق و وفا اور امانت و صداقت کے منبع و پیکر ہیں۔ چنانچہ ایک واقعہ سنیئے۔ یہ کعبہ شریف

تعمیرِ کعبہ

ہمیشہ معظم و مکرم رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے اس کی عمارت مسلسل بارشوں کی وجہ سے شکستہ ہو گئی تھی۔ جس کے باعث تمام قریش نے باتفاق رائے یہ تجویز پاس کی کہ موجودہ عمارت گرا کر اس کی از سرِ نو تعمیر کی جائے۔ چنانچہ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصوں کی تعمیر اپنے ذمہ لے لی۔ جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر کے شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہ جائے۔ تعمیر جاری تھی۔ اور لوگ نہایت شوق و عقیدت سے مصروفِ کار تھے۔ اب تک تو پورا اتفاق رہا۔ مگر جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ اور ہر شخص کی یہ خواہش تھی۔ کہ یہ شرف اسے حاصل ہو اور وہی حجرِ اسود کو اٹھا کر اُسے اپنی جگہ پر رکھے۔ یہ جھگڑا اتنا خطرناک طور پر بڑھا۔ کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ اور کوئی قبیلہ یہ شرف دوسرے قبیلہ کو دینے پر آمادہ نہ تھا۔ چار روز تک یہ جھگڑا چلتا رہا اور قریب تھا۔ کہ تلواریں چل جاتیں اور ایک عظیم معرکہ شروع ہو جاتا۔ جس میں کئی جانیں تلف ہو جاتیں۔ آخر اس نازک صورتِ حال کو دیکھ کر ایک کہن سال اور ضعیف العمر شخص ابن مغیرہ آگے بڑھا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اس طرح یہ قصہ طے نہ ہوگا۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ کل صبح سب سے پہلے جو حرم میں آئے۔ وہی ثالث قرار پائے۔ اور جو فیصلہ وہ کر دے۔ وہ سب کے لئے قابلِ قبول ہو۔ سب نے یہ رائے قبول کر لی۔ اب تو حالت یہ تھی کہ لوگوں کو رات بھر نیند نہ آئی۔ سب نے رات بھر انتظار میں بیٹھے صبح کر دی۔ دوسرے روز صبح کی

سپیدی نکلنے سے پہلے ہی سارے قبائل کے لوگ موقع پر جا بیٹھے۔ قدرت خداوندی کا مقدس کارنامہ دیکھئے۔ کہ صبح ہوتے ہی سب سے پہلے جس چہرۂ انور پر نگاہیں پڑیں۔ وہ چہرۂ انور حضور لامع النور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ جو قدم سب سے پہلے حرم شریف میں پڑے وہ حضور کے قدمانِ مبارک تھے۔ حضور کو دیکھتے ہی سب کے دلوں میں مسرت و خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور سب نے باتفاق یہ نعرہ بلند کیا۔ کہ وہ "امین" آگیا۔ "امین" آگیا۔ سب نے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ اور سب نے حضور کو اپنا ثالث منظور کر لیا۔ اور حضور کے فیصلہ پر سبھی نے سرِتسلیم خم کر دینے کا اعلان کر دیا۔ میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ابھی اعلان و اظہار نہیں ہوا۔ یہ سارا قصہ پہلے کا ہے۔ حضور شروع ہی سے منبع عدل و انصاف اور امین کے نام سے مشہور تھے۔ سب کو یقین تھا۔ کہ اس مقدس ہستی سے جو وقوع پذیر ہوتا ہے وہ حق و صداقت ہی ہوتا ہے اور آپ امانت و دیانت کے مقدس پیکر ہیں۔ سبحان اللہ! ہمارے حضور کی بھی کیا شان ہے۔ حضور کا فیصلہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ بخدا روح وجد میں آتی ہے۔ ذرا غور تو کیجئے۔ کہ سارے قبیلے غیظ و غضب میں بھرے ہوئے ہیں۔ اور حجر اسود کے اپنے مقام پر نصب کرنے کے شرف سے سب مشرف ہونا چاہتے ہیں اور اس شرف سے کوئی بھی محروم رہنا نہیں چاہتا۔ ایسے ماحول میں جب اس جھگڑے کا فیصلہ حضور کے سپرد کیا گیا تو حضور نے ایک ایسی تدبیر نکالی۔ جسے سنکر سارے حیران رہ گئے۔ اور خوش بھی ہوگئے۔ حضور نے فرمایا۔ تمام قبائل میں سے ایک ایک سردار اپنے اپنے قبیلے کا نمائندہ بن کر آگے بڑھے۔ چنانچہ ہر قبیلے نے اپنا اپنا ایک نمائندہ منتخب کیا۔ تو حضور نے اپنی چادر مبارک بچھا کر حجر اسود اس میں رکھ دیا۔ اور ان سب سرداروں سے فرمایا۔ کہ آپ سب لوگ اس کے کونے اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ چنانچہ سب نے اس چادر کو اٹھایا۔ اور جب وہ موقع کے برابر آگئی۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ

حجر اسود کے اٹھانے کے شرف سے آپ سب مشرف ہوگئے۔ اب تم سب اسے اٹھا کر اپنی جگہ نصب کرنے کے لئے مجھے اپنا نمائندہ مقرر کر لو۔ تاکہ میں خود اسے اٹھا کر اسے اپنے مقام پر نصب کر دوں۔ چنانچہ سب نے اس بات پر اظہار رضامندی کیا۔ اور حضور نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو چادر میں سے اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا۔ اس طرح محض آپ کی حسن تدبیر سے ایک خونریز جنگ رک گئی۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تدبیر اس وقت آڑے نہ آتی تو اس وقت سرزمین مکہ انسانی خون سے لالہ زار بن جاتی۔ اور عین بیت اللہ شریف کے سامنے لاشے تڑپتے نظر آتے۔ حضور نے یہ تنازعہ ایک اعلیٰ تدبیر سے مٹا دیا۔ اور کسی پر کسی کو فوقیت بھی نہ دی۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر و انصاف کی دھوم مچ گئی۔ اور ہر ایک پر حضور کے حکیم و امین ہونے کا سکہ بیٹھ گیا۔ سچ کہا ہے شاعر نے ؎

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

خلاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امین بن کر آمنہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تشریف لائے۔ اور آپ نے دنیا بھر کو امن و امانت کا درس دیا۔ اور خدا تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں آپ کی ایک صفت یہ بیان فرمائی۔ کہ وہ خود امین ہوتے ہیں۔ خائن نہیں ہوتے۔

جبریل امین میرے بھائیو! ایک اور بات بھی سن لیجیے — بعض غالی افراد یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ جبریل نے آنا تو حضرت علی کے پاس تھا مگر وہ غلطی سے (معاذ اللہ) حضور کے پاس چلے

گئے۔ اسی طرح کا ایک قول غالیوں کا اور بھی ہے۔ حضرت شاہ غوث علی قلندر علیہ الرحمۃ سے کسی غالی نے یوں کہا۔ کہ جبریل علیہ السلام اگر حضور کے پاس ایک مرتبہ آیا کرتے تھے۔ تو حضرت علی کے پاس دو مرتبہ آتے تھے۔ حضرت شاہ غوث علی نے بڑا اچھا جواب دیا۔ فرمایا۔ کہ ہاں بھئی! ٹھیک کہتے ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ "باب مدینۃ العلم" یعنی علم کے شہر کے دروازہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی مکان میں صاحب مکان کو ملنے کے لئے جائے تو اسے مکان کے دروازے کو دو مرتبہ عبور کرنا پڑتا ہے۔ ایک مرتبہ جاتے ہوئے اور ایک مرتبہ آتے ہوئے۔ وہ شخص ملنے تو صاحب مکان ہی کو جاتا ہے۔ اور مقصود بھی وہی صاحب مکان ہوتا ہے۔ مگر دروازہ مکان سے اُسے دو مرتبہ گزرنا پڑتا ہے۔ جاتے ہوئے اور آتے ہوئے۔ اسی طرح جبریل امین آتے تو حضور کے پاس ہی تھے۔ مگر انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے جو دروازۂ علم ہیں، دو مرتبہ گزرنا پڑتا تھا۔ سبحان اللہ! کیا پرلطف جواب ہے۔ کچھ ایسا ہی قول یہ بھی ہے۔ کہ حضرت جبریل نے آنا تو حضرت علی کے پاس تھا۔ مگر وہ حضور کے پاس چلے آئے۔ بھائیو! اس مردود قول کی تردید کے لئے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے۔ دیکھئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ۔ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ۔ (پ ۱۹ ع ۱۵)

در بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترا تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ۔

دیکھئے! اس آیت کریمہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو "روح الامین" فرمایا ہے۔ یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے صفت "امین" سے موصوف بیان فرمایا ہے۔ گویا جبریل امین علیہ السلام کی پوزیشن کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ظاہر فرما دیا۔ کہ یہ امین ہیں۔ میں جو پیغام انہیں دے کر جس کے پاس بھیجتا ہوں۔ یہ وہ پیغام لے کر اسی کے پاس جاتے ہیں۔

اور جو کچھ میرا پیغام ہوتا ہے۔ پورے کا پورا پہنچا دیتے ہیں۔ میرے بزرگو! خدا تعالیٰ کو علم تھا۔ کہ ایسے خالی لوگ بھی پیدا ہوں گے۔ جو جبریل امین پر یہ اتہام باندھیں گے۔ کہ اس نے خدا کے پیغام کو جس کی طرف پیغام تھا اس کے پاس نہیں پہنچایا۔ بلکہ دوسرے کی طرف لے گئے۔ اسی لئے پہلے ہی فرما دیا۔ کہ جبریل تو امین ہیں۔ اور امین کا یہ شیوہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی قسم کی خیانت کرے۔ اور اصل مالک کی بجائے کسی اور کو چیز دے دے۔

ہاں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم امین ہیں۔ اور ان کی طرف پیغامِ حق لانے والے جبریل امین بھی امین ہیں۔ بھائیو! آج جسے فوز وفلاح کی تمنا ہے۔ وہ بھی امین بنے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ امانت میں خیانت کرنا منافق کا کام ہے۔ یعنی مسلمان کا کام خیانت کرنا نہیں۔

تاجر امین

حضرات! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کے لئے جو ارشاد فرمایا ہے۔ وہ بھی سنیئے۔ حضور فرماتے ہیں۔

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۳)

سچ بولنے والا اور امین تاجر نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

دیکھا آپ نے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے امین تاجر کے لئے کس قدر بلند مقام کا اعلان فرمایا ہے۔ بھائیو! اگر آپ میں کوئی تاجر ہے۔ تو وہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سنے اور اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے کے لئے ہمیشہ صداقت و امانت کو اپنائے رکھے۔ بھائیو! کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آجکل امانت بھی شاذ و نادر نظر آتی ہے۔ اس پرفتن دور میں جہاں اور کئی خرابیاں نظر آتی ہیں۔ وہاں امانت میں خیانت کی خرابی بھی عام ہے۔ "رام رام جپنا پرایا مال اپنا" کئی لوگوں کا وظیفہ بن چکا ہے۔ اور پرائے مال کو ہڑپ کر جانا بھی آجکل ایک فن اور آرٹ ہے۔ یہ تاجر حضرات جو کم تولنے کے عادی ہیں۔ اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنا ردی مال نکالنے کے عادی ہیں۔ سوچیں تو سہی کہ وہ اس دنیا

ذلیل کے لئے کس طرح اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ اپنے ردی مال کو اچھا بتانا اور گاہک کو پوری چیز نہ دینا یہ سراسر خیانت اور ناعاقبت اندیشی ہے۔

حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ آپ چادریں اور اوڑھنیاں بیچا کرتے تھے۔ لیکن جب آسمان ابر آلود ہوتا۔ تو فروخت نہ کرتے اور نہ بازار لے کر جاتے۔ کسی نے اس کا باعث پوچھا۔ تو فرمایا۔ کہ ابر کے دن خریدار کو معیوب شے صاف نظر آتی ہے۔

سبحان اللہ! کیسے صادق و امین تھے پہلے لوگ۔ اور ایک آج ہم بھی ہیں کہ اپنا کپڑا بیچنے کے لئے رات کو مختلف قسم کے رنگ کی روشنیاں کر دی جاتی ہیں۔ تاکہ گاہک کو کپڑا اپنے اصلی رنگ و روپ سے بڑھ چڑھ کر دکھائی دے۔ اور وہ اُسے خرید کر لے جائے اور پھر دیکھئے کوئی تھان جو دنوں سے دکان میں پڑا ہوا ہو اور اسے کوئی نہ خریدتا ہو تو کسی نہ کسی فن سے دکاندار صاحب اُسے کسی گاہک کی نظروں میں دھول ڈال کر بیچ آئیں تو گھر میں آکر خوشی خوشی کہتے ہیں۔ کہ مبارک ہو۔ وہ نکما تھان جو کسی صورت نہ نکلتا تھا۔ آج نکال آیا ہوں۔ گویا اس خیانت و دھوکا بازی کی مبارک دی جاتی ہے۔ بھائیو! کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج ہم تاجر ہوں یا گاہک۔ صداقت و امانت کا دامن چھوڑ بیٹھے ہیں۔ دکاندار اپنی بُری چیز کو اچھی کہہ کر بیچتا ہے۔ اور گاہک اچھی چیز کو بھی بُری بتا کر سستے داموں خریدنا چاہتا ہے۔ دکاندار اگر دن بھر میں چند ایک گاہکوں سے جھوٹ بول کر کچھ پیسے کما لیتا ہے۔ تو کسی دن کوئی گاہک بھی ایسا آجاتا ہے۔ جو اپنے ایک ہی داؤ سے دکاندار صاحب پر ہاتھ صاف کر جاتا ہے۔ چنانچہ

لطیفہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک جوتوں کے تاجر کے پاس ایک گاہک آیا۔ اور زنانہ سلیپر طلب کئے۔ دکاندار نے سلیپروں کا زنانہ جوڑا نکال کر سامنے دکھا تو گاہک نے کہا۔ کہ میں گھر سے ناپ لانا بھول گیا ہوں۔ آپ سلیپر کا دایاں پیر دے دیجئے۔ میں گھر لے جاکر اسے پہنا کر دیکھ آؤں۔

اگر پورا آگیا۔ تو دوسرا پیر بھی قیمت دیکر لے جاؤں گا۔ دکاندار نے دایاں پیر دے دیا۔ اور پھر اس کی انتظار کرنے لگا۔ مگر گاہک واپس نہ آیا۔ شام کے وقت پڑوسی دکاندار سے اس نے ذکر کیا۔ کہ آج ایک عجیب دھوکا باز گاہک آیا تھا۔ جو مجھ سے سلیپر کا دایاں پیر گھر لے گیا پھر واپس نہیں آیا۔ پڑوسی دکاندار حیران ہوکر کہنے لگا۔ اچھا یہ بات ہے۔ وہ میرے پاس بھی آیا تھا۔ اور مجھ سے وہ سلیپر کا بایاں پیر دکھانے کو گھر لے گیا تھا۔ میں بھی دن بھر اس کی انتظار میں رہا۔ مگر اب پتہ چل گیا۔ کہ اس نے اپنا "جوڑا" پورا کر لیا ہے۔

بھائیو! اس قسم کی خیانتیں عام ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آج دنیا بھر میں امن و سکون غائب ہے۔ اور چاروں طرف بدامنی ہی نظر آتی ہے۔

ماڈرن عذاب

میرے بھائیو! اگر کوئی تدبر و تفکر کی نظر سے موجودہ حالات پر نظر دوڑائے۔ تو دیکھ لے۔ کہ آج کل کا انسان جو اپنے آپ کو مہذب اور ماڈرن انسان کہلاتا ہے۔ خدا کی گرفت میں آچکا ہے۔ آگ۔ پانی اور زلزلوں کے عذاب کے علاوہ آجکل کا انسان ماڈرن عذاب میں بھی مبتلا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو دیکھا۔ کہ یہ ترقی پسند و ماڈرن انسان کچھ ایسا متکبر و مغرور ہو چکا ہے۔ کہ اپنے آپ کو بڑا مہذب اور بہت بلند سمجھنے لگا ہے۔ اور ماڈرن بننے کے نشہ میں دین و مذہب پر بھی پھبتیاں کسنے لگا ہے۔ اور خدا کے مقبولوں کو بھی ہدف طعن بنانے لگا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک ماڈرن عذاب بھی نازل فرمایا ہے۔ یہ عذاب ایسا عبرتناک اور دردناک ہے۔ کہ آجکل کا یہ ماڈرن انسان عذاب میں مبتلا ہے۔ مگر اسے عذاب نہیں سمجھتا۔ غور تو کیجئے آجکل کا یہ انسان پہلے زمانہ کے انسان سے پچاس گنی زیادہ آمدنی رکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھوکا ہے۔ مالی دقتوں میں گھرا ہوا ہے۔ یہ بہت کماتا ہے۔ مگر اس کے روپے میں کوئی برکت نہیں۔ اس لئے یہ ہمیشہ تنگدستی میں مبتلا رہتا ہے۔ جدید تمدن کی لذتوں نے اسے اندھا

کر دیا ہے۔ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی پاکیزہ معاشرت سے وہ
محروم ہو چکا ہے۔ اس نے بے شمار دولت کے باوجود تنگدستی کا شکار
ہو کر فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کا مصداق بن چکا ہے۔ کیوں صاحب! یہ
خدا کا غضب اور اس کا قہر نہیں تو اور کیا ہے۔ آج کل کا مہذب
انسان اپنی شکل ذرا آئینہ میں دیکھے۔ خدا نے کیسی پاکیزہ اور شاندار
صورت دی تھی۔ مگر اس نے مرد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ایک ناکارہ
عورت کی شکل میں تبدیل کر لیا۔ کیا یہ ماڈرن عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔
پھر عورتوں کو دیکھئے۔ چنگی بھلی عورت نے خود ہی اپنی زلفوں کو
کاٹ کر "زلف بریدہ بے بی مس" کی صورت اختیار کر لی۔ لباس عریاں پہن
کر بالکل عریاں ہو گئی۔ اور اپنے ہاتھوں اپنا سر مونڈ کر اور اپنا لباس
گویا اتار کر زمانہ جاہلیت میں بازاروں میں آ کر بکنے والی لونڈیوں کی طرح
ایک لونڈی بن گئی۔ کیا یہ عذاب الٰہی نہیں؟ کیوں صاحب! یہ مغربی
لباس اور یہ تنگ و چست بیڈی لباس ذرا غور تو کیجئے۔ کہ یہ قدرت کا
تھپیڑ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس ماڈرن عذاب کے عذاب ہونے میں کیا
شبہ ہے کہ یہ ماڈرن انسان اس مغربی لباس میں تنگ پتلونوں میں یوں
کس دیا گیا کہ اب بیچارہ پیشاب کرنے کے لئے بھی بیٹھ نہیں سکتا۔ اور
پھر کھڑے کھڑے پیشاب کرنے لگا۔ تو عذاب الٰہی دیکھئے۔ کہ پیشاب
کی ناپاک چھینٹیں بدن پر۔ کپڑوں پر پڑتے گئیں۔ حتیٰ کہ وہ سفر
میں [illegible] رسول کے ارشادات پر پہنچا آخر کار [illegible]
گئے [illegible] پیشاب کی چھینٹیں پڑیں۔ کیا عذاب الٰہی اس [illegible]
[illegible] پیشاب کی لپیٹ میں لے آیا۔ سوچیئے تو سہی کیا یہ ماڈرن
عذاب نہیں؟ بجائے پانی سے استنجا کے ماڈرن انسان ایک کاغذ کے
ٹکڑے سے نجاست صاف کرتا ہے۔ جس طرح جنگلی جانور زمین سے جسم رگڑ
رگڑ کر نجاست صاف کیا کرتے ہیں۔ قدرت کا اس سے بڑھ کر اور
عذاب کیا ہوگا۔ کہ انسان ہونے کے باوجود حیوانوں کی صف میں کھڑا کر

دیا گیا۔ دیکھا آپ نے اس ماڈرن انسان کے حالات کو ؟ اور پھر اس پر مزید عذاب یہ ہے۔ کہ یہ ماڈرن انسان ان عذابوں کو عذاب نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسے ترقی و عروج سمجھے ہوئے ہے۔ گویا یہ قدرت کا مزید عتاب ہے۔ کہ نہ یہ عذاب کو عذاب سمجھے اور نہ اس سے وہ خلاصی پائے۔

لطیفہ: یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ ایک سود خوار پٹھان لاہور میں آیا تو اس نے ایک حلوائی کی دکان پر ایک بڑے طباق میں حلوہ رکھا دیکھا۔ پٹھان نے دکاندار سے پوچھا۔ خو بھئی! تم اندھا ہے؟ تمہارے آگے اتنا حلوہ رکھا ہے اور تم کھاتا نہیں؟ دکاندار نے کہا۔ خان! اگر یہ حلوہ میں کھا لوں۔ تو میں اجڑ جاؤں۔ پٹھان نے بیٹھ کر وہ سارا حلوہ کھانا شروع کر دیا۔ اور کھا پی کر کہنے لگا۔ "خو اگر یہ حلوا کھانے سے آدمی اجڑتا ہے۔ تو لو ہم اجڑتا ہے"! دوکاندار نے پیسے طلب کئے۔ تو کہنے لگا۔ ہمارے پاس کوئی پیسہ نہیں۔ دکاندار اُسے پکڑ کر قاضی شہر کے پاس لے گیا۔ قاضی صاحب نے اس پٹھان کو یہ سزا دی۔ کہ اسے ایک گدھے پر بٹھاؤ۔ اور چھوٹے بچوں کو ڈھول دے کر اس کے پیچھے کر کے اسے سارے شہر میں پھراؤ۔ چنانچہ اُسے ایک گدھے پر بٹھایا گیا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو ڈھول دے کر اس کے پیچھے کر دیا گیا۔ بچوں نے ڈھول بجا بجا کر اس کے پیچھے شور مچا دیا۔ جب یہ سزا پا کر پٹھان اپنے ملک واپس گیا۔ تو دوستوں نے پوچھا۔ "ملکِ ہند چگونہ است"؟ یعنی ہندوستان کیسا ملک ہے؟ وہ بولا!

خوب است۔ حلوہ خوردن مفت است

سواریٔ خر مفت است

فوجِ طفلاں مفت است

نیز ڈم ڈم مفت است

یعنی بڑا اچھا ملک ہے۔ وہاں حلوہ مفت۔ گدھے کی سواری بھی مفت، اور لڑکوں کی فوج بھی مفت۔ اور ڈم ڈم بھی مفت۔

دیکھ رہا ہے [illegible]

ہے۔ حالانکہ اسے سزا دی جا رہی ہوتی ہے۔ اسی طرح آج کل کا مہذب انسان ہے جو باوجود عذاب میں گرفتار ہونے اور سزا پا رہا ہے۔ مگر سمجھ رہا ہے کہ میں ترقی پا رہا ہوں۔ اور مہذب بن رہا ہوں۔

ہاں تو بھائیو! خدا تعالیٰ نے فوز و فلاح پانے والوں کی ایک نشانی یہ بھی بتائی ہے کہ وہ امین ہوتے ہیں۔ اور اپنے وعدے کے پکے سچے ہوتے ہیں۔ کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کرتے۔ اور ع

وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا

کے مطابق وہ وعدہ وعدہ توڑنے کے لئے نہیں کرتے۔ بلکہ وہ وعدہ پورا کرنے کے لئے کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ ان سب نشانیوں کا ذکر فرما کر فرماتا ہے کہ۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔۔۔ یہی وہ لوگ ہیں جو حقدار ہیں اور جو جنت فردوس کے وارث بنیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

تیسواں وعظ

خَلِیفَۃُ الْاَرْضِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْن ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۵ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۵

قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ط قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (پ ۸ ع ۹)

"(خدا نے شیطان سے) فرمایا۔ کس چیز نے تجھے روکا۔ کہ تو نے سجدہ نہ کیا۔ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ بولا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے بنایا۔ اور اُسے مٹی سے بنایا۔"

حضرات! ۔ آجکل قصے کہانیوں کا بہت شوق ہے۔ آئیے میں آج آپ کو قرآن پاک کی بیان فرمودہ ایک سبق آموز سچی حکایت اور عبرتناک سچا قصہ سناؤں

بھائیو! یہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان لعین کا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ تو پہلے فرشتوں میں یہ شاہی اعلان فرمایا۔ کہ :-

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (پ۱ ع۴)

میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

خدا تعالیٰ کے اس اعلان پر فرشتوں نے عرض کیا :

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط ـــ

"کیا ایسے کو نائب کرے گا۔ جو اس میں فساد پھیلائے، اور خونریزیاں کرے"

یعنی اے مولا! یہ جو تو اپنا خلیفہ بنائے گا۔ یہ تو دنیا میں جا کر جنگ و جدل کا میدان گرم کرے گا۔ اور لڑائیاں اور خونریزیاں کرے گا۔ خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا :-

اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ـــ

مجھے معلوم ہے۔ جو تم نہیں جانتے۔

میرے بھائیو! فرشتوں کی بات سنی آپ نے؟ فرشتوں نے کہا تھا۔ کہ یہ آدمی جنگ و جدال کا میدان گرم کریں گے۔ اور لڑتے رہیں گے۔ دیکھ لیجئے۔ وہی کچھ ہو رہا ہے۔ اور آج کل تو اس آیت کی عملی تفسیر جوبن پر ہے۔ ہر ملک، ہر شہر، اور ہر گھر میں لڑائی اور جھگڑے موجود ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہدایت دے۔ کہ آجکل ہم نے جب دیکھا۔ کہ بھائی بھائی آپس میں نہیں لڑتے۔ تو ہم چونکہ بغیر لڑائی کے رہ نہیں سکتے۔ اس لئے دو بٹیروں ہی کو آپس میں لڑا دیتے ہیں۔ کتوں اور بیلوں ہی کی لڑائی شروع کرا دیتے ہیں۔ یعنی لڑائی کے ہم اتنے شوقین ہیں۔ کہ یہ کہیں نہ کہیں موجود ضرور رہنی چاہئیے۔ ہاں تو فرشتوں نے جب یہ بات کہی تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ جو حکمتیں میرے علم میں ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے۔

میرے بزرگو! یہیں سے اب شیطان لعین کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ :-

شیطان بہت بڑا عابد تھا۔ اور خدا کو ایک ماننے والا تھا۔ اور فرشتوں میں رہا کرتا تھا۔ یہ ملعون اپنے آپ کو بہت بلند و عالی سمجھتا تھا۔ اور کبر و غرور کا پتلا تھا اس نے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا اعلان شاہی سنا۔ تو یہ خبیث اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے بغض رکھنے لگا۔ اس کا یہ خیال تھا۔ کہ مجھ سے کون بڑھ سکتا ہے۔ اور میرے ہوتے ہوئے دوسرا کون ہے۔ جو "خلیفۃ اللہ" بن جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو حسد کی آگ ہی کھا گئی۔ یہ حسد کی آگ بڑی زبردست آگ ہے۔ اس سے پناہ مانگو۔ آج جو لوگ دوسروں کا حسد کرتے ہیں۔ وہ کسی کا تو کیا نقصان کریں گے۔ اپنا ہی حال خراب کر لیتے ہیں۔ بیمار سے کڑھتے رہتے۔ اور ہر وقت جلتے رہتے ہیں۔ کسی کو کچھ کھاتے دیکھا۔ تو جل گئے۔ کسی کو اچھا پہنتے دیکھا۔ تو مروڑ اٹھنے لگے۔ اور یہ بھی تو حسد ہی ہے۔ کہ کسی کو شب قدر کے روز حلوہ پکاتے دیکھا۔ تو حلوہ کی دیگچی جلنے سے پہلے خود بھن گئے۔ ہاں تو شیطان حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے بغض رکھنے لگا۔ حتیٰ کہ خداوند کریم جل شانہٗ نے اپنے ید قدرت سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ میرے بھائیو! خالق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ید قدرت سے پیدا فرمانے کا اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک دوسری جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

"اے ابلیس۔ تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اس کے لئے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔"

انبیاء علیہم السلام کی پیدائش

دیکھئے یوں تو ہر چیز کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ اور مجھ اور آپ کو بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ مگر ہمارے لئے یہ "خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" کا ارشاد نہیں فرمایا گیا۔ کہ ہم [illegible] ہر انسان کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا ہے۔ میرے بزرگو! یہ مخصوص اور روز ازل حضرت آدم جنہیں خلیفہ اور نبی بننا تھا ارشاد فرمایا۔ گویا انبیاء کرام علیہم السلام کی پیدائش کو خدا نے خاص اپنی طرف منسوب فرما کر یہ بتایا ہے۔

کہ عوام کی تو پیدائش اگرچہ میری ہی قدرت سے ہے۔ مگر اور چیزیں تو میں ارادہ فرمانے کے بعد کُن فرما کر بھی پیدا فرما دیتا ہوں۔ لیکن خبردار انبیاء کرام علیہم السّلام کو اپنی مثل اور عوام کی سطح پر نہ رکھنا۔ اس لئے کہ ان کی پیدائش " لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ " کی شان رکھتی ہے۔ اور بھائیو! پھر جو ذاتِ بابرکات ان انبیاء کرام علیہم السّلام میں بھی سب سے اعلٰے و ارفع ہو۔ اور جو سید الانبیاء ہوں۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کے لئے بقولِ حضرتِ حسان رضی اللہ عنہ یہ کیوں نہ کہا جائے۔ کہ ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

یعنی "یا رسول اللہ! آپ ہر عیب سے پاک پیدا فرمائے گئے ہیں گویا پیدا فرماتے وقت خدا تعالٰے نے آپ کی مرضی کے مطابق آپ کو پیدا فرمایا تھا"

سبحان اللہ! کیا بات فرما دی ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی کے مطابق پیدا فرمائے گئے ہیں۔ اور کسی محبوب کی یہ مرضی کیسے ہوتی ہے۔ کہ اس میں کوئی کمی یا عیب بھی ہو۔ تو گویا ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی مرضی کے مطابق یعنی بے عیب پیدا فرمائے گئے ہیں۔ اور ہمارے حضور ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہیں۔ ؎

وہ کمالِ حُسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

ہاں تو شیطان لعین نے جب یہ دیکھا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام پیدا فرما دیئے گئے ہیں۔ تو حسد کی آگ جو اس میں تھی وہ بھڑک اٹھی۔ اس کے دل میں ایک پیغمبر کی عداوت نے گھر کر لیا اب دیکھئے۔ اس عداوت نے کیا گل کھلائے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد خدا تعالٰی نے سب فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ:-

اُسْجُدُوا لِآدَمَ ـــ آدم کو سجدہ کرو۔

یہ حکم حق پایا تو ـ

فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلِیْسَ ـــ سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے

شیطان نے سارے فرشتوں سے الگ تھلگ رہ کر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ یہ انکار کیوں کیا ؟

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (پ ۱ ع ۴)

منکر ہوا اور غرور کیا ۔ اور کافر ہو گیا

بے ایمان نے تکبر و غرور کر کے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم سے انکار کر دیا ۔ نتیجہ یہ نکلا ۔ کہ

وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ـــ اور کافر ہو گیا۔

کفر کا فتوےٰ

میرے بھائیو! آجکل ماڈرن طبقہ حضرات علمار کرام پر ایک الزام یہ بھی لگاتا ہے۔ کہ یہ" مولوی' کفر کا فتوےٰ لگا دینے کے عادی ہیں۔ اور لوگوں کو کافر بنا دیتے ہیں۔ بندگو! اور عزیزو! مولوی کبھی کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے ۔ ہاں جو لوگ خود کفر اختیار کرلیں۔ ان پر وہ فتوےٰ ضرور لگاتے ہیں ۔ یوں سمجھ لیجئے ۔ کہ مولوی کافر بناتے نہیں۔ بتاتے ہیں ۔ اور اگر کفر اختیار کر لینے والے کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیئے ۔ تو پھر سب سے پہلے خدا تعالیٰ سے پوچھئے ۔ کہ اس نے ایک عابد و ساجد یعنی شیطان پر کفر کا فتوےٰ کیوں لگایا ؟ اور کیوں فرمایا " وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ ـ اور کافر ہو گیا "

اصل قصہ یہ ہے کہ آجکل کے آزادی پسند اور ترقی یافتہ افراد اسپ بے لگام کی طرح یہ چاہتے ہیں ۔ کہ وہ جہاں چاہیں جائیں۔ جو چاہیں کھائیں اور جو چاہیں کریں۔ انہیں روکنے والا کوئی نہ ہو۔ شرعی حدود و انسانی قیود میں رہنے کا نام ان کے نزدیک رجعت پسندی اور تنگ نظری ہے ۔ اور غیر شرعی و غیر اخلاقی حرکات کو اپنا لینے کا نام ان کے یہاں روشن خیالی اور تہذیب ہے ۔ یورپ کی بخشی ہوئی عریانی و فحاشی اور بے حجابی کو " آرٹ "

ثقافت کا نام دے کر عام کیا جا رہا ہے۔ اور میخواری و میاری کو ہوش و خرد کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ ننگے ناچ۔ اور عورتوں مردوں کا اختلاط۔ سیرت وصورت کی بیہودگیاں، اور چال ڈھال کی نرمستیاں۔ بیڈی بوائز و بیڈی گرلز کا فتور، اور نت نئے فیشنوں کا ظہور یہ سب فتنے اسی یورپ کی دی ہوئی مادر پدر آزادی کے نتائج بد ہیں۔ اور اس قسم کی آزادی کے دلدادہ افراد نہیں چاہتے کہ ان کی راہ میں کوئی روڑہ اٹکائے۔ اور ان کے عیش و عشرت میں کوئی مخل بن کر سامنے آئے۔

دین و مذہب ایسی ہی مادر پدر آزادی سے روکتا ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ انسان۔ انسان ہو کر حیوان بن جائے۔ اور چونکہ دین و مذہب انسان کو اس طرح بد لگام دیکھنے کا روادار نہیں۔ اور وہ انسان کو اپنی حدود کے اندر رکھ کر اس کی انسانی عظمت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے "آزاد" افراد دین و مذہب کے دشمن ہیں۔ اور وہ اس کے نام سے بھی بیزار ہیں مگر چونکہ دین و مذہب کوئی مجسم چیز تو ہے نہیں۔ کہ یہ لوگ اُسے دیکھ کر اس کا وہیں گلا دبا دیں۔ اس لئے وہ ہر اس شخص کو جو دین و مذہب کا حامل نظر آئے۔ ترچھی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اور اس کا حقارت کے ساتھ "مُلّا" نام رکھ کر جو منہ میں آئے کہنے لگتے ہیں۔ اور اُسے بدنام کرنے لگتے ہیں۔ کہ یہ فتوے لگاتا ہے۔ رجعت پسند ہے۔ اور تنگ نظر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ حاجی حق حق نے خوب کہا ہے۔ کہ ؎

کچھ ایسا دَور آیا ہے یہ غفلت اور سستی کا
اڑایا جا رہا ہے اب مذاق احکامِ شرعی کا
نہ کیوں بے دین کو اسلام سے خارج کرے مُلّا
اُتارے بے ٹکٹ کو ریل سے ہے فرض ٹی ٹی کا

ہاں صاحب! خدا تعالیٰ نے شیطان کو کافر قرار دے دیا۔ اور پھر اس سے دریافت فرمایا:-

مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ط

"کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا۔ جب میں نے تجھے حکم دیا"

شیطان لعین نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ "میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا"

دیکھئے بے ایمان نے کیا کہہ دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بہتر کہنے لگا۔ اور دلیل یہ دی۔ کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں اور آدم علیہ السلام مٹی سے۔ گویا اس نے یہ کہا۔ کہ آگ جب جلتی ہے۔ تو اس کے شعلے اوپر کو اٹھتے ہیں۔ اور مٹی ہمیشہ نیچے کو آتی ہے تو جو اوپر اٹھنے والی چیز ہے۔ اسے نیچے گرنے والی چیز کے آگے جھک جانا انصاف نہیں۔ بے دین نے وہاں فلسفہ چھانٹنا شروع کر دیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی کہنا شروع کر دیا۔ قرآن پاک میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ کہ جب خدا تعالیٰ نے دریافت فرمایا۔ کہ تو نے حضرت آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟ تو شیطان نے جواب دیا:۔

لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ (پ۱۴ ع۳) "مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی"

دیکھئے ملعون نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہاں حقارت کے ساتھ بشر کہا۔ اور مٹی سے بنا ہوا قرار دے کر اپنے آپ کو ان سے بہتر قرار دیا۔

بھائیو! شیطان کی شیطانی دیکھو۔ کہ اللہ کے خلیفہ و پیغمبر علیہ السلام کو بشر اور مٹی سے بنا ہوا کہہ رہا ہے۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں؎

گرد دید ابلیس گفت ایں فرع طیں

چوں فزائد بر من آتش جبیں

یعنی ابلیس کو مٹی ہی نظر آئی۔ اور اس نے کہا کہ میں آگ ہوں۔ پھر یہ مٹی مجھ سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟

حضرات! شیطان کو ظاہر بینی سے صرف بشریت و مٹی ہی نظر آئی۔ مردود اگر حقیقت بین ہوتا۔ تو اُسے نورِ نبوت نظر آجاتا۔ اور کبھی ایسے لفظ نہ کہتا۔ دوستو! اس واقعہ سے عبرت حاصل کرو۔ اور اللہ کے محبوبوں کے لئے کبھی ایسے الفاظ نہ کہو۔

فلسفہ

بھائیو! آجکل بعض لوگ اپنے فلسفہ و سائنس پر بڑے نازاں ہیں۔ اور وہ دین و مذہب کو اپنے فلسفہ کے معیار پر پرکھنے کے عادی ہیں۔ اور بہت سے امور کو وہ اسی بنا پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کہ ان کا برائے نام فلسفہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔ چنانچہ بعض لوگ شیطان کے متعلق بھی یہ کہتے ہیں۔ کہ شیطان اگر آگ سے بنا ہوا ہے۔ تو پھر اُسے اگر جہنم میں ڈالا بھی گیا۔ تو اس کا کیا بگڑ سکتا ہے۔ آگ میں آگ ڈال دی جائے۔ تو آگ کا کیا نقصان؟ حضرات! آپ کو ایک مجذوب کا

ایک مجذوب کا قصہ

قصہ سناؤں۔ کسی فلسفی نے ایک مجذوب سے یہی بات دریافت کی۔ کہ سائیں بابا! یہ تو بتاؤ۔ کہ شیطان سنا ہے کہ آگ سے بنایا گیا ہے۔ پھر اگر اُسے آگ میں ڈالا گیا۔ تو اس کا کیا بگڑ سکتا ہے؟ سائیں صاحب نے ایک مٹی کا بڑا سا ڈھیلا اٹھایا۔ اور اس فلسفی کے سر پر زور سے دے مارا۔ اس فلسفی کا سر پھٹ گیا۔ اور وہ چیخا۔ اور پھر بکنے لگا۔ کہ اچھے فقیر ہو کہ مسئلہ پوچھنے پر سر پھاڑ دیا۔ سائیں صاحب نے فرمایا۔ کہ میں نے تو تمہارے سوال کا جواب دیا ہے۔ وہ بولا کہ یہ جواب کیسے ہوا؟ فرمایا جواب ایسے ہوا۔ کہ بتاؤ تم کس چیز سے بنے ہو؟ فلسفی بولا۔ مٹی سے۔ فرمایا اور یہ ڈھیلا جو میں نے تمہارے سر پر مارا ہے یہ کس چیز کا ہے؟ وہ بولا یہ بھی مٹی ہی کا ہے۔ فرمایا تو جواب

ہو گیا۔ کہ جیسے مٹی نے مٹی کا سر پھاڑ دیا ہے۔ اور اسے اذیت و تکلیف پہنچاتی ہے۔ اسی طرح آگ بھی آگ کو جلائے گی۔ اور تکلیف پہنچائے گی فلسفی نے کہا۔ ہاں مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہے۔

بھائیو! دین و مذہب کی ہر بات پر ایمان رکھو۔ وہ بات بظاہر عقل میں آئے یا نہ آئے۔ عقل بے شک بڑی کام کی چیز ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں۔ کہ یہ دین و مذہب کے سربستہ راز بھی ضرور سلجھائے۔ اس کی جہاں تک رسائی ہے۔ یہ وہیں تک کام کرے گی۔ اسے تکلیف مالا یطاق نہ دو۔ اور جو اس کی حد سے پرے کی باتیں ہیں۔ ان تک رسائی کیلئے اسے مجبور نہ کرو۔ بلکہ بقول مولانا رومی علیہ الرحمۃ ع

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفٰےؐ

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و سلم کے ارشادات پر بلا چون و چرا ایمان لانے کی عادت ڈالو۔

عقلی گھوڑا

دیکھئے آپ گھوڑے پر سوار ہوں۔ تو یہ گھوڑا چٹیل میدان میں تو آپ کو لے کر خوب دوڑے گا۔ مگر کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لئے آپ کو اس گھوڑے سے اترنا پڑے گا۔ اور کسی کمند کے ذریعہ سے اس چوٹی تک رسائی ہو سکے گی۔ اور اگر آپ چوٹی پر بھی گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ہی چڑھنا چاہیں گے۔ تو نتیجہ ظاہر ہے۔ کہ نہ گھوڑے کی خیر ہے نہ سوار کی۔ اسی طرح عقلی گھوڑے پر بیٹھ کر آپ دنیوی میدان میں تو دوڑ سکتے ہیں۔ مگر دینی اور اُخروی چوٹیوں تک رسائی کے لئے اس گھوڑے سے اتر کر یقین و ایمان اور عشق و محبت کی کمند کو تھامنا پڑے گا۔ اور اگر آپ دینی معتقدات، اور معجزات و کرامات کی بلندیوں پر بھی اسی عقلی گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے چڑھنا چاہیں گے۔ تو نتیجہ ظاہر ہے کہ گھوڑے کی بھی اور سوار کی بھی خیر نہیں۔ یقیناً وہ کسی الحاد و زندقہ کے گڑھے میں گر کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بہتر کہا۔ اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اب جو خداوند ذوالجلال جلال میں آیا۔ تو فرمایا۔

فَاخْرُجْ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیْنَ۔ (پ ۸ ع ۹) "نکل تو ہے ذلت والوں میں سے"

فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ وَّ اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ (پ ۲۳ ع ۱۳)

تو مردود ہے۔ اور بیشک قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے۔

دیکھئے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم نہ کرنے اور انہیں تحقیر کے ساتھ دیکھنے اور اپنے آپ کو پیغمبر سے بہتر سمجھنے کا ہولناک نتیجہ کیا نکلا۔ کہ شیطان مردود ہو گیا۔ اور قیامت تک کے لئے ملعون ہو گیا۔ لیجئے شیطان کی ساری عبادتیں دھری کی دھری رہ گئیں اور ع

"گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے"

کے مطابق صرف ایک سجدہ تعظیمی نہ کرنے سے عبودیت کے سارے سجدے بھی اکارت گئے۔ اور پیغمبر کی تحقیر سے شیطان کے گلے میں طوق لعنت پڑ گیا۔ شیطان نے جو دیکھا۔ کہ میں تو مارا گیا۔ اور اب مجھے ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔ تو سوچنے لگا۔ کہ اب مجھے ایسی کوشش کرنا چاہیئے۔ جس سے جہنم میں میں اکیلا نہ رہوں۔ بلکہ میرے ساتھی بھی کثرت سے بن جائیں۔ تاکہ وہاں اگر رہوں تو رونق سے تو رہوں۔ چنانچہ اُس نے خدا سے کہا۔

اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔

مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں۔

یعنی اے خدا! مارا تو میں گیا۔ اب اتنا تو کر۔ کہ مجھے قیامت تک کے لئے زندہ رہنے دینا۔ تاکہ میں اپنے ساتھی بنا لوں۔ خدا نے فرمایا۔ اچھا!

اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔ تجھے مہلت ہے۔

بھائیو شیطان کو مہلت مل گئی۔ اب وہ گویا چھاتی پر ہاتھ مار کر کہنے لگا:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ (پ ۲۳ ع ۱۴)۔ (یا اللہ) تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں"

قسم

میرے بھائیو! شیطان کے ذرا تیور دیکھنا۔ قسم کھا کر اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کا اعلان کر رہا ہے۔ بزرگو! اور دوستو! یہ مردود جب آدم علیہ السلام کے پاس جنت میں پہنچا تھا۔ تو دانۂ گندم کھلانے کے لئے اس نے یہ قسم کھائی تھی۔

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ۔ (پ ۸ ع ۹)

اور اُن (آدم و حوا علیہما السلام) سے قاسم کھائی۔ کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

دیکھئے یہاں خیر خواہی کی قسم کھا رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔ کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مگر جو کچھ خیر خواہی اس نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے کی سب جانتے ہیں۔ خبیث نے محض دھوکا دہی کے لئے قسم کھائی تھی۔ تو بھائیو! ذرا سوچنا۔ کہ جہاں اس خبیث نے خیر خواہی کرنے پر قسم کھائی تھی۔ وہاں اس نے خیر نہ گزاری تھی۔ تو ہمارے لئے تو وہ علی الاعلان گمراہ کرنے کے عزم پر قسم کھا رہا ہے۔ اور کہہ رہا ہے۔

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ

تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا"

تو غور کر لیجئے۔ کہ ہمارے ساتھ وہ کب خیر گزارنے والا ہے۔

ایک بات اور بھی سمجھ لیجئے۔ کہ شیطان کا یہ پرانا حربہ ہے۔ کہ یہ خیر خواہی کے روپ میں اور قسمیں کھاتا ہوا آتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کے

داؤ بھی آ جائیں۔ ہم نے اب بھی دیکھا ہے۔ کہ یہ ذکر و فکر کی مجلسوں اور اللہ کے مقبولوں کی محفلوں سے خیر خواہی کے روپ میں آ کر روکتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ یہ تمہارا پیسہ فضول خرچ ہو رہا ہے۔ اسے کسی اور ضروری فنڈ میں خرچ کرو۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ خدا کی قسم میں تمہارا ہم مذہب ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بھائیو! یہ سب شیطانی داؤ ہیں۔ اس کے مکر و فریب سے بچو۔

حلوہ میں زہر

آیئے آپ کو ایک حکایت سناؤں۔ ایک شخص ایک بوسیدہ دیوار کے نیچے سو رہا تھا۔ اور دیوار گرنے ہی والی تھی۔ فوراً ایک شخص آیا اور اس نے سونے والے شخص کو جگا کر ایک طرف کھینچ لیا۔ دیوار گر گئی۔ اور سونے والا بچ گیا۔ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا۔ اور پوچھا آپ کون ہیں؟ اُس نے بتایا۔ میں تو شیطان ہوں۔ یہ حیران رہ گیا۔ کہ شیطان اور میری خیر خواہی پوچھنے لگا۔ کہ شیطان ہو کر تو نے یہ میرے ساتھ نیکی کیوں کی؟ شیطان بولا۔ کہ چونکہ یہ مسئلہ ہے۔ کہ جو شخص دیوار کے نیچے دب کر مر جائے وہ شہید مرتا ہے۔ تو میں نے تمہیں دیوار کے نیچے دب کر مرنے سے اس لئے بچایا ہے۔ تاکہ تم شہید نہ مرو۔ (نزہتہ المجالس صفحہ ۱۶۳ ج ۱) دیکھا آپ نے ملعون نے کس طرح حلوہ میں زہر ملا کر دیا۔ گویا اس کی نیکی بھی ہمارے لئے خطرناک ہے۔ بھائیو! یہ ملعون کوئی نیک کام بھی کرنے کو کہے۔ تو سمجھ لو۔ کہ اس میں بھی اس کا کوئی داؤ ہے۔ حتیٰ کہ یہ کلمہ پڑھانے یا نماز پڑھانے کے لئے بھی آئے۔ تو بھی اس کا کوئی داؤ ہی سمجھئے اسی لئے علماء کرام یہ کہتے ہیں۔ کہ کسی بد عقیدہ شخص سے قرآن بھی مت سنو۔ قرآن تو ہمارے لئے واجب التعظیم ہے۔ مگر بد عقیدہ کے منہ سے جو بات نکلے۔ اس سے اجتناب ہی ضروری ہے۔ خالص گھی بڑی اچھی چیز ہے۔ مگر مٹی کے تیل کے پیپے سے اگر خالص گھی بھی نکلے گا۔ تو بدبو دار ہی ہوگا۔ اور طبیعت کا یہ فتویٰ ہوگا۔ کہ مت کھاؤ۔ یونہی

قرآن پاک بھی کسی بد عقیدہ کے منہ سے نکلے گا۔ تو شریعت کا یہی فتویٰ ہوگا۔ کہ مت سنو۔ میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو!! اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ اور کسی ایسی مجلس کو اختیار نہ کرو۔ جس سے تمہارے ایمان پر حرف آئے۔ ایسی بری مجلسوں کو اختیار کرنے کا نتیجہ بہت بُرا ہوتا ہے۔

صُحبتِ بد

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک تمثیلی قصہ لکھا ہے۔ کہ ایک چوہا اور ایک مینڈک تھے۔ اور ان دونوں میں بڑی دوستی تھی۔ ایک مرتبہ ان دونوں نے مشورہ کیا۔ کہ ہم میں سے ایک پانی میں رہتا ہے۔ اور دوسرا بل میں۔ ایک دوسرے کو بلانے میں دقت ہوتی ہے۔ ہم یوں کرتے ہیں۔ کہ ایک لمبا سا دھاگہ لے کر اس کا ایک ایک سرا اپنے اپنے پاؤں میں باندھ لیتے ہیں۔ جب ایک کو بلانا منظور ہو۔ تو وہ دھاگہ کھینچے اور دوسرا اشارہ پا کر نکل آئے چنانچہ چوہا ایک جلاہے کے گھر جا کر لمبا سا دھاگہ لے آیا۔ اور دونوں نے اس کا ایک ایک سرا اپنے اپنے پاؤں سے باندھ لیا۔ اور پھر مینڈک پانی میں اور چوہا بل میں گھس گیا۔ جب انہوں نے یہ کام پورا کر لیا۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کہ ؎ (اردو منظوم ترجمہ)

دیکھتا تھا ایک کوّا سب یہ حال ؛ دل میں بولا خوب ہاتھ آیا یہ مال
کودتا اور پھاندتا آگے بڑھا ؛ تار لے کر چونچ میں اوپر چڑھا
بل سے چوہا اور مینڈک جھیل سے ؛ خود بخود آئے گھسٹے کھنچیں سے

کوے نے دھاگے کو درمیان سے تھاما اور لے اڑا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر مینڈک صاحب ایک طرف لٹک رہے تھے۔ اور اُدھر دوسری طرف چوہے صاحب گویا روسی راکٹ میں سیر کر رہے تھے۔ لوگوں نے یہ عجیب وغریب منظر دیکھا۔ تو ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا۔ ؎

ایک نے پوچھا کہ کیا مینڈک کو یار ؛ زاغ کر سکتا ہے پانی میں شکار
دوسرا بولا نہیں ممکن نہیں ؛ اسکو لے ڈوبا ہے اس کا ہمنشیں

بھائیو! مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے یہ قصہ لکھ کر اس سے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ ؎

صحبتِ بد سے رہو تم پُر حذر
سچ ہے یہ صحبت کا ہوتا ہے اثر
نیک کی صحبت تمہیں دے گی جلا!
صحبتِ بد خاک میں دے گی ملا

بھائیو! بد عقیدگی و بد مذہبی کی اور ساری بری مجلسوں سے بچو۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ پچھلے دنوں جب بھارت اور پاکستان میں انفلوئنزا کا مرض پھیلا تھا۔ تو ڈاکٹروں نے اخبارات میں یہ عام ہدایات شائع کی تھیں۔ کہ

- جس شخص پر اس مرض کا حملہ ہو جائے۔ اس کی بیمار پرسی کے لئے نہ جاؤ۔
- مریض کے قریب نہ جاؤ۔
- اس سے بات کرو تو دور سے۔ اور ناک منہ پر کپڑا رکھ کر کرو۔
- اس کا پس خوردہ نہ کھاؤ۔
- اس کے ساتھ مل کر نہ کھاؤ نہ پیو۔
- اس کے استعمال کردہ کپڑے کو گرم پانی میں ڈال کر دھو لو وغیرہ وغیرہ۔

بھائیو! واقعی یہ ہدایات مفید ہدایات تھیں۔ اور ان ہدایات پر جان کی خاطر سب نے عمل کیا۔ اور دیکھئے۔ کہ کسی نے کبھی تو یہ نہیں کہا تھا۔ کہ یہ ہدایات روا داری کے خلاف ہیں۔ اور ڈاکٹروں کی یہ "تنگدلی" ہے۔

بھائیو! اسی طرح اپنے ایمان کی خاطر بھی ہر اُس شخص سے بچو۔ جس پر بد عقیدگی و شیطانی انفلوئنزا کا حملہ ہو چکا ہو - اور

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد حق بنیاد اِیَّاکُمْ وَ اِیَّاھُمْ پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو ایسے شخص سے بچاؤ۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی اُس مرض کا حملہ ہو جائے۔ اور تمہیں اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ ہاں نیک اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ تاکہ تمہارا بیڑا پار ہو جائے۔

اچھے سنگترے چنانچہ خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ سنئے۔ آپ اپنے مریدین کے ساتھ شہر میں سے گزر رہے تھے۔ آپ نے سنا کہ ایک سنگترے بیچنے والا آواز دے رہا تھا۔

"اچھے سنگترے"

حضرت صاحب نے ایک نعرہ لگایا۔ اور فرمایا یہ دکاندار کیا اچھی اور معرفت کی بات کہہ رہا ہے۔ سمجھنے والو سمجھو۔ یہ کیا کہہ رہا ہے؟ سنو! یہ کہہ رہا ہے۔

"اچھے سنگ ترے"

یعنی جو اچھوں کے سنگ ہو گیا وہ تر گیا۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی بھی کیا بات ہے۔ کہ کیا اچھے معنی پیدا فرمائے۔ اسے کہتے ہیں۔ "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست"۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ شیطان کو جب مہلت مل گئی۔ تو اُس نے علی الاعلان یوں کہا۔ کہ

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔

یعنی یا اللہ! تیری عزت کی قسم! میں بھی ان سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔

یعنی آدم علیہ السلام جن کی وجہ سے تو نے مجھے اپنی بارگاہ سے مردود قرار دے دیا ہے۔ میں بھی اب ان کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ اور تنہا جہنم میں نہ آؤں گا۔ بلکہ بہت سے اپنے ساتھی بنا کر ساتھ لاؤں گا۔

اور اے مولا! میں اپنی ایک شکست ابھی تسلیم کر لیتا ہوں۔ کہ جو تیرے نیک اور مخلص بندے ہیں۔ ان پر میرا داؤ نہیں چلے گا۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے ان اللہ والوں کی۔ کہ شیطان پہلے ہی یہ تسلیم کر رہا ہے۔ کہ ان اللہ والوں پر میرا داؤ نہیں چل سکے گا۔ میرے بھائیو! ایک عام لوگ بھی ہیں۔ کہ جو شیطان کی نظر میں ایک گیند کی مانند ہیں۔ جسے وہ جس طرف بھی لڑھکائے وہ لڑھک جاتے ہیں۔ اور ایک یہ اللہ والے بھی ہیں۔ کہ ان کے سامنے شیطان اپنی شکست مان رہا ہے۔

ایک ولی کی حکایت

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے۔ کہ ایک مرتبہ انہیں خواب میں شیطان ملا۔ انہوں نے شیطان سے پوچھا۔ کہ میں اگر تجھ جیسا بننا چاہوں۔ تو مجھے کیا کرنا پڑے گا؟ تو مجھے شیطان بننے کے موٹے موٹے اصول بتا دے۔ جن پر عمل کرنے سے کوئی تجھ جیسا بننا چاہے۔ تو بن سکے۔ شیطان بڑا خوش ہوا کہ اتنا بڑا ولی میرے جیسا بننا چاہتا ہے۔ بڑی خوشی سے بولا۔ کہ جناب! میرے جیسا بننے کے لئے کوئی زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔ صرف دو باتیں اپنا لینے سے مجھ جیسا بنا جا سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ میں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ پس آپ بھی نماز پڑھنا چھوڑ دیں۔ دوسرے یہ کہ میں نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تھی۔ پس آپ بھی جھوٹی قسمیں کھانا شروع کر دیں۔ نماز کا چھوڑنا۔ اور جھوٹی قسمیں کھانا۔ یہ دو باتیں اپنا لینے سے ہر شخص مجھ جیسا بن سکتا ہے۔

اس بزرگ نے سن کر فرمایا۔ میں کسی ترکیب سے شیطانی اصولوں کا پتہ لینا چاہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ تم نے مجھے بتا دیا۔ لو سنو! میں اُس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ جس نے تمہیں مردود کیا۔ میں نہ کبھی نماز چھوڑوں گا۔ اور نہ ہی کبھی جھوٹی قسم کھاؤں گا۔ اور ہمیشہ

ان شیطانی باتوں سے بچتا رہوں گا۔

شیطان نے یہ بات سنی۔ تو گھبرا کر بولا۔ مجھے بھی اُسی خدا کی قسم! جس نے مجھے مردود کیا ہے۔ آئندہ میں کبھی کسی ولی کو نصیحت نہ کروں گا۔" آپ نے تو بڑی ترکیب سے میرا راز معلوم کر لیا۔

سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے کہ شیطان عوام کو تو گمراہ کر سکتا ہے۔ مگر اللہ کے مقبولوں پر اس کا داؤ نہیں چل سکتا۔ بلکہ اللہ والوں سے وہ خود ہی چت ہو جاتا ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! چونکہ شیطان اِن اللہ والوں کے قریب آنے سے ڈرتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے عام بندوں کو حکم فرمایا ہے۔ کہ

کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ۔

یعنی اے میرے بندو! سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

مطلب یہ کہ ان اللہ والوں کے ساتھ ہو جاؤ گے۔ تو شیطان چونکہ ان کے پاس تو آنے سے ڈرتا ہے۔ اس لئے تم جو ان کے ساتھ ہو جاؤ گے۔ تو تم بھی شیطان کی گرفت سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

میرے بھائیو! دیکھ لو جو لوگ اللہ والوں کے مرید ہیں۔ اور جنہوں نے اللہ والوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے۔ وہ کبھی بدمذہب نہیں ہوتے۔ بدعقیدگی کے شکار وہی ہوتے ہیں۔ جو "بے مرشدے" ہوتے ہیں۔ دعا کیجئے۔ خدا تعالیٰ "بے مرشدگی" سے محفوظ رکھے۔

رحمان اور شیطان

میرے بھائیو! علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے نزہۃ المجالس میں ایک پر لطف مکالمہ درج فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جب شیطان کو مردود کر دیا۔ تو شیطان نے کہا۔ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ "میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔"

خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ لَاُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ "میں ان سب کے گناہ معاف کردوں گا۔"

شیطان نے کہا:۔

لَاٰتِیَنَّھُمْ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَ مِنْ خَلْفِھِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِھِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِھِمْ میں ان کے آگے پیچھے سے اور ان کے دائیں بائیں سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں گمراہ کروں گا۔"

خدا نے جواب میں فرمایا۔ مردود! تو نے چار سمتیں سنبھال ہیں۔ اور دو سمتیں تجھ سے رہ گئیں۔ اوپر کی اور نیچے کی۔ چار سمتیں تمہاری اور دو میرے بندوں کی۔

فَاِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ فِی الدُّعَاءِ عَلٰی سَبِیْلِ الْخُضُوْعِ اَوْ وَضَعَ وَجْھَہٗ عَلَی الْاَرْضِ عَلٰی سَبِیْلِ الْخُشُوْعِ غَفَرْتُ لَہٗ ـــــ

میرا بندہ جب خضوع کے ساتھ اپنے ہاتھ دعا کے لئے اوپر اٹھائے گا۔ یا خشوع کے ساتھ اپنا منہ سجدہ کے لئے نیچے ڈال دے گا۔ تو میں اس کے سب گناہ معاف کر دوں گا۔"

سبحان اللہ! کیا شانِ رحمت ہے۔ میرے بھائیو! اپنے مولائے کریم جلشانہٗ کی رحمت تو دیکھو۔ کہ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے۔

بھائیو! شیطان کو جب تعظیم آدم علیہ السّلام نہ کرنے کی پاداش میں مردود کر دیا گیا۔ تو یہ بہت گھبرایا۔ خدا تعالیٰ سے اسے لمبی عمر بھی مل گئی۔ اب یہ سوچنے لگا۔ کہ میں کس صورت سے اولادِ آدم کو گمراہ کروں۔ اور کس سلسلہ کے تحت انہیں اپنا ساتھی بناؤں۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد اس نے خیال کیا۔ کہ میں جس وجہ سے مردود ہو ہوں۔ وہی کام میں اولادِ آدم سے بھی کیوں نہ کراؤں؟ اس نے سوچا۔ کہ میں نے حضرتِ آدم علیہ السّلام کی تعظیم نہیں کی۔ اور اپنے آپ کو ان سے بہتر قرار دیا۔ اور کہا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔ میں اس سے اچھا ہوں۔ کیوں نہ لوگوں سے بھی میں یہی بات کہلواؤں۔ پھر اس نے سوچا۔ کہ اللہ کے پیغمبر سے اپنے آپ کو بہتر قرار دینا یہ میرا ہی حوصلہ تھا۔ اور میری ہی جرأت تھی۔ دوسرے لوگ ایسا نہ کہہ سکیں گے۔ آخر اُسے یہ بات سوجھی۔ کہ میں لوگوں سے یوں کہوں گا۔ کہ تم اگر اللہ کے پیغمبروں سے اپنے آپ کو بہتر نہیں کہہ سکتے۔ تو کم از کم

انہیں اپنی مثل تو کہو۔ بہتر نہ سہی۔ یوں کہہ دو۔ کہ پیغمبر بھی ہماری مثل بشر ہیں۔ یہ بات سوچ کر شیطان خوش ہو گیا۔ اور اس نے اپنا پروگرام بھی تیار کیا۔ کہ جب بھی اللہ کا کوئی پیغمبر دنیا میں آیا۔ میں اپنے ماننے والوں سے یہی بات کہلواؤں گا۔ کہ یہ پیغمبر تو ہماری ہی مثل ایک بشر ہے۔ چنانچہ سنئے:۔

حضرت نوح علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے۔ تو شیطان نے اپنے مریدین کفار کو یہی سبق دیا۔ کہ شاباش میرے شاگردو کہو یہی بات۔ کہ یہ تو ہماری مثل ایک بشر ہی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک بیان فرماتا ہے۔ کہ

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ (پ۱۲ ع۳) "تو اس (نوح) کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں"

دیکھ لیجئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کافروں نے وہی کچھ کہا جو کچھ شیطان نے سبق دیا تھا۔

حضرت صالح علیہ السلام حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے۔ تو شیطان نے پھر اپنے مریدین کفار سے کہا۔ ہاں میرے پرستارو! بڑھو آگے اور کہو وہی جو میں نے پڑھا رکھا ہے۔ چنانچہ کافروں نے حضرت صالح علیہ السلام سے کہا۔

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (پ۱۹ ع۱۲) "بولے تم پر جادو ہوا ہے۔ تم تو ہم جیسے بشر ہو"

دیکھ لیجئے۔ وہی بات جو شیطان نے پڑھائی تھی۔ انہوں نے بھی کہہ دی۔

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام تشریف لائے۔ تو شیطان نے یہاں بھی کافروں سے وہی بات کہلوائی۔ چنانچہ کافروں

نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا۔

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (پ۱۹ ع ۱۰)

"تم تو نہیں مگر ہم جیسے بشر اور بیشک ہم تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔

دیکھا آپ نے یہ بھی وہی سبق ہے یا نہیں۔ جو شیطان نے پڑھایا

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام

تھا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تشریف لائے۔ تو کافروں نے ان سے بھی وہی کچھ کہا۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔ (پ۱۸ ع ۳)

"بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو بشروں پر"۔

اسی طرح سورۃ یٰسین میں پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

واضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْا اِنَّا اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ۔ قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ (پ۲۲ ع ۱۹) "اور ان سے نشانیاں بیان کرو۔ اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے آئے جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے۔ پھر انہوں نے ان کو جھٹلایا۔ تو ہم نے تیسرے سے زور دیا۔ اب ان سب نے کہا۔ کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے بشر"

میرے بھائیو! قرآن پاک کا مطالعہ کرکے دیکھ لو۔ جب بھی کوئی اللہ کا پیغمبر تشریف لایا۔ شیطان نے اپنے مریدین کفار سے یہی کہلوایا ہے۔ اور کافروں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو "بَشَرٌ مِّثْلُنَا" کہہ کر ہی خطاب کیا۔ گویا شیطان نے جو اپنی سکیم بنائی تھی۔ اس میں وہ کامیاب ہو گیا۔ اور اپنے مریدین سے یہ کہلوا کر رہا۔ کہ یہ پیغمبر ہم جیسے بشر ہیں۔

حضراتِ کرام! اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔ کہ انبیاء کرام علیہم السّلام بالخصوص حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ و سلم کے لئے "ہماری مثل بشر" کہنا کہاں تک جائز ہے۔

بشریت عزیزو! انبیاء کرام علیہم السّلام کی مطلقاً بشریت کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ یہ نفوسِ قدسیہ علیہم السّلام بیشک لباسِ بشریت میں تشریف لائے۔ مگر یہ مثلیت کا دعویٰ بڑا ہی خطرناک ہے اگر کہا جائے۔ کہ دیکھو صاحب! دو ہاتھ ہمارے۔ دو ہی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے۔ دو کان ہمارے۔ دو ہی حضور علیہ السّلام کے۔ دو آنکھیں ہماری دو ہی حضور کی۔ پھر مثلیت ہوئی یا نہ؟ تو ہم گزارش کرینگے کہ اس طرح تو دو ہاتھ تمہارے اور دو ہی فرعون کے بھی تھے۔ دو کان تمہارے دو ہی فرعون کے۔ دو آنکھیں تمہاری دو ہی فرعون کی بھی تھیں پھر اگر کوئی آپ کو یوں کہے۔ کہ آپ بھی فرعون کی مثل ایک بشر ہیں۔ تو کیا آپ برا تو نہ منائیں گے؟ ہمارا خیال ہے۔ کہ یقیناً برا منائینگے۔ تو جناب! جس طرح فرعون کی مثل آپ کو بتانا آپ کی توہین ہے۔ اسی طرح آپ کی مثل حضور صلے اللہ علیہ و سلم کو بتانا یہ حضور علیہ السلام کی توہین ہے۔

علاوہ ازیں۔ صرف بشر کہنا بھی محل نظر ہے۔ بشر ہونا اور بات ہے اور بشر کہنا اور بات ہے۔ ہر شخص کی والدہ اس کے والد کی جورو ہوتی ہے۔ مگر کوئی اپنی ماں کو یوں کہہ کر تو دیکھے۔ کہ اے میرے ابا کی جورو۔ یوں کہے گا۔ تو ماں جوتا لے کر پڑے گی۔ اور کہے گی۔ نالائق! میرے لئے یہی لفظ رہ گیا ہے تمہارے پاس۔ اور کوئی لفظ یاد نہیں۔ مجھے بلانا ہے۔ تو اماں جان کہو۔ امّی کہو۔ والدہ صاحبہ کہو۔ بلاتشبیہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ و سلم کا ذکر خیر ہو۔ تو کیا یہی ایک لفظ رہ گیا ہے۔ ہزاروں لاکھوں اسمائے گرامی ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اللہ کا محبوب کہئے۔ دانائے غیوب کہئے۔ امت کا سہارا کہئے۔ اللہ

کا پیارا کہیئے۔ خاتم المرسلین یا رحمۃ للعالمین کہئے۔ محبوب کبریا کہئے۔ سرورِ ہر دوسرا کہئے۔ ہزاروں نام ہیں میرے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری!
حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے

طوطی مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ ایک عطار کے پاس ایک طوطی تھا۔ اس میں یہ کمال تھا۔ کہ بڑی میٹھی میٹھی باتیں کیا کرتا تھا۔ لوگ اس کی باتیں سننے کے لئے وہاں ٹھہر جایا کرتے تھے۔ اور عطار کی بکری خوب ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ عطار گھر گیا۔ تو طوطی نے دکان میں اڑنا شروع کیا۔ اور اس کے اڑنے سے تیل کی کچھ بوتلوں کو ٹھوکر لگی۔ اور وہ سب ٹوٹ گئیں۔ اور سارا تیل بہ گیا۔ عطار دکان میں آیا۔ تو یہ ماجرا دیکھ کر سخت غصہ میں بھر گیا۔ اور طوطی کو پیٹنے لگا۔ عطار نے طوطی کے سر پر کچھ ایسا مارا۔ کہ طوطی کے سر کے بال اڑ گئے۔ اور وہ گنجا ہو گیا۔ پٹنے کے بعد طوطی نے چپ سادھ لی۔ اور میٹھی گفتگو کرنا اس نے چھوڑ دی۔ عطار بڑا پچھتایا۔ کہ میں نے ناحق اسے مارا۔ اور یہ خاموش ہو گیا۔ بڑی کوشش کی۔ مگر طوطی پھر نہیں بولا۔

ایک مرتبہ ایک سائل جو سر سے گنجا تھا۔ عطار کی دکان پر مانگنے کے لئے آیا۔ طوطی نے جو اُس گنجے فقیر کو دیکھا۔ تو طوطی بول اٹھا۔ اور اس فقیر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"میاں گنجے! کیا تو نے بھی کوئی تیل کی بوتل توڑی ہے۔"

طوطی نے سمجھا۔ کہ جس طرح میں تیل کی بوتل توڑ کر اور پٹ کر گنجا ہوا ہوں۔ اسی طرح یہ فقیر بھی کہیں سے پٹ کر ہی گنجا ہوا ہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے۔ جو اللہ کے مقبولوں کے حالات کو اپنے حالات پر قیاس کر لیتے ہیں۔ مولانا نے پھر فرمایا۔ سے

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر!
شیر آں باشد کہ مردم را درو
شیر آں باشد کہ مرد او را خورد

یعنی پاک لوگوں پر اپنا قیاس مت کرو۔ اور انہیں اپنی مثل مت سمجھو۔ دیکھو شیر اور شِیر لکھنے میں تو برابر ہیں۔ مگر پہلا شیر ایک درندہ ہے۔ جو آدمی کو کھا جاتا ہے۔ اور دوسرا شِیر (دودھ) ہے۔ جسے آدمی پی جاتا ہے۔

ہاں تو بھائیو! اس شیطان نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ اور لوگوں کو بہکانا شروع کیا۔ اور کئی بدنصیب لوگوں کو اس نے اپنا ساتھی بنا ہی لیا۔ بدعقیدگی کے ساتھ ساتھ بدعملی کا درس بھی یہی دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ لوگ اس کے پیچھے لگ کر اس کے جہنم کے ساتھی بن جائیں۔

میرے بزرگو! اور دوستو!! یہ جو لوگ آج کل شیطانی راہوں میں برے کاموں پر توبے دریغ روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اور اچھے کاموں میں خرچ کرنے کے وقت بخیل بن جاتے ہیں۔ یہ سب شیطانی داؤ کے شکار ہیں۔ اسی طرح آج اکثر لوگ جو نماز نہیں پڑھتے۔ یا نماز پڑھنے والوں پر مذاق اڑاتے ہیں۔ نہ خود شریعت پر عمل کرتے ہیں۔ اور نہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ دوسرے ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں۔ ایسے سب لوگ شیطان کے تابعدار ہیں۔ بھائیو! اس مردود سے بچنے کی کوشش کرو۔ خداوند کریم جو اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ نہیں چاہتا۔ کہ ہم شیطان کے چنگل میں پھنس کر اپنی عاقبت خراب کریں۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا۔ (پ۲۲ ع ۱۳)

"بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ تم بھی اُسے دشمن سمجھو"

کس قدر حماقت و نادانی ہے اس شخص کی جو اپنے ازلی دشمن کو اپنا دوست سمجھ لے۔ اور اس کا کہا مان کر اپنی عاقبت خراب کرے۔

خدا کی پناہ میرے بھائیو! آیئے ہیں آپ کو اللہ تعالیٰ کا ایک اور عظیم

احسان سناؤں۔ شیطان مردود بڑی طاقت کا مالک ہے۔ اس کے داؤ سے بچنا بھی کارے دارد۔ آج ہم اگر اس کے داؤ سے بچنا بھی چاہیں۔ تو کیسے بچیں۔ جب کہ وہ مردود ہمیں ہر حال میں دیکھتا ہے۔ مگر ہم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ جتنی طاقت اس کے پاس ہے۔ ہمارے پاس نہیں۔ یہ واقعہ ہے۔ کہ ہم اس کے سامنے کمزور ہیں۔ اور وہ بہت طاقتور ہے۔ ہم اگر اللہ کے پاس جانا چاہیں۔ اس کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کریں۔ اور نیک بن جانے کی ٹھان لیں۔ تو یہ راستے میں بیٹھا ہوا جو ہمارا پرانا دشمن شیطان ہے۔ یہ ہماری راہ روک لیتا ہے۔ خدا کے حضور نہیں جانے دیتا۔ اس صورت میں ہم کیا کریں؟

میرے بھائیو! ایک مثال عرض کروں۔ دیکھئے۔ آپ کسی بڑے آدمی سے ملنے کے لئے جائیں۔ اور جب اس کے دروازے پر پہنچ جائیں۔ تو دروازے پر ایک خونخوار کتا بیٹھا نظر آئے۔ جو آپ کو مکان کے اندر داخل نہیں ہونے دیتا۔ تو اس وقت آپ کے لئے اندر جانے کی صرف تین صورتیں ہیں

ایک یہ کہ آپ میں خود اتنی جرأت و ہمت ہو۔ کہ آپ اس کتے پر غلبہ حاصل کرکے اندر داخل ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ صاحبِ مکان کے کسی دوست کو دیکھیں۔ کہ وہ اندر جا رہا ہے۔ تو آپ اس کے ساتھ ہو لیں۔ صاحب مکان کے اس دوست پر چونکہ کتا حملہ نہیں کرے گا۔ اس لئے آپ اگر اس کے ساتھ ہو جائینگے تو آپ بھی کتے کے حملہ سے بچ جائیں گے۔

تیسرے یہ کہ آپ خود صاحبِ مکان کو آواز دیں۔ کہ چوہدری صاحب! ذرا باہر تشریف لائیے۔ یہ کتا مجھے اندر نہیں آنے دیتا تو آپ کی آواز سن کر چوہدری صاحب خود آپ کی مدد کو نکل آئیں۔ اور اپنے ساتھ آپ کو اندر لے جائیں۔

بلا تشبیہ ہم جب خدا کے حضور جانا چاہتے ہیں۔ تو یہ رستے میں

بیٹھا ہوا کتا یعنی شیطان ہمیں آگے نہیں بڑھنے دیتا۔ پہلی صورت کے مطابق تو اولیاء کرام کے وجود ہیں۔ جن میں اتنی جرأت و ہمت ہے۔ کہ وہ اس خبیث کتے کو مغلوب کر کے بارگاہِ حق میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ــــ یعنی شیطان کو اللہ والوں پر غلبہ حاصل نہیں ہے،

دوسری صورت کے مطابق ہم عام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

یعنی ان اللہ والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ چونکہ ان پر تو شیطان کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔ اس لئے تم اگر ان کے ساتھ ہو گئے۔ تو تم بھی اس کے غلبہ سے بچ جاؤ گے۔

اور تیسری صورت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ کہ

فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝

یعنی خود اللہ تعالیٰ سے عرض کرو۔ کہ الٰہی! اس شیطان مردود سے بچنے کے لئے ہم تیری پناہ چاہتے ہیں۔ ہمیں اس مردود کے غلبہ سے تو خود بچا۔

الغرض میرے بھائیو! یہ شیطان ہمارا ازلی دشمن ہے۔ اس سے بہرحال بچو۔ اب میں بزرگانِ دین کی ایک مختصر سی مگر جامع تقریر سنا کر اپنا وعظ ختم کرتا ہوں۔ بزرگان دین لکھتے ہیں۔ کہ شیطان کو جب مردود کر کے زمین پر گرایا گیا۔ تو اس کی تعزیت کے واسطے دنیا اور ہوا (حرص)، نے آ کر کہا۔ اے شیطان! غم نہ کر۔ ہم دونوں

ایک جامع تقریر

تمہارے ساتھی ہیں۔ اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ہم تیرے معاون رہیں گے یہ بات سن کر شیطان خوش ہو گیا۔ اور پھر آپس میں تقسیم کار کرنے لگے۔ شیطان نے کہا۔ میں تو ان کو اطاعتِ الٰہی سے روکتا رہوں گا۔ دنیا بولی اور میں ان کے سامنے مزین ہو کے آتی رہوں گی۔ تاکہ وہ میرے ہو کر

حلال و حرام کی تمیز نہ کریں۔ ہوا نے کہا۔ اور ہیں مختلف قسم کی غیر مشروع خواہشات ان کے سامنے لاتی رہوں گی۔ پھر تینوں بولے۔ کہ ہمارے کوئی خلیفے بھی ہونے ضروری ہیں۔ ابلیس نے کہا۔ میرا خلیفہ تکبر ہے۔ دنیا نے کہا۔ میرا خلیفہ حرص ہے۔ ہوا بولی! میرا خلیفہ حسد ہے۔ پھر بولے۔ کہ ہمارا لشکر ہونا بھی لازم ہے۔ شیطان بولا۔ میرا لشکر کفار ہیں۔ دنیا بولی۔ خواہشات و لذات میرا لشکر ہے۔ ہوا بولی۔ عیش و عشرت کے سامان میرا لشکر ہے۔

پھر بولے ہمارے جھنڈے بھی ہونے ضروری ہیں۔ شیطان بولا۔ میرا جھنڈا کفر ہے۔ دنیا بولی۔ غفلت میرا جھنڈا ہے۔ ہوا نے کہا۔ اور گناہ میرا جھنڈا ہے۔

فرماتے ہیں۔ کہ یہ تینوں لشکر اپنے تینوں خلیفوں کے ساتھ مومن کے وجود میں پھیل جاتے ہیں۔ اور مومن کا ایمان لوٹنے کے لئے جنگ شروع کر دیتے ہیں۔ ادہر بندے کے باطنی میدان میں دل بادشاہ ایمان کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر اٹھتا ہے۔ اور معرفت کے لشکر کو حکم دیتا ہے۔ کہ دل اور تمام اعضا کی حفاظت کرو۔ اور عقل کو اپنا وزیر اور علم کو سپہ سالار بنا دیتا ہے۔ تو دشمن کے مقابلہ میں مجاہدان باطنی اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ — کی بندوق اور — اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ — کی تلوار لے کر اور بدن پر وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ کی زرہ پہن کر ساتھ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کی ڈھال رکھ کر میدان میں آ جاتے ہیں۔

الغرض یہ دونوں لشکر لڑائی میں ہیں۔ اور بندے کا سینہ میدان جنگ۔ پھر خدا کی نصرت شامل ہو جائے۔ تو فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ۔ اور اگر معاذ باللہ حق تعالیٰ سے خذلان نصیب ہوا۔ اور لشکر شیطان غالب ہو گیا۔ تو فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ۔ پس ہمیں سب کو چاہیئے۔ کہ ہمیشہ اپنے ظاہری و باطنی حالات کی طرف توجہ رکھیں۔ تاکہ حق تعالیٰ نور ایمان سلامت رکھ کر اپنے پیاروں اور مقبولوں میں داخل کر کے دنیا سے با ایمان اٹھائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اکتیسواں وعظ

دِل کی صفائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔ وَ الْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغَافِلُوْنَ ۔ (پ ۹ ع ۱۲)

(ترجمہ) اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت جن ۔ اور آدمی ۔ وہ دل ۔ رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں ۔ اور وہ آنکھیں

جن سے دیکھتے نہیں۔ اور وہ کان جن سے سنتے نہیں۔ وہ
چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔ وہی غفلت
میں پڑے ہیں۔

حضرات! آج میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میں "دل کی صفائی" کے عنوان پر آپ کو وعظ سناؤں۔ بھائیو! میرے اس وعظ کو دل کے کانوں سے سننا۔ اس لئے کہ سر کے کان تو جانوروں کو بھی میسر ہیں۔ ہاں انسان ہی ایک ایسا اشرف وجود ہے۔ جو دل کے کان بھی رکھتا ہے۔ اس لئے بھائیو! وعظ سننے کا فائدہ اسی میں ہے۔ کہ دل کے کانوں سے سنا جائے۔ اور دل کے کانوں سے سننے سے مراد کیا ہے؟ یہ بھی سمجھ لیجئے۔ مراد اس سے یہ ہے۔ کہ جو سنا جائے اس پر عمل بھی کیا جائے۔ اور اگر سن کر عمل نہ ہو۔ تو گویا کچھ سنا ہی نہیں۔ دیکھئے استاد اپنے شاگرد کو ڈانٹتا ہے اور کہتا ہے۔ کم بخت! کتنی بار کہہ چکا ہوں۔ کہ سبق یاد کرو۔ مگر تم سنتے ہی نہیں۔ تو کیا اس سے یہ مراد ہے۔ کہ وہ شاگرد بہرہ ہے۔ اور آواز نہیں سنتا؟ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ سن کر وہ عمل نہیں کرتا۔ یہیں سے ایک مسئلہ بھی سمجھ لیجئے۔ کہ خدا تعالیٰ نے جو قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ کہ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ۔ یعنی آپ ان مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ تو اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ یہ کافر آپ کی بات سن کر اس پر عمل نہیں کرتے اسی لئے کفار کے حق میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ۔ یعنی یہ کافر گونگے۔ بہرے اور اندھے ہیں۔ یہ بات نہیں۔ کہ واقعی ان کی یہ ظاہری آنکھیں اندھی اور سر کے کان بہرے تھے۔ اور ان کے منہ میں زبان نہ تھی۔ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ وہ حق کا راستہ نہیں دیکھتے تھے۔ حق کی بات نہیں سنتے تھے۔ اور حق کی بات نہیں کہتے تھے۔ تو ان کے نہ سننے سے مراد سن کر عمل نہ کرنا ہے۔

سماع موتیٰ

میرے بزرگو! بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ سمجھ لیا ہے۔ کہ مر جانے کے بعد انسان سنتا نہیں ہے۔ حالانکہ

اس آیت میں یہ بات مذکور ہی نہیں - اول تو آیت مذکورہ میں نفی اگر ہے بھی تو اسماع کی نہ کہ سماع کی - یعنی اللہ یہ فرما رہا ہے۔ کہ آپ مردوں کو سُنا نہیں سکتے۔ یہ تو نہیں فرمایا۔ کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔ سنانے اور سننے میں جو فرق ہے ظاہر ہے۔ تو دعویٰ تو نہ سننے کا ہو۔ اور دلیل نہ سنانے کی دی جائے۔ تو خود ہی فیصلہ کر لیجئے۔ کہ یہ کہاں تک درست ہے؟

دوسرے یہ ارشاد کفار کے حق میں ہے۔ نہ کہ حقیقی اموات کے لئے۔ اس لئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیا کسی قبرستان میں تشریف فرما ہو کر وعظ فرما رہے تھے؟ جو اللہ نے یوں فرمایا۔ کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ نہیں آپ کا وعظ تو کفار کے سامنے تھا۔ جو انہوں نے قبول نہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ کہ ان مردوں کو آپ نہیں سنا سکتے۔

چنانچہ دیکھ لیجئے۔ کہ یہ آیت شریف پوری اس طرح ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:-

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ۔ وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (پ۲۰ع۲)

ارشاد ہوتا ہے کہ "بے شک تمہارے سنائے نہیں سنتے مردے اور نہ تمہارے سنائے بہرے پکار سنیں۔ جب پھریں پیٹھ دے کر۔ اور اندھوں کو گمراہی سے تم ہدایت کرنے والے نہیں۔ تمہارے سنائے تو وہی سنتے ہیں۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ مسلمان ہیں"

دیکھ لیجئے یہ کفار کے لئے ارشاد ہے یا نہیں؟ "جب پھریں پیٹھ دے کر" یہ جملہ صاف بتا رہا ہے۔ کہ یہاں مراد کفار ہی ہیں۔ اور پھر اللہ تعالےٰ آخر میں صاف ارشاد فرما رہا ہے۔ کہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور مسلمان ہیں۔ انہیں آپ سنا سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی پکار اور آپ کا وعظ جنہوں نے سن کر قبول کر لیا۔ اور آپ کا وعظ جن کے لئے

نافع ہو گیا۔ بس وہی دراصل سننے والے ہیں۔ اور جو بیٹھ کر بھاگ جانے والے ہیں۔ اور جنہوں نے آپ کی پکار پر عمل نہ کیا۔ اور آپ کا وعظ جن کے لیئے نافع نہ ہوا۔ انہوں نے گویا آپ کی پکار سنی ہی نہیں۔

معلوم ہوا۔ کہ یہاں سننے سے مراد بھی سن کر عمل نہ کرنا اور پکار کا غیر نافع ہونا ہے۔ رہا یہ کہ خدا تعالیٰ نے کفار کو مردوں سے تشبیہہ کیوں دی؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مردے بھی اُس جگہ پہنچ چکے ہیں۔ جو جگہ عمل کی جگہ نہیں۔ آپ ان سے لاکھ کہئے۔ کہ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ تو بیکار ہے۔ اس لیئے کہ وہ اس وعظ پر عمل نہیں کریں گے۔ اور آپ کا یہ وعظ اب ان کے لیئے نافع نہیں۔ اس لیئے کہ دار العمل تو یہ جہان تھا۔ نہ کہ وہ جہان۔ تو اموات کی تلقینِ عمل کی پکار جیسے ان کے لیئے غیر نافع ہے۔ اور وہ سن کر بھی اس پر عمل نہ کریں گے۔ اسی طرح یہ کفار بھی گویا مردے ہیں۔ کہ تلقینِ ایمان و عمل کی پکار سن کر بھی نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور نہ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

یہ ہے اصل مراد قرآن پاک کی۔ مگر یار لوگوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ مردے سنتے ہی نہیں۔ حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں کہ میت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اس کے دوست یعنی دفنانے والے جب واپس چلتے ہیں۔ تو

اِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ۔ (بخاری شریف ص۱۷۸ جلد۱)

"وہ میت اُن چلنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے۔"

کیوں صاحب! فرمایئے! حضور صلے اللہ علیہ و سلم تو فرمائیں۔ کہ صاحبِ قبر دفنا کر واپس جانے والوں کے جوتوں کی آواز بھی سنتا ہے۔ پھر ہم یہ بات کیسے مان لیں۔ کہ مردہ سنتا نہیں ہے۔

ہاں تو بھائیو! میرے وعظ کو دل کے کانوں سے سننا۔ سنیئے! خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہم نے جہنم کے لیئے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے ہیں۔

جہنمیوں کی نشانیاں

وہ جہنمی کون ہیں؟ فرمایا وہ جن کے دل تو ہیں۔ مگر وہ دلوں سے سمجھتے نہیں۔ اور جن کی آنکھیں تو ہیں مگر آنکھوں سے وہ دیکھتے نہیں۔ اور جن کے کان تو ہیں۔ مگر ان سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ غفلت کا شکار ہیں" یہ ہیں تین نشانیاں جہنمیوں کی ہدایت کے اسباب یہی تین تھے۔ دل۔ آنکھ۔ اور کان۔ دل ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اس کے ساتھ خدا کی معرفت جو اعلےٰ درجہ کی ہدایت ہے۔ حاصل ہو سکتی ہے۔ اور آنکھوں سے خدا کے مقبول بندوں کے مبارک حالات دیکھ کر، اور کانوں سے وعظ و نصیحت سن کر ہدایت ہو سکتی تھی۔ مگر جہنمیوں نے ان سب کو بگاڑ دیا۔ نہ تو دل سے خدا ہی کو پہچانا۔ نہ آنکھوں سے کسی اہل اللہ کی عادات کو دیکھ کر ہدایت پائی۔ نہ کانوں سے وعظ و نصیحت سنی اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو انسانیت ہی سے خارج قرار دے دیا۔ اور فرمایا کہ یہ تو چوپائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

کتے کے پاؤں پر

حضرات! ایک عبرتناک حکایت سنیئے۔ ایک مجذوب بزرگ کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے ایک کتا دیکھا۔ یہ اس کتے کے پاؤں پر گر پڑے۔ اور اس کے پاؤں چومنے لگے۔ شاعر لکھتا ہے۔ کہ ؎

ایک عاشق سگ کے قدموں پر گرا
چومنے پھر پاؤں اس کے وہ لگا
بولا سگ انسان ہے تو واہ واہ
ہے شرافت پر تری قرآں گواہ

شاعر لکھتا ہے۔ کہ کتے نے کہا۔ آپ اشرف المخلوقات انسان ہو کر مجھ جیسی ذلیل مخلوق کتے کے قدموں پر کیوں گر پڑے ہیں؟ ؎

یوں لگا کہنے کہ ہاں انسان ہوں
پر تری خصلت پہ میں قربان ہوں

کتے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

واہ وا! کیسا وفادار جانور ہے۔ کہ وفاداری کو نبھاتے ہوئے کھانا پینا بھی بھول گیا۔ کیوں صاحب! رمضان شریف کے مہینے میں جو غافل آدمی اپنے پیٹ کی خاطر خدا و رسول کے احکام کو نظر انداز کر کے روزہ توڑے اور بغیر کسی عذر کے محض کھانے پینے کے لئے خدا و رسول سے بے وفائی کرے۔ اس سے ایک جانور اچھا ہوا یا نہیں؟

آجکل یورپ کی تقلید میں لوگ کتوں کے بڑے شوقین ہیں۔ انہیں پالتے اور چومتے چاٹتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اس کی اس وفاداری سے سبق حاصل نہیں کرتے۔ کہ وہ اپنے مالک کا کس قدر وفادار ہوتا ہے۔

سگ پروری میرے بھائیو! اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ کتا چونکہ وفادار جانور ہے۔ اس لئے اسے پالنا اور رکھنا جائز ہے۔ بھائیو! کتے میں وفاداری بیشک ہے۔ مگر اس میں ایک برائی اتنی بڑی ہے۔ کہ اس کی ساری وفاداریوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور وہ ہے اس میں قومی ہمدردی کا فقدان۔ یعنی یہ اپنے بھائیوں کا ہمدرد نہیں۔ اور ایک دوسرے کا دشمن ہے۔

ایک مسلمان کے لئے تو شریعت کا ارشاد ہی سب کچھ ہے۔ شریعت نے سگ پروری سے منع فرمایا ہے۔ بس یہی ممانعت ہمارے لئے تو کافی ہے۔ ہمیں کسی فلسفے دلسفے سے کیا غرض؟ مگر آجکل لوگ فلسفے پوچھنے کے بڑے عادی ہیں۔ یہ بات میں نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہی ہے۔ کہ کتے میں چونکہ قومی ہمدردی نہیں ہے۔ اسلئے اس دشمن قوم سے "میل ملاپ" اچھا نہیں۔

لطیفہ کہتے ہیں کہ اکبر بادشاہ کے دربار میں ایک مرتبہ بیربل نے یہ سوال اٹھایا۔ کہ کتا ہندو ہے یا مسلمان؟ ملا دوپیازہ بڑا حاضر دماغ تھا۔ اس نے کہا دو کتوں کے درمیان روٹی کا ٹکڑا ڈال

کر دیکھ لیجئے۔ اگر دونوں مل کر کھا لیں تو مسلمان اور اگر الگ الگ لے جائیں تو ہندو۔

ایک پنجابی نظم کتے میں قومی ہمدردی کے فقدان کے علاوہ ایک اور برائی بھی ہے۔ کہ یہ مسکینوں اور فقیروں کا بھی دشمن ہے۔ جہاں کسی مسکین۔ اور فقیر کو دیکھ لیتا ہے۔ اسے بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک پنجابی شاعر لکھتا ہے۔ کہ ؎

کتے مینوں آکھیا مینوں اہنی گل سمجھا
آہندے ایتھے ہوئے نیں بڑے بڑے اُلیا
اساں بھی ایسے دیس وچہ دتی عمر لنگھا
اساں نہ ایتھے ویکھیا کوئی ولی آلیا

یعنی مجھ سے ایک کتے نے کہا۔ کہ شاعر صاحب! لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمارے ملک میں بڑے بڑے اولیاء موجود ہیں۔ میں نے بھی اپنی عمر اسی ملک میں گزار دی ہے۔ مگر مجھے تو کوئی ولی نظر نہیں آیا۔ شاعر لکھتا ہے۔ کہ میں نے اسے جواب دیا۔ ؎

ٹکیں پینوں بھونکنوں جے پرہیز کریں
سبھے کھبے اولیاء تینوں دیاں وکھا

یعنی یہ جو تمہاری بھونکنے اور کاٹنے کی عادت ہے۔ یہ بہت بری عادت ہے۔ اگر تو بھونکنا اور کاٹنا چھوڑ دے۔ تو میں تجھے دائیں بائیں اللہ کے ولی دکھا سکتا ہوں۔ اور پھر کہا۔ کہ ؎

کتے اتے فقیر دا منڈھ قدیمی وَیر
وَیری نوں کیوں ڈہر یا آن ملن اُلیا

یعنی کتے کی فقیر سے عداوت پرانی ہے۔ جہاں کسی فقیر کو دیکھا تم نے بھونکنا شروع کر دیا۔ جب تم فقیر کے دشمن ہو۔ تو دشمن سے دشمن کیسے مل سکتا ہے؟ یہ نظم میں نے اس لئے سنائی ہے۔ کہ کتے میں قومی ہمدردی بھی نہیں۔ اور یہ فقیر کا بھی دشمن ہے۔ یہی

وجہ ہے۔ کہ جو لوگ کتوں کے شوقین ہیں۔ اور کتے رکھنے کے عادی ہیں۔ وہ کتوں سے تو بہت محبت کرتے ہیں۔ مگر انسانوں سے نفرت۔ کتوں کو تو موٹر کی گدی پر بٹھاتے ہیں۔ اور انسانوں کو پہیوں کے نیچے کچل دیتے ہیں۔ اور غرباء کو بھی دیکھ کر چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کہے۔ کہ کوئی فقیر غوث ولی وغیرہ نہیں ہے۔ ہمیں تو کوئی ولی نظر نہیں آتا۔ تو ہم یہی جواب دیں گے۔ کہ جناب آپ اپنی روایتی بدعقیدگی و گستاخی و بے ادبی چھوڑیئے۔ اور پھر دیکھئے۔ کہ کوئی ولی نظر آتا ہے یا نہیں؟

دِل کی صَفائی

ہاں تو بیان ہوا اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کی جو پہلی نشانی بیان فرمائی ہے۔ وہ دل رکھ کر دل کی سمجھ۔ اور معرفت ہی سے محروم رہنا ہے۔ جہنم سے بچنے کے لئے لازم ہے۔ کہ آدمی اپنے دل سے سمجھ بوجھ کا کام لے اور اپنے دل کو صاف ستھرا رکھ کر اس میں انوارِ الٰہی بھرے۔ یہ دل بنا ہی اس لئے ہے۔ کہ اسے مثل آئینہ کے چمکایا جائے۔ تاکہ اس میں اللہ کے انوار چمکنے لگیں۔ ایک حدیث قدسی میں وارد ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا يَسَعُنِيْ اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ۔ یعنی میں نہ زمینوں میں اور نہ آسمانوں میں سماتا ہوں۔ ہاں بندۂ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔"

خدا تعالیٰ سمانے سے پاک و منزہ ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ میرا جلوہ اگر دیکھنا ہو۔ تو کسی مردِ حق کا دل دیکھ لو۔ اسی قسم کے دل کے متعلق مولانا رومی کا ارشاد ہے۔ کہ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است!
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یعنی کسی مردِ حق کا دل۔ چونکہ مہبطِ انوارِ الٰہی ہے۔ اور خدا کے جلوؤں کا مقام ہے۔ اس لئے کسی ایسے مبارک دل کا مل جانا

تو اکبر ہے۔ اور ایسا دل کعبہ سے بھی بہتر ہے۔ یہاں دل سے ایسا ہی صاف و نورانی دل مراد ہے۔ جس میں جلوۂ حق نظر آئے۔ ہر شخص کا دل مراد نہیں ہے

دل وہ دل ہے جو تری یاد سے معمور رہا
سر وہ سر ہے جو ترے قدموں پہ قربان گیا

بھائیو! آپ نے حدیث قدسی سنی۔ کہ خدا تعالیٰ بندۂ مومن کے دل میں سماتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے۔ کہ اتنی بڑی لامحدود ذات اور اتنے چھوٹے سے دل میں سمانے کو فرمایا جا رہا ہے۔ آئیے میں آپ کو ایک مثال دے کر اس بات کی حقیقت سمجھاؤں۔

سورج

سائنس والے بتاتے ہیں۔ کہ یہ سورج ہماری اس زمین سے کئی گنا زیادہ بڑا ہے۔ باوجود اس کے آپ ایک دو پیسے کے سائز کا چھوٹا سا آئینہ اس سورج کے سامنے کیجئے۔ اور دیکھ لیجئے کہ اتنا بڑا سورج ایک چھوٹے سے شیشے میں سما جائے گا۔ اور زمین سے بھی بڑا سورج اس چھوٹے سے شیشے میں نظر آنے لگے گا۔ کیوں صاحب! کیا بات ہے؟ بات یہی ہے۔ کہ یہ اس شیشہ کی اندرونی صفائی کا کرشمہ ہے۔ کہ اتنے بڑے سورج نے اُسے اپنے جلوے کا مظہر بنا لیا ہے۔ اور سورج اس شیشے میں نظر آنے لگا ہے۔ برعکس اس کے آپ ایک بہت بڑے پہاڑ کو دیکھ لیجئے۔ وہ بھی سورج کے سامنے آتا ہے۔ مگر سورج کا جلوہ اس میں نظر نہیں آتا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ پہاڑ کے اندر صفائی موجود نہیں۔ پہاڑ میں آئینہ کی سی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے وہ جلوۂ سورج کا مظہر بننے سے رہ گیا۔ اسی طرح جو سنگدل ہیں۔ وہاں جلوۂ حق کہاں؟ ہاں جن کے دل مثل آئینہ کے صاف ہیں۔ ان دلوں میں انوارِ الٰہی کے جلوے نظر آتے ہیں۔

صیقل قلب

اور بھائیو! دل کی یہ صفائی کس طرح ہوتی ہے۔ سنئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ (مشکوٰۃ شریف)

یعنے ہر چیز کے لئے ایک صقالہ (صفائی کرنے کا آلہ) ہے۔ اور دلوں کی صفائی کا آلہ اللہ کا ذکر ہے۔

معلوم ہوا۔ کہ اللہ والے اللہ کا ذکر کر کرکے اپنے دلوں کو مثل آئینہ کے صاف کر لیتے ہیں۔ پھر ان کے دل اللہ کے انوار کے مہبط و مظہر جلوۂ حق بن جاتے ہیں۔

مثنوی شریف کی ایک حکایت

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے۔ مولانا کے اشعار کا اردو میں منظوم ترجمہ سنئے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

چینیوں اور رومیوں میں ایک بار
بحث تھی ہے کون بڑھ کر دستکار

یعنی ایک مرتبہ چینیوں اور رومیوں میں باہمی تنازعہ ہوا۔ رومی کہنے لگے۔ کہ ہم بہترین نقاش ہیں۔ اور چینی بولے۔ کہ تم نہیں بلکہ ہم سب سے بڑھ کر اچھے نقاش ہیں۔

بادشاہ نے ان دونوں فریق کو محل کی دو آمنے سامنے کی دیواریں دے دیں۔ اور حکم دیا۔ کہ تم میں سے ایک اس دیوار پر اپنی صنعت کا نمونہ دکھائے۔ اور دوسرا اُس دیوار پر اپنا شاہکار پیش کرے۔ یہ دونوں دیواریں ان کو دے دی گئیں۔ اور درمیان ایک پردہ لٹکا دیا۔ تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکیں۔ اور اپنی اپنی جگہ کام کرتے رہیں۔

مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

رنگ و روغن سینکڑوں گودام سے
چینیوں نے اک مہینے تک لئے
دل لگا کر کام انہوں نے وہ کیا
بن گئی دیوار نقشہ باغ کا

یعنے چینیوں نے مہینہ بھر میں دیوار پر ایسے ایسے حیران کن نقش

تیار کر دئے۔ کہ عقل حیران رہ گئی۔ اُدھر رومی مہینے بھر میں دیوار پر مسالے لگا لگا کر دیوار کو صاف کرتے رہے۔ اور مہینہ بھر میں مَل مَل کر مثل آئینہ کے چمکا دیا۔ ؎

رومیوں نے کچھ لیا روغن نہ رنگ!
پر ذرا دیوار پر چھوڑا نہ زنگ!

تاریخ مقررہ پر جب ان دونوں کی صنعت دیکھی گئی۔ تو چینیوں کے نقش و نگار کو دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ اور درمیان سے پردہ جو ہٹایا۔ تو رومیوں کی صیقل کردہ دیوار میں سامنے کے سارے نقش و نگار اس میں منعکس نظر آنے لگے۔ اور بڑھ چڑھ کر بہار دینے لگے۔ بادشاہ نے دیکھا۔ کہ ؎

تھا مرقع چینیوں کا ہو بہو!
فرق دونوں میں نہ تھا مقدارِ مُو

مولانا رومی نتیجہ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

کر حسد کو باہر اپنے سینہ سے!
دل کو کر تو صاف بغض و کینہ سے!
ذکر حق سے قلب کی کر تو جلا!
تاکہ ظاہر اُس سے ہو نورِ خدا

بھائیو ان اللہ والوں نے بھی دن رات کی محنت، ذکر و فکر سے اپنے دلوں کو مثل آئینہ کے صاف کر لیا ہے۔ اور اس میں اللہ کا نور بھر لیا ہے۔ اور دنیا جو ان اللہ والوں کے قدموں میں گرتی ہے یہ اسی نور کا صدقہ و کرشمہ ہے۔

پیر پرست و قبر پرست

بھائیو! اس موقعہ پر یہ بات بھی سمجھ لیجئے۔ کہ آج اگر کوئی شخص ہمیں پیر پرست یا قبر پرست کہنے لگے۔ تو یہ اس کی بہت بڑی زیادتی ہے۔ دیکھیئے رات کو لیمپ پر پروانہ آ کر گرتا ہے۔ اس کے گرد گھومتا ہے۔ اس کی بلائیں لیتا ہے۔ تو انصاف سے کہئے۔ کہ کیا وہ پروانہ لیمپ پرست ہے؟ اگر آپ کہیں کہ ہاں

کوئی روشنی بھی ہو۔ اور جہاں اندر باہر اندھیرا ہی اندھیرا ہو۔ اس اندھیرے میں پروانے کا کیا کام؟ پروانہ تو روشنی کا عاشق ہے۔ داتا صاحب یا دیگر بزرگانِ دین کے مزارات انوارِ حق سے منور ہوتے ہیں۔ اس لئے لوگ پروانہ وار وہاں گرتے ہیں۔ پروانوں کو لاکھ ہٹائیے۔ شمع سے دور کیجئے۔ مگر وہ بار بار گھوم گھوم کر بھی وہیں گرتے ہیں۔ ہمیں ان اللہ والوں سے کون دور رکھ سکتا ہے؟ ہمیں ان نورانی آستانوں میں جلوۂ نورِ خدا نظر آتا ہے۔ اور اللہ کی مہربانی سے ہمیں یہاں سب کچھ ملتا ہے۔ ؎

درِ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ
فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ
یہ اللہ والے ہیں دیتے ہیں سب کچھ
مگر چاہیئے ان سے لینے کا ڈھب کچھ

لطیفہ کہتے ہیں حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار پُر انوار پر ایک شخص حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا۔ اے داتا! دس روپے دیدے داتا! دس روپے درکار ہیں۔ لے کر ہی جاؤں گا۔ بس یہی رٹ لگائے جا رہا تھا۔ کہ "کوئی صاحب" اتفاقاً وہاں سے گزرے۔ اور کہنے لگے "نادان! داتا داتا مت کہو۔ اور ان سے مت مانگ۔ یہ جائز نہیں۔ اس شخص نے اس بات کی پروا نہ کی۔ اور اپنا سوال جاری رکھا۔" وہی صاحب" پیچ و تاب کھانے لگے۔ اور دل میں کہنے لگے۔ کہ چاہے میرے پیسے ہی کیوں نہ خرچ ہوں۔ مگر میں اس سے یہ "مشرکانہ" حرکت چھڑا کے ہی دم لوں گا۔ چنانچہ ان صاحب نے اپنی جیب سے دس کا نوٹ نکالا۔ اور کہا۔ لو بھئی! یہ دس روپے مجھ سے لے لو۔ مگر "داتا سے نہ مانگو یہ کیا دیں گے" اس شخص نے دس کا نوٹ لیا۔ اور زور سے ایک نعرہ لگایا۔

"داتا! تیرے صدقے! دلائے بھی تو کس موذی سے"

یہ کہا۔ اور چلدیا۔ اور "وہ صاحب" حیران کھڑے رہ گئے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ اللہ کا ذکر صیقلِ قلب ہے۔ خدا کی یاد

سے دل کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔ خدا کی یاد سے غافل ہو جانے سے نہ یہ کہ دل زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ بلکہ اپنی غذا نہ پانے سے دل مر ہی جاتا ہے اور بھائیو! جس کا دل مر گیا۔ پھر اس کا رہا ہی کیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ جس کا نفس مر جائے۔ تو خلق کی نظر اُس سے اُٹھ جاتی ہے۔ اور جس کا دل مرجائے۔ خالق کی نظر اُس سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ نفس مرتا ہے۔ تو رشتہ دار اور ہمسائے روتے ہیں۔ اور دل مرجائے۔ تو اس پر فرشتے روتے ہیں۔ نفس مر جائے۔ تو اس سے اُس کے دوست جدا ہو جاتے ہیں۔ اور دل مرجائے۔ تو وہ قربِ خدا سے دور ہو جاتا ہے۔

بھائیو! جن کے دل زندہ ہیں۔ وہ یقین جانئے۔ کہ مر کر بھی نہیں مرتے اور جن کے دل مردہ ہیں۔ وہ زندہ رہ کر بھی مردہ ہی ہیں۔ ؎

جس کا دل زندہ ہو وہ مرتا نہیں!
موت کے آنے سے وہ ڈرتا نہیں
مردہ دل کو موت کا ہوتا ہے ڈر
نام کا زندہ ہے۔ مردہ ہے مگر

بھائیو! یہ دل کی باتیں اہل دل ہی جان سکتے ہیں۔ اور جو یوں ہی مردہ دل۔ اور نا آشنائے دردِ دل انہیں ان باتوں کی کیا خبر؟ ؎

دردِ دل کو جانتا ہے وہ جو اہل درد ہو!
جس کے دل میں سوز ہو اور لب پہ آہِ سرد ہو
اور جو ہے محروم کیا جانے وہ سرِّ عشق کو
جانے وہ جو رند ہو یا وہ قلندر مرد ہو

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ حضرات! بزرگوں نے لکھا ہے۔ کہ اہل باطن اور صاحبانِ صفائی کے سردار انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ دل کی صفائی رکھنے والے حضرات جس قدر ہوئے۔ یا قیامت تک ہوں گے۔ سب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیروکار ہیں۔ اس لئے کہ آپ کا دل ایک ایسا صاف اور چمکتا ہوا آئینہ تھا۔ جس میں خدا

و رسول کی محبت کی چمک کے سوا دنیا کی معمولی سی بھی کوئی آلائش نہ تھی اسی لئے ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر اپنے گھر کا سارا سامان راہ خدا میں نذر کرنے کیلئے حاضر کر دیا تھا۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ کہ گھر میں اپنے لئے کیا چھوڑ آئے ہو۔؟ تو جواب دیا۔ کہ اللہ اور اس کا رسول۔ اقبال نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو یوں منظوم کیا ہے کہ ؎

پروانے کو چراغ تو بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

میرے بزرگو! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان ہے۔ اور ان کی محبت بھی اسی دل میں ہوگی۔ جو صاف اور ستھرا ہوگا۔ اور جس دل میں صدیق اکبر کی محبت نہیں۔ سمجھ لیجیے۔ کہ وہ دل بغض و کینہ کی میل سے ملوث ہے۔ اور یقیناً ایسا دل نہ صرف یہ کہ صدیق کی محبت سے خالی ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے انوار محبت سے بھی محروم ہے۔

قساوتِ قلب

بھائیو! جو دل سمجھ بوجھ سے عاری اور خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کے خوف سے خالی ہے۔ وہ دل نہیں سل ہے۔ پتھر ہے بلکہ پتھر سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ اپنے ان ناعاقبت اندیش اور غافل بندوں کو جنہوں نے اپنے دلوں سے سمجھ کام نہیں لیا۔ اور فکر عاقبت کو دل سے نکال کر دن رات گناہوں میں زندگی گزاری ہے۔ مخاطب فرما کر فرماتا ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ۔

یعنی اے غافلو! میں نے تمہارے سامنے دوزخ اور اس کا عذاب

کھول کھول کر قرآن میں بیان کر دیا۔ پہلے لوگوں پر جو ان پر میری بے فرمانی کے باعث عذاب نازل ہوئے ان کا بھی ذکر کر دیا۔ مگر تمہارے دلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور بجائے نرم ہونے کے تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ جن میں تخویف و ترہیب کی آگ بھی اثر نہیں کرتی بلکہ پتھر تو پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر قبول کر لیتے ہیں۔ کیونکہ بعض پتھروں سے بڑے بڑے چشمے اور نہریں پھوٹ نکلتی ہیں۔ اور بعض میں سے پانی رس کر بہتا ہے۔ اور بعض اللہ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ اور تمہارے دل ایسے سخت ہیں۔ کہ کسی طرح اثر ہی قبول نہیں کرتے۔ تو تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

یعنی برائیوں میں انہماک اور نیکیوں سے فرار کے باعث ان کے دلوں پر زنگار بیٹھ گیا ہے" اور وہ صاف نہیں رہے اور جو دل صاف نہ ہو۔ اس کا مقام کیا ہے؟ فرمایا۔

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

یعنی اللہ کی یاد سے غافل سخت دلوں کے لئے ویل کا عذاب ہے"

میرے بھائیو! خدا کے عذاب سے پناہ مانگو۔ اور اپنے دلوں کو اس قساوت سے محفوظ رکھو۔ اور یادِ حق سے دلوں کو نرم اور صاف کر لو۔

چار مذموم صفتیں

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ انسان کے وجود میں تمام برائیوں کی اصل چار صفتیں ہیں۔ جب تک ان کو دور نہ کیا جائے۔ انسان نیک نہیں بن سکتا۔

پہلی صفت ہے ۔ صفاتِ ربوبیت کی خواہش

دوسری ۔ صفاتِ شیطانیہ کا وجود

تیسری ۔ صفاتِ بہیمیہ۔ یعنی چوپاؤں کی صفتوں کا وجود

چوتھی — صفات سبعیہ کا یعنی درندوں کی صفتوں کا وجود

تجبر و فخر اور اپنی مدح و ثناء کا چاہنا اور عزت و ثناء اور ہمیشہ جیتے رہنے کی تمنا، اور یہ چاہنا کہ سب لوگ میری ہی عزت کریں اور میں سب سے اونچا رہوں۔ حتیٰ کہ خدا کہلانے کی بھی دل میں خواہش رکھنا یہ سب خواہشات صفات ربانیہ کی خواہشات ہیں۔

اور ایک دوسرے کا حسد کرنا، خدا کے حکموں سے نکل کر باغی ہو جانا، مکر و فریب سے کام لینا، لوگوں کو بُرے کام سکھانے اور انہیں فتنہ و فساد کی ترغیب دینا۔ دل میں کھوٹ اور نفاق رکھنا، خدا کے نیک بندوں سے بیر رکھنا اور انہیں تکلیف دینے کی ترکیبیں کرنا — یہ سب صفات شیطانیہ ہیں۔

اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں لگے رہنے، حلال و حرام میں کچھ فرق نہ کرنا، چوری کرنا، یتیموں غریبوں کا مال کھا جانا، زنا و لواطت کا ارتکاب کرنا وغیرہ یہ سب چوپاؤں کی صفتیں ہیں۔

اور فوراً دوسرے پر غصہ جھاڑنا، جنگ و جدال میں رہنا، کسی کو ناحق قتل کر دینا، اور خون ریزیوں میں رہنا یہ درندوں کی صفتیں ہیں۔

انسان پر سب سے پہلے غلبۂ شہوت کے سبب نفسانی خواہشات زنا، چوری وغیرہ چوپایوں کی صفتیں آکر اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ پھر غصہ و غضب لڑائی اور فساد وغیرہ درندوں کی صفتیں آ جاتی ہیں — جب چوپایوں اور درندوں کی یہ دونوں قسم کی صفتیں جمع ہو جاتی ہیں، تو پھر مکر و فریب اور جھوٹ و نفاق اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی شیطانی صفتیں بھی آ جاتی ہیں۔ اس کے بعد پھر صفات ربانیہ کی خواہشات آ داخل ہوتی ہیں۔ اور بندہ اپنے آپ کو سمجھنے لگتا ہے۔ کہ بس اب جو کچھ ہوں میں ہی ہوں۔ دوسرا کوئی بھی میرا ثانی نہیں۔ بلکہ بسا اوقات دل میں خدا کہلانے کی بھی خواہش پیدا ہونے لگتی

ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

نفس ہریک کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون ما را عون نیست

یعنی آج ہمارا بھی یہ نفس فرعون سے کچھ کم تو نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فرعون کے پاس سامان بہت تھا۔ ہمارے پاس اس قدر سامان نہیں ہے۔ ورنہ خدائی دعوے کرنے سے ہم بھی اس سے پیچھے نہ رہتے۔

تکبر میرے بھائیو! کبر و غرور بہت بری چیز ہے۔ اس سے اپنے دل کو بچاؤ۔ تکبر صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے۔ اس لئے، کہ اس سے کوئی بڑا نہیں۔ تکبر کرنے کا حق اسی کو ہے۔ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ اور اس کائنات میں کون ایسا ہے جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات میں بڑے ہیں۔ مگر تکبر حضور نے بھی نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ ساری مخلوق میں حضور سے واقعی کوئی بڑا نہیں۔ مگر خدا تو حضور سے بڑا ہے۔ تو بھائیو! مخلوق میں سب بڑوں سے بڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تکبر نہ فرمایا۔ تو ایک دنیوی عہدہ پاکر اگر کوئی اکڑنے لگے۔ تو فرمائیے اس کی یہ اکڑ "پکڑ" کی مستحق ہے یا نہیں؟ شیطان اسی اکڑ سے مارا گیا تھا ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

یہ بے دین حضرت آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہا۔ اسی "بڑائی" نے قیامت تک کے لئے اسے ملعون بنا دیا۔

فخر آدم علیہ السلام یہاں مجھے ایک عبرتناک روایت یاد آئی۔ علامہ صفوری رحمۃ اللہ علیہ نے نزہۃ المجالس میں لکھا ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی پہ سوار ہونے

لگے۔ تو ابلیس بھی آ پہنچا۔ حضرت نوح نے فرمایا۔ تو کون ہے؟ وہ بولا۔ میں ابلیس ہوں۔ فرمایا۔ کیا چاہتے ہو؟ وہ بولا۔ آپ میرے لئے جناب الٰہی میں توبہ کی درخواست کیجئے۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ کے وسیلے سے میری توبہ قبول کرلے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ اچھا میں خدا تعالیٰ سے تمہارے لئے عرض کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے عرض کی۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اے نوح! اس ملعون سے ہماری ناراضگی تو اسی باعث ہوئی ہے کہ اس نے ہمارے پیغمبر آدم (علیہ السلام) کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ اب اگر یہ معافی چاہتا ہے۔ تو اس کی یہی صورت ہے۔ کہ اب بھی وہ آدم کی قبر پر چلا جائے۔ اور قبر آدم کو سجدہ کرلے۔ تو ہم راضی ہو جائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ابلیس سے کہا۔ لو خوش ہو جاؤ۔ کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرما لینے کا وعدہ فرما لیا ہے۔ مگر یہ شرط رکھی ہے کہ تم ایک بار قبر آدم پر جاکر آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرلو۔ پھر خدا راضی ہی راضی ہے۔

مسلمانو! سنا ذرا ابلیس ملعون نے کیا جواب دیا۔ کہنے لگا۔ نہیں صاحب! یہ تو نہیں ہو سکتا۔ میں نے جسے جیتے جی سجدہ نہیں کیا۔ اب اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر کو سجدہ کروں؟ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ پیغمبر ہو یا اس کی قبر، میں ہرگز اس کی تعظیم نہ کروں گا۔ نہ اس کی نہ اس کی قبر کی۔ میں مردود و ملعون ہی سہی۔ مگر یہ بات نہ ہوگی۔ (نزہتہ المجالس باب ذم الکبر ص۱۲۷ ج ۱)

دیکھا آپ نے ملعون کی اکڑ کو۔ رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے آگے نہ جھکا اور ان کے تشریف لے جانے کے بعد اب ان کی قبر پر جانے کو بھی اپنے خیال میں شاید شرک سمجھ رہا تھا۔ ملعون تکبر و غرور اور انانیت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہوگیا۔

ایک اور روایت علامہ صفوری علیہ الرحمۃ نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے۔ کہ نسفی علیہ الرحمتہ نے ذکر کیا ہے کہ خدا تعالیٰ ابلیس کو دوزخ میں کچھ عرصہ رکھنے کے بعد پھر دوزخ سے نکالے گا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر تشریف لانے کا حکم دے گا۔ اور پھر ابلیس سے فرمائے گا۔ کہ اے ابلیس! دیکھ یہ وہی آدم ہیں۔ جن کے سبب میں نے تجھے دوزخ میں ڈالا ہے۔ اگر تو انہیں اب بھی سجدہ کرلے۔ تو میں تجھے دوزخ سے نکال دوں گا۔ وہ مردود جواب دے گا۔ کہ "جب میں اول میں اس کے آگے نہ جھکا تھا۔ تو اب آخر میں اس کے آگے جھک جاؤں؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا"۔ (صفحہ ۲۷ جلد ۱)

دیکھا آپ نے ابلیس کی ضد کو؟ کہ عذاب میں مبتلا رہنا منظور ہے مگر اللہ کے پیغمبر کے آگے جھک جانا یہ منظور نہیں۔ توبہ توبہ! خدا تعالےٰ بزرگوں کی اہانت اور اس تکبر و انانیت سے محفوظ رکھے۔ آمین!

بزرگوں نے ایک بڑی عمدہ اور حقیقت آمیز بات لکھی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ بندہ اگر شہوت کی بدولت معصیتِ الٰہی میں گرفتار ہو جائے۔ تو اس کی توبہ کی قبولیت کی امید ہو سکتی ہے۔ اور اگر کبر و نخوت کی بدولت معصیتِ الٰہی سرزد ہو۔ تو پھر توبہ کی قبولیت کی امید نہیں۔ چنانچہ شیطان سے جو معصیت سرزد ہوئی تھی۔ وہ شہوت کے باعث نہیں۔ بلکہ کبر و نخوت کے باعث ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کو نہ توبہ کی توفیق ہوئی نہ ہوگی اور نہ ہی اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ ہاں تو بھائیو! اس تکبر و غرور سے بچو۔ اکڑ باعث "پکڑ" ہے۔ ابلیس کے علاوہ شداد، ہامان، فرعون و نمرود وغیرہم جملہ متکبرین اسی اکڑ کے باعث مارے گئے۔ بھائیو! اللہ تعالیٰ نے اگر تمہیں اپنی مہربانی سے مال و دولت اور عظمت عطا فرمائی ہے۔ تو تم اپنے دلوں میں اس کے لئے جذبۂ شکر پیدا کرو۔ اور اپنی چال، ڈھال اور روش میں تواضع اختیار کرو۔ اور جملہ علامات کبر و رعونت سے بچو۔ بعض لوگ اچھے قیمتی کپڑے بھی پہن لیں۔ تو

ان کی چال ہی اور جاتی ہے۔ اور بعض لوگ سینہ تان کر یوں تن کر نکلتے ہیں۔ اور چلتے ہیں جیسے یہ زمین کو پھاڑ ڈالیں گے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔ یعنی زمین پر اکڑ اکڑ کر مت چلو۔"

مگر یہاں تو یہ صورت ہے جیسے" لکہ کبوتر آرہا ہو۔

لطیفہ ایک صاحب جب بھی گھر سے نکلتے۔ تو سینہ تان کر اور تن کر نکلتے۔ اور اپنے آپ کو خدا جانے کیا سمجھتے۔ ایک مجذوب صفت انسان نے ایک مرتبہ انہیں اس صفت بد سے بچانے کے لئے یہ کام کیا۔ کہ ایک روز وہ متکبر صاحب جب گھر سے نکلے۔ تو یہ مجذوب اس کی راہ میں اپنا سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ اُدھر وہ متکبر آدمی اکڑا ہوا آرہا تھا۔ اور ادھر یہ اسی کی مانند اکڑے ہوئے راستے میں کھڑے تھے۔ وہ متکبر آدمی جوں جوں اِن کے قریب آتا گیا۔ یہ اور بھی زیادہ اکڑتے گئے۔ اور اپنی چھاتی کو باہر نکالتے گئے۔ حتیٰ کہ جب وہ متکبر سینہ تانے ان کے قریب پہنچا۔ تو یہ صاحب اتنا اکڑے اتنا اکڑے۔ کہ اکڑتے ہوئے ایک دم پیچھے کو دھڑام نیچے فرش پر گر گئے۔ اس متکبر آدمی نے پوچھا۔ سائیں جی! یہ کیا ہوا آپ کو؟ تو وہ بولے بھئی! میں تمہیں ہر روز اس طرح اکڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ تو سوچا۔ کہ یہ کوئی اچھی بات ہی ہے جو تم روز کرتے ہو۔ لو آج میں بھی اکڑ کر دیکھ لوں۔ مگر تعجب ہے۔ کہ اس اکڑ نے مجھے تو گردن سے پکڑ کر اور مروڑ کر نیچے پٹک دیا ہے۔ اب دیکھیں تمہاری باری کب آتی ہے۔ اور تجھے کب یہ نیچے پٹکتی ہے۔ وہ آدمی سمجھ گیا۔ کہ اس نے اس اکڑ کے ہولناک نتیجے سے مجھے آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ اس نے توبہ کرکے تواضع اختیار کر لی۔

آنکھ اور کان ہاں تو بھائیو! دل کی صفائی بڑی ضروری چیز ہے۔ اور یاد رکھئے۔ کہ جب دل کی صفائی حاصل ہوگئی۔ تو دیگر اعضاء بھی جو اسی کے تابع ہیں۔ درست ہو جائیں گے۔ دل کی مثال

ایک حوض کی سمجھئے۔ اور آنکھ کان وغیرہ اس حوض کی ٹونٹیاں۔ اس حوض میں اگر پانی صاف ہے۔ تو جو ٹونٹی بھی کھولئے گا۔ اس سے پانی صاف ہی نکلے گا۔ اور اگر حوض کا پانی ہی گندہ ہے تو پھر ہر ٹونٹی بھی گندہ ہی پانی دے گی۔ دل سے اگر آپ سمجھ بوجھ کا کام لیں گے۔ اور عرفانِ حق کو اسی میں جگہ دیں گے۔ تو پھر آنکھیں بھی غیر شرعی چیزوں سے بند ہو جائیں گی۔ اور کان بھی غیر شرعی چیزوں سے بند ہو جائیں گے اور آنکھیں جائز چیزوں کو دیکھیں گی اور کان کلماتِ حق سنیں گے۔ میرے بھائیو! خدا تعالےٰ نے جہنمیوں کی جو نشانیاں بیان کیں ہیں۔ ان سے بچو۔ اور جہنم کی آگ جو بڑی ہولناک ہے۔ اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

آجکل کی ترقی

میرے بھائیو! آج کل دل و دماغ اور آنکھ کان وغیرہ کو دنیا اور صرف دنیا کے حصول کی خاطر استعمال کیا جا رہا ہے۔ اخروی زندگی اور عاقبت کی خاطر ان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا بری ہے۔ اور اس کا حصول اچھا نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ دل جو مقام حق تھا۔ اسے دنیوی کباڑ خانہ بنا دینا اور دنیا ہی کی محبت سے بھر دینا اور اپنے جملہ اعضاء کو دنیا کی خاطر غیر شرعی حرکات میں لگا دینا یہ اچھی بات نہیں۔ آجکل کی ترقی نام ہے۔ کھانے پینے اور جینے کی جائز و ناجائز کوشش کرنے کا۔ عاقبت بگڑے نہ بگڑے، اس کا کچھ خیال نہیں۔ بس کھانے پینے کی ترکیبوں کا نام ہے ترقی۔ بھائیو! اگر ترقی اسی کا نام ہے تو پھر سب جانور بھی ترقی یافتہ ہیں۔ اس لئے کہ کھانے پینے کی ترکیبیں کسے نہیں آتیں۔ کسی شاعر نے ایسے ہی ترقی آموز ایک سکول کے خوشہ چینوں سے کہا ہے۔ کہ ؎

أَيُّهَا الْقَوْمُ الَّذِي فِي الْمَدْرَسَة
كُلَّمَا حَصَّلْتُمُوْهُ وَسْوَسَة

یہ ترقی برائے نام ترقی ہے۔ اور محض وہم و وسوسہ ہے۔ بھائیو! کچھ ہوش کرو۔ اور اس دنیا میں دل لگا کر نہ بیٹھ جاؤ۔ دائرۂ شریعت

میں رہ کر آپ دنیا سے متمتع ضرور ہوں۔ مگر خدا را عاقبت کو مت بھولیں اور اپنے دل و دماغ اور دیگر اعضاء کو تابع شریعت بنائیں۔

دنیا کی حقیقت ایک شاعر نے اپنی ایک رباعی میں اس دنیا کی حقیقت بیان کر دی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ؎

حال دنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ!
گفت یا خوابے است یا بادے است یا افسانۂ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے ببست
گفت یا غولے است یا دیوے است یا دیوانۂ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بتیسواں وعظ

اسلامِ کامل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ . وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ . وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ (پ ۲ ع ۹)

اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "اِسلامِ کامل" — یعنی

پورا اسلام۔ خدا تعالیٰ نے اِس آیتِ کریمہ میں جو میں نے تلاوت کی ہے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ مسلمانو! اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ۔ یعنی یہ نہیں کہ کوئی بات اسلام کی لے لی۔ اور کوئی دوسرے کسی اور دین کی۔ اور دعویٰ یہی رکھا۔ کہ میں مسلمان ہوں۔ مسلمان بننا ہے تو سو فیصدی مسلمان بنو۔ پہلے اس آیت شریفہ کا شانِ نزول سنیئے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نورانی و مقدس چہرہ دیکھا۔ تو یہ کہہ کر کہ یہ پیارا منہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ ایمان لے آئے۔ اور حضور کے صحابی بن گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام نے بعض باتیں دینِ موسوی کی اپنائے رکھیں۔ شریعتِ موسوی میں اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا۔ کہ اسلام میں بھی اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرنا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں۔ کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ تو میں کیوں نہ ان باتوں پر بھی عمل کرتا رہوں۔ یعنی اونٹ کا گوشت نہ کھاؤں اور دودھ بھی نہ پیوں۔ تاکہ شریعتِ موسوی پر بھی عمل ہوتا رہے اور اسلام کی بھی مخالفت نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ اونٹ کے گوشت و دودھ سے پرہیز رکھتے رہے (دیکھئے تفسیر خازن اور دیگر کتبِ سیر بحوالہ تفسیر خزائن العرفان صفحہ) اس پر یہ آیت اتری اور خدا نے فرمایا۔ کہ اے ایمان والو! مسلمان بننا ہے تو پورے پورے مسلمان بنو۔ یہ کیا کہ ادھر بھی اور اُدھر بھی۔ کچھ باتیں اسلام کی لے لیں اور کچھ کسی دوسرے دین کی۔ مطلب یہ کہ اگر مسلمان بنے ہو تو اونٹ کا گوشت اور دودھ اگر اس خیال سے نہیں کھاتے پیتے۔ کہ دینِ موسوی میں حرام تھا۔ تو یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ مسلمان بن کر ان سے اجتناب کیوں؟ اونٹ کا گوشت بھی کھاؤ اور دودھ بھی پیؤ۔ اگر ایسا نہ کرو گے۔ تو یہ شیطان کی اتباع ہوگی۔

بھائیو! اس سے ایک مسئلہ تو یہ ثابت ہوا۔ کہ اسلام میں

اگر کوئی چیز محض مباح اور جائز ہو۔ اور اس کا استعمال کوئی ضروری نہ ہو۔ تو اگر کوئی شخص کسی دوسرے مسلک کا لحاظ کرکے اس سے بچنے لگے۔ تو اب اس پر اس چیز کا استعمال ضروری ہو جائیگا۔ اور ہم اسے وہ چیز ضرور کھلائیں گے۔ تاکہ یا تو وہ پورے طور پر ادھر ہو جائے۔ یا پھر صاف ادھر ہو جائے۔

گیارہویں شریف کے چاول اور شبِ قدر حلوہ

مثلاً گیارہویں شریف کا کرنا کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔ ہاں مستحسن و جائز ہے اور ایصال ثواب و وعظ و تبلیغ کے باعث کارِ خیر اور موجبِ ثواب ہے۔ کوئی کرے یا نہ کرے۔ کرے تو ثواب ہے نہ کرے تو گنہ نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اس سے اس لئے اجتناب کرے کہ فلاں مسلک میں یہ ناجائز و حرام ہے اور ہمارے مسلک میں بھی یہ کوئی ضروری تو ہے نہیں۔ تو کیوں نہ میں اس سے اجتناب ہی کروں۔ تاکہ فلاں مسلک پر بھی عمل ہوتا رہے۔ اور اپنی سنیت میں بھی فرق نہ آئے۔ تو ایسے شخص پر گیارہویں شریف کا کرنا اور اس میں شامل ہونا ضروری ہے۔ اور اسے زور سے کہا جائے گا کہ وہ گیارہویں شریف کو اپنائے۔ خود پکائے، کھلائے اور کھلائے۔ اسی طرح شبِ قدر کا حلوہ کوئی ضروری نہیں ہے۔ کوئی پکائے یا نہ پکائے، کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس سے اس لئے پرہیز کرے کہ فلاں مذہب میں یہ بدعت ہے۔ تو ایسے شخص کو زور سے بھی یہ حلوہ کھلایا جائے گا۔ تاکہ اس کا کام و دہن میٹھا ہے۔ دل و دماغ تر ہو اور خشکی دور ہو۔

بدعت

میرے بھائیو! آجکل جہاں اور کئی من گھڑت مسئلے نکل آئے ہیں۔ وہاں ایک ہر کارِ خیر کو بدعت قرار دینے کا مسئلہ بھی عام ہے۔ کوئی نیک کام کیجئے۔ جھٹ بدعت کا فتوے سن لیجیے۔ مثلاً یہی گیارہویں شریف کی محفل یا ایصال ثواب کے لئے شبِ قدر کو حلوہ پکانا۔ بعض حضرات اسے بھی بدعت و حرام قرار

دیدیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو اُسے کوئی دوسرا کیوں حرام کرے؛ خوب یاد رکھیئے۔ کہ شریعت میں بعض چیزوں کے کرنے کا حکم ہے اور بعض چیزوں سے بچنے کا حکم ہے۔ جن کے کرنے کا حکم ہے وہ فرائض و واجبات ہیں۔ اور جن سے بچنے کا حکم ہے وہ حرام و ممنوعات ہیں اور جن باتوں کے نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ ان سے بچنے کا حکم ہے وہ جائز و مباحات ہیں۔ اس اصول کو پیش نظر رکھ کر جان لیجیے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کام کو فرض و واجب کہے تو ہم اس سے دلیل طلب کر سکتے ہیں۔ کہ کہاں لکھا ہے۔ کہ یہ کام کرو۔ اور اسیطرح اگر کوئی شخص کسی کو حرام و منع کہے۔ تو ہم اس سے بھی دلیل طلب کر سکتے ہیں۔ کہ کہاں لکھا ہے۔ کہ یہ کام نہ کرو۔ اور جو شخص کسی کام کو جائز و مباح سمجھ کر کرے۔ اس سے یہ کہنا کہ یہ کہاں لکھا ہے۔ کہ یہ کام جائز و مباح ہے۔ یہ سوال ہی اصولاً غلط ہے۔ اسلئے کہ دلیل ہمیشہ فرض و واجب یا منع و حرام کی ہوتی ہے۔ جواز و مباح کی دلیل کیسی؟ جواز و مباح کی تو دلیل یہی ہے کہ اس کام کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ دیکھئے آپ کو ایک مثال دے کر سمجھاؤں۔ ایک مسجد کا کنواں ہے۔ اس سے نمازی وضو کر رہے ہیں۔ نہا رہے ہیں۔ اس کا پانی لے جا کر لوگ پی رہے ہیں اور کپڑے دھو رہے ہیں۔ گویا اس کا پانی استعمال ہو رہا ہے۔ اب ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے۔ بھائیو! یہ کنواں تو ناپاک ہے اسے استعمال نہ کرو۔ اور پھر یوں کہے کہ اے اس کنوئیں کو پاک کہہ کر اسے استعمال کرنے والو۔ اگر یہ کنواں پاک ہے تو اس کے پاک ہونے کی کوئی دلیل پیش کرو۔ کیوں بھائیو! انصاف سے کہنا۔ کہ اس کی اس دلیل طلبی کا تم کیا جواب دو گے؟ یہی نا کہ بھائی دلیل ہم سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ ہم تو اِسے پاک کہہ رہے ہیں جو اصل ہے۔ دلیل تو تمہارے ذمے

ہے۔ ناپاک تم کہہ رہے ہو تم بتاؤ کہ اس کے ناپاک ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ کیا اس میں کسی نے پیشاب کر دیا ہے۔ یا اس میں کوئی جانور گر گیا ہے؟ کیا بات ہے؟ اس پر بھی اگر وہ یہی کہتا چلا جائے کہ نہیں دلیل تم بتاؤ کہ یہ کیسے پاک ہے؟ تو پھر اُسے یہی کہا جائے گا کہ اس کے پاک ہونے کی دلیل یہی ہے کہ اس کے ناپاک ہونے کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ دلیل ہمیشہ ناپاک کہنے والے کے ذمہ ہوگی۔ پاک کہنے والے کے ذمہ نہیں۔

اسی طرح گیارہویں شریف، تیجہ، دسواں، چالیسواں یا جلوس میلاد شریف امور مستحسنہ جن کو جائز کہہ کر ان پر بڑے بڑے علماء و صلحاء عمل کرتے چلے آئے ہیں اگر ایک شخص ان کے متعلق یوں کہدے کہ یہ کام ناجائز ہیں۔ یا جائز ہیں تو ان کی دلیل پیش کرو تم ہم کہیں گے۔ کہ بندۂ خدا! دلیل ہم جائز کہنے والوں سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ ناجائز تو تم کہہ رہے ہو۔ دلیل تو تمہارے ذمہ ہے۔ اور ہمارے پاس تو جواز کی یہی دلیل ہے کہ تمہارے پاس ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

میرے بھائیو! اگر یہی اصول گھڑ لیا جائے کہ ہر جائز چیز کیلئے بھی دلیل کی حاجت ہے۔ تو پھر بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ ہزاروں لاکھوں چیزیں ہیں جو درجۂ جواز میں ہیں۔ مدرسہ کھولنا، اس کے لئے چندے کرنا۔ انجمن بنانا، اس کے لئے رکن بنانا، انجمن کا نام رکھنا۔ اس کی میٹنگ کرنا، بورڈ لکھوانا، سالانہ جلسے کرنا، سٹیج بنانا، اپنے علماء کو دعوت دینا اور اہتمام کے ساتھ ان کی تقریریں کرانا، تقریروں کا وقت مقرر کرنا، انہیں مشتہر کرنا، اخبار نکالنا اور ان کی اشاعت کی تاریخیں مقرر کرنا اور تاریخ مقررہ سے آگے پیچھے نہ ہونا، اخبار میں قال اللہ و قال الرسول لکھ کر اس کے پیسے لینا دینا وغیرہ، کیا

ان سب باتوں کے لئے الگ الگ کوئی دلیل ہے؟ یا صرف یہی ایک دلیل ہے کہ ان کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

سردار اہل حدیث جناب مولوی ثناء اللہ صاحب کا ایک فتوے

آیئے میں آپ کو ایک فتوے سناؤں جو سردار اہل حدیث جناب مولوی ثناء اللہ صاحب نے لکھا ہے۔ صاحبِ انصاف کے لئے یہی ایک فتوے کافی ہے جناب مولوی صاحب سے کسی نے دریافت کیا۔

"لوگ کہتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شیروانی نہیں پہنتے تھے اور بمپ جوتا نہیں پہنتے تھے۔ اور کوٹ نہیں پہنتے تھے اور بندوق نہیں چلاتے تھے اور پان نہیں کھاتے تھے اور آجکل یہ سب چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ سب بدعت ہیں لہذا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جناب مولوی صاحب مذکور نے اس کا حسب ذیل جواب دیا۔

حدیث میں آیا ہے۔ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُمْ۔ یعنی جب تک میں تمہیں کسی چیز سے منع نہ کروں تم اس کو منع مت سمجھا کرو بلکہ جائز سمجھو۔ اشیاء مذکورہ اس حدیث کے ماتحت جائز ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں ممانعت نہیں آئی"

(اخبار اہلحدیث امرتسر ۱۰ شوال ۱۳۶۳ھ نمبر ۲)

کیوں صاحب! ہے نا وہی بات جو میں کہہ چکا۔ یعنی جس چیز سے حضور نے منع نہیں فرمایا وہ بدعت نہیں ہے بلکہ جائز ہے اور جائز ہونے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ اوپر کے سوال کی لسٹ میں اگر محفلِ میلاد، جلوس میلاد اور گیارہویں شریف وغیرہ کا بھی اضافہ کرلیا جائے۔ تو اس کا بھی یقیناً وہی جواب ہوگا۔ جو مولوی صاحب نے دیا ہے اور مولوی صاحب کا کہنا درست ہے اس لئے کہ استدلال ان کا حدیث سے ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ہدایت فرمادی ہے کہ جسے میں منع نہ کروں اُسے تم بھی منع مت سمجھو۔ لیجئے ایک اور حدیث پاک بھی سنیئے :۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّۃِ یَاْکُلُوْنَ اَشْیَاءَ وَیَتْرُکُوْنَ اَشْیَاءَ تَقَذُّرًا، فَبَعَثَ اللہُ نَبِیَّہٗ وَاَنْزَلَ کِتَابَہٗ وَاَحَلَّ حَلَالَہٗ وَحَرَّمَ حَرَامَہٗ فَمَا اَحَلَّ فَھُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَھُوَ حَرَامٌ وَمَا سَکَتَ عَنْہُ فَھُوَ عَفْوٌ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶۵)

دورِ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ چیزیں کراہت کی وجہ سے نہیں کھاتے تھے۔ پس اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اپنی کتاب اتاری اور اپنے حلال کو حلال کیا اور حرام کو حرام کیا۔ پس جسے اس نے حلال کیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے وہ خاموش رہا وہ معاف (جائز) ہے ؎

دیکھ لیجئے۔ اس حدیث پاک میں صاف ارشاد ہے کہ حرام چیزیں وہی ہیں جسے خدا و رسول نے حرام کیا ہے اور جن کے متعلق سکوت ہے وہ جائز ہیں۔ میرے بھائیو! اب خود ہی فیصلہ کرلو کہ جن چیزوں کو خدا اور اس کے رسول نے حرام نہیں فرمایا اور جن باتوں سے خدا و رسول نے منع نہیں فرمایا ۔ انہیں خود ہی حرام قرار دے دینا اور انہیں منع و ناجائز کہہ دینا کہاں تک جائز ہے۔

غلط فہمی باوجود ان حقائق کے اگر پھر بھی کوئی شخص یہی رٹ لگائے جائے کہ نہیں صاحب یہ باتیں منع ہی ہیں۔ پھر چاہے وہ بزعم خویش قرآن و حدیث بھی پڑھ پڑھ کر سنائے۔ تو ہم یہی عرض کریں گے کہ قرآن و حدیث میں تعارض نہیں ہو سکتا۔ قرآن و حدیث میں ان باتوں کی کوئی ممانعت نہیں آپ ہی کو غلط فہمی ہوئی ہے اور غلط فہمی کوئی انہونی بات نہیں۔ ایسا ہوتا آیا ہے۔

لطیفہ

چنانچہ ایک ایسے ہی صاحب اپنے گاؤں میں پہنچ کر لوگوں سے کہنے لگے کہ میں شہر کی ایک جامع مسجد میں مولانا کا وعظ سن کر آیا ہوں۔ مولانا بڑے جوش میں فرما رہے تھے کہ پیاز کھانا حرام ہے۔ لہٰذا اے میرے بھائیو! پیاز کا استعمال ترک کر دو۔ یہ حرام ہے۔ گاؤں والے بڑے حیران ہوئے۔ کہ پیاز تو ایک دنیا استعمال کرتی آئی ہے اور آج تک یہ کسی نے بھی نہیں کہا تھا کہ پیاز کھانا بھی حرام ہے۔ چنانچہ گاؤں والے اکٹھے ہوکر شہر کے مولانا صاحب کے پاس پہنچے۔ اور دریافت کیا کہ قبلہ! آپ نے یہ کیا ارشاد فرمایا کہ

"پیاز کھانا حرام ہے"

مولانا نے فرمایا۔ میں نے تو کہا تھا کہ۔۔

"بیاج کھانا حرام ہے"

لاحول ولا قوۃ الا باللہ! دیکھ لیجئے۔ کہنے والے نے کیا کہا۔ اور سننے والے نے کیا سنا؟ میرے بھائیو! کچھ یہی حال ہے زید و عمر و بکر کا بھی کہ خدا تعالیٰ نے تو یہ فرمایا کہ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ یعنی جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے مگر انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہر وہ چیز جس پر کسی صورت بھی غیر اللہ کا نام آجائے وہ حرام ہے۔ ہوئی نا وہی بات کہ پیاز کھانا حرام ہے۔

ہاں تو میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ساری شریعت پر چلو۔ تمام احکام الٰہی بجا لاؤ۔ تمام منہیات سے بچو۔ اور پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ یعنی ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔ اسلام ہی اسلام ہو۔ یہ نہیں کہ دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور۔ دل میں تو ضروریات دین کا انکار ہو اور لوگوں کو فریب دینے کے لئے زبان پر اسلامی کلمات ہوں۔ اور يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ کی اور يَسْتَهْزِءُوْنَ اَحْلَوا مِنَ السُّکر کی تفسیر ہو

یا نقشہ یہ ہو کہ بظاہر کسی اسلامی حکم کی تعمیل نظر نہ آئے اور اگر کہا جائے کہ بھئی! تم مسلمان ہو اپنا ظاہر تو اسلامی رنگ میں رنگو۔ تو جواب ملے کہ چھوڑیئے صاحب اس ظاہر و باہر کو۔ اندر سے مسلمان ہونا چاہیئے۔ باہر کا کیا ہے کچھ بھی ہو۔ خدا ظاہر کو کب دیکھتا ہے وہ تو اندر دیکھتا ہے۔ ہمارے اندر اسلام ہی اسلام ہے۔ میرے بزرگو! یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ دیکھئے ایک صاحب اپنے کسی

باہر اور اندر

عزیز اور معزز مہمان کے لئے ایک کمرہ صاف ستھرا کرکے اُسے خوب مزین کرتے ہیں۔ اندر جھاڑو دیتے ہیں۔ میز، ٹیبل اور کرسیاں سلیقے سے لگاتے ہیں اور لوبان کی بتیاں بھی سلگا دیتے ہیں۔ الغرض نہایت شاندار طریق پر کمرے کے اندر کو مزین کرکے پھر کمرے کے باہر جس دروازے سے داخل ہوکر معزز مہمان نے اندر آنا ہے اس دروازے کے ساتھ ہی ایک بچے کو بٹھا کر ہگا بھی دیتے ہیں تو جس وقت وہ معزز مہمان کمرے کے اندر داخل ہونے کے لئے دروازے پر آئیگا تو یقیناً وہ وہیں رک جائے گا۔ اور اپنی ناک پر رومال رکھ لے گا۔ اب اگر وہ نہایت شوق سے کمرے کا اندر سجانے والے میزبان صاحب اپنے معزز مہمان سے کہنے لگیں۔ کہ کیوں صاحب! آپ یہاں رک کیوں گئے؟ تو مہمان جواب دے کہ یہ جو کمرے کے باہر نجاست پڑی ہے اس کی وجہ سے رک گیا ہوں تو میزبان صاحب فرمائیں۔ چھوڑیئے صاحب اس باہر کو۔ آپ ذرا اندر تو دیکھئے۔ اندر صفائی ہی صفائی ہے۔ چھوڑیئے اس باہر کی بدبو کو۔ ذرا اندر ملاحظہ فرمائیے۔ اندر خوشبو ہی خوشبو ہے۔ کیوں صاحب! فرمائیے۔ مہمان صاحب اندر دیکھیں گے یا پہلے باہر کا جائزہ لیں گے۔ اور کیا وہ ایسے صاف اور ستھرے اندر جانے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے جس کے باہر نجاست پڑی ہو؟ میرے بھائیو! یہ کوئی سلیقہ نہیں کہ اندر نفاست اور باہر نجاست۔ سلیقہ تو یہ ہے۔ کہ اندر

بھی نفاست اور باہر بھی نفاست. پوری پوری نفاست ہو۔بس خدا تعالیٰ بھی یہی فرماتا ہے. کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ— تمہارے اندر بھی اسلام ہو اور تمہارے باہر بھی اسلام ہو۔

مسجد اور بازار

میرے بھائیو! ایک اور بھی غلطی ہے ہم میں اور وہ یہ کہ بعض لوگ مسجد میں ہوں تو کسی واقعہ کے متعلق کچھ کہنے لگیں تو یوں کہتے ہیں۔کہ بھئی! یہ مسجد ہے مسجد میں کیا جھوٹ بولنا— یہاں تو سچ ہی کہنا چاہیئے. یا پھر مولوی صاحب سے مخاطب ہوکر یوں کہیں گے۔ مولوی صاحب! اب آپ کے سامنے کیا جھوٹ بولنا۔ گویا مسجد سے باہر نکل کر اور کسی غیر مولوی کے سامنے جی بھر کے جھوٹ بول لیا جائے گا. فرمایئے۔ یہ کیسا اسلام ہے کہ مسجد میں آئے تو سچ بول لیا اور دکان پر بیٹھے تو جھوٹ کو اپنا لیا۔ کسی کے سامنے سچ کہہ دیا اور کسی کے سامنے جھوٹ۔ بھائیو! اسلام یہ ہے کہ مسجد ہو، بازار ہو، دکان ہو، گھر ہو— مولوی صاحب کا سامنا ہو یا کسی دوسرے کا— کہیں بھی جھوٹ نہ بولا جائے اور ہر حال میں اور ہر وقت سچ ہی بولا جائے اور اسلام میں پورا پورا داخل ہوا جائے۔

ہاں تو بھائیو! مسلمان بننا ہے تو ہر حال میں مسلمان ہو۔ کسی وقت بھی تقویٰ و پاکبازی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ ہر جگہ اور ہر لمحہ تمہارا اسلام نظر آئے اور ظاہر و باطن، اندر و باہر تمہارا اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ تمہاری سیرت اور صورت دونوں ہی مسلمانوں کی سی ہوں۔ یہ نہیں کہ دل میں تو ایمان و اسلام ہو، اور صورت سے کرپارام ہو۔

لمبی مونچھیں

بھائیو! سنو! حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ ایک صحابیِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایک بار ان کی مونچھیں کچھ بڑھ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا.

نے مغیرہ! یہ کیا ؟ تمہاری مونچھیں بڑھی ہوئی کیوں ہیں ؟ انہیں کاٹ لو۔ حضرت مغیرہ نے سوچا۔ کہ گھر جاکر قینچی سے کاٹ لوں گا۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نہیں ! ابھی ابھی مسواک لو اور اس پر بڑھے ہوئے بال رکھ کر چھری سے کاٹ دو۔"

مسلمانو! دیکھ لو! حضور نے اغیار کی سی مونچھوں کو فوراً کٹوا دیا۔ ذرا بھی مہلت نہیں دی۔ مطلب یہی کہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ سیرت میں بھی اور صورت میں بھی مسلمان نظر آئے۔

فلسفہ مسلمانو! ہمارے لئے تو حضور علیہ السلام کا ہر ارشاد صرف اسی لئے واجب الاطاعت ہے کہ وہ حضور کا ارشاد ہے۔ مگر بعض لوگوں کو ہر بات میں فلسفہ چھانٹنے کی عادت ہوتی ہے چنانچہ کئی لوگ داڑھی رکھنے اور مونچھوں کے کٹوانے کا بھی فلسفہ پوچھا کرتے ہیں۔ بھائیو! سب سے بڑا فلسفہ تو یہی ہے کہ یہ اداۓ مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر ریش مبارک تھی اور حضور کے شوارب اقدس پست ہوتے تھے۔ بس جسے اللہ کا محبوب بننا ہو وہ حضور علیہ السلام کی نقل اتارے۔ اللہ کو وہی شکل پیاری ہے جس میں اسے اپنے حبیب کا جلوہ نظر آئے۔ بھائیو! دنیوی اسکولوں میں تو جو لڑکا کسی دوسرے کی نقل اتارے وہ فیل ہو جاتا ہے۔ مگر اس دینی مدرسہ میں جو کوئی بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارے گا۔ وہ "پاس" ہو جائے گا۔ دیکھو تو یہ نماز بھی کیا ہے۔ یہ اداۓ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نقل نہ ہو تو امت اس بات کے پیچھے کیوں پڑے کہ نماز میں رفع یدین ہو یا نہ ہو۔ ہاتھ باندھے جائیں یا نہ باندھے جائیں۔ اور باندھے جائیں تو کہاں باندھے جائیں۔ دیکھئے نماز کی قبولیت کے لئے سب اسی کی کوشش میں ہیں اور ائمہ اربعہ علیہم الرضوان اسی سعی

و اجتہاد میں رہے کہ ہماری نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی پوری پوری نقل ہو جائیں۔ جو نماز حضور کی نماز کے مطابق نہیں وہ نماز نماز ہی نہیں۔ بھائیو! اگر نماز صرف اس بات کا نام ہو کہ قیام ہو، رکوع ہو اور سجود ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اس میں مقصود نہ ہو تو یقین کر لیجئے۔ کہ نماز برائے نام نماز ہے۔ اور اللہ کے ہاں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ دیکھ لیجئے۔ ایک شخص مغرب کی نماز قصداً بجائے تین رکعت کے چار رکعت پڑھ لے۔ تو اس نے قیام و رکوع اور سجود میں کثرت کر دی۔ تو اگر نماز نام اسی قیام و رکوع اور سجود کا ہوتا۔ تو چاہئے تو یہ تھا کہ اس کی یہ نماز کامل بلکہ اکمل ہوتی۔ مگر نہیں اس کی یہ نماز ہوگی ہی نہیں اور اس کے منہ پر مار دی جائے گی۔ ذرا سوچئے تو کہ کیوں؟ کیا اسلئے کہ اس میں کسی رکوع یا سجدے کی کمی رہ گئی؟ نہیں! رکوع و سجود تو بلکہ زیادہ کر دیئے گئے ہیں۔ تو کیا اس لئے کہ اس میں کوئی رکعت کم کر دی؟ نہیں! رکعت تو بلکہ ایک بڑھا دی ہے۔ تو پھر کیا وضو نہیں کیا؟ نہیں! وضو بھی کیا ہے۔ پھر کیا بات کہ یہ بالقصد پڑھی ہوئی چار رکعات قبول نہیں ہوئیں؟ تو ہے ہو: بات یہ تو ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ نماز اس لئے قبول نہیں۔ کہ یہ نماز اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی اداہائے مبارک کے مطابق نہیں۔ اس کے محبوب نے جب تین رکعات پڑھی ہیں تو خدا کو بھی تین رکعات ہی مقبول ہیں۔ کم و بیش نہیں۔ گویا مقصود بالذات رکوع و سجود نہیں۔ اداہائے محبوب ہیں۔ اسی لئے اعلیحضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ؎

ثابت ہوا کہ جملہ مسائل فروع ہیں!
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

بھائیو! ایک تو یہ حقیقت ہے جو میں نے بیان کی اور ایک یہ غلط فہمی بھی ہے کہ نماز میں حضور کا خیال نہ آ جائے تو نماز ٹوٹ

جاتی ہے" معاذ اللہ! کس قدر برا خیال ہے اور کیسی فضول و غیر مقبول ہے وہ نماز جس میں خیال مصطفےٰ نہ ہو ع

تیری ترٹپ نہ ہو اگر کیسے ادا نماز ہو

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ داڑھی کا رکھنا اور مونچھوں کا کتروانا یہ بھی ادائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور مسلمان کے لئے یہی بڑا فلسفہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ ہے۔ اور حضور کا حکم بھی ہے۔ اور اگر کسی کو اس وقت تک چین نہ آئے جب تک کہ ان کی مرضی کے مطابق کوئی فلسفہ بیان نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ بعض طبیعتیں ایسی بھی ہیں۔ کہ جب تک کوئی دنیوی فلسفہ ان کے سامنے پیش نہ کیا جائے۔ تو وہ مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کی مثال بچوں کی سی ہے۔ بچے کو سو کا نوٹ دیجئے تو وہ کبھی خوش نہ ہوگا اور اگر اُسے پیسہ پکڑا دیجئے۔ پیسہ بھی وہ جس میں چھید ہو۔ تو بڑا خوش ہو جائے گا۔ اسی طرح ان فلسفہ پسندوں کے سامنے قرآن و حدیث پیش کیجئے۔ تو یہ خوش نہیں ہوتے اور جب کوئی یورپ کی بات کیجئے۔ تو بڑے خوش ہو جاتے ہیں۔ تو لیجئے صاحب! ہم ان مونچھوں کی پستی کا تمہاری مرضی کا فلسفہ بھی بنا دیں۔ یورپ کے ڈاکٹر ہی کہتے ہیں۔ کہ بالوں میں جراثیم ہوتے اور بڑھی ہوئی مونچھیں کھانے پینے کے وقت اگر نوالہ کے ساتھ منہ میں چلی جائیں۔ تو ان جراثیم کے اندر چلے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی لئے امریکہ میں جہاں یہودیوں کی بڑی بڑی مونچھیں ہوتی ہیں۔ ان کے لئے ہوٹلوں میں جو چائے کے کپ ہوتے ہیں۔ وہ اوپر سے بند ہوتے ہیں۔ صرف تھوڑی سی جگہ خالی ہوتی ہے۔ جہاں لب لگا کر چائے پی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ کپ کا منہ ننگا ہونے سے مونچھیں چائے میں پڑنے سے جراثیم کے چائے میں داخل ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس خطرہ کے تدارک کے لئے کپ کا منہ بند ہوتا ہے۔ میرے بھائیو! پڑھیئے! درود شریف اور اپنے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وسلم کی حکمت پر

قربان ہو جائیے۔ کہ جو بات لوگوں کو آج سوجھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے صدیوں پہلے اس کا علاج بیان فرما دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ قصّوا الشّوارب - یعنی لبوں کے بال پست کرا دو۔ یعنی نہ بڑی بڑی مونچھیں رہیں اور نہ ان کے جراثیم کے ماکولات و مشروبات میں داخل ہو جانے کا خطرہ رہے۔ بھائیو! امریکہ کے یہودیوں کو تو آپ نے دیکھا نہیں۔ اور سکھوں کو تو آپ نے دیکھا ہوگا۔ اور انہیں کبھی لسی پیتے بھی آپ نے دیکھا ہوگا۔ توبہ! توبہ!! لسی پی کر پھر وہ اپنی لسی آلود مونچھوں کو منہ میں ڈال کر انہیں یوں چوسا کرتے تھے جیسے کوئی آئس کریم چوس رہا ہو۔ یہی حال ہر اس شخص کا ہوتا ہے۔ جس کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں۔

لطیفہ ایک سکھ ہی کا لطیفہ ہے کہ وہ سویّاں کھا رہا تھا۔ جب وہ سویّوں کا لقمہ منہ میں ڈالتا تو اس کی مونچھیں بھی لقمہ کے ساتھ منہ میں چلی جاتیں اور جب وہ مونچھوں کو منہ سے نکالتا تو سویّوں کا لقمہ بھی باہر آ جاتا۔ اس بیچارے کو سویّاں کھانا مشکل ہو گئیں۔ بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت میں اُخروی فوائد کے ساتھ ساتھ دنیوی فوائد بھی ہوتے ہیں اور ترکِ سنت سے اُس عالم میں بھی اور اس دنیا میں بھی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے

سہ دونوں عالم میں تجھے مطلوب گر آرام ہے
ان کا دامن تھام لے جن کا محمدؐ نام ہے

ایک سکھ سے گفتگو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ راولپنڈی آرسنل کے ایک پڑھے لکھے سکھ سے میری گفتگو ہوئی۔ اور اس نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے داڑھی رکھنے کی جب تاکید فرمائی ہے تو داڑھی جب اچھی چیز ہے۔ تو پھر مشت بھر سے زیادہ کٹوانے اور مونچھوں کے بال پست کرانے کی کیا وجہ ہے؟ چہرے کے بال جب اچھے ہیں تو پھر کوئی بال بھی نہیں کٹوانا چاہیئے۔ چنانچہ ہمارے دھرم نے یہی بتایا ہے۔ کہ داڑھی

مونچھیں سب کی سب رکھی جائیں۔ اور کسی بال کو بھی نہ چھیڑا جائے۔ میں نے اس کو جواب دیا تھا۔ کہ سردار جی! بات یہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق ہیں اور لطافت و نظافت اور حکمت کے معلم بھی ہیں۔ دیکھئے! خربوزہ ایک بہترین پھل ہے۔ مگر اسکے کھانے کے دو طریق ہیں۔ ایک طریق تو مہذبانہ ہے اور ایک وحشیانہ۔ مہذبانہ طریق تو یہ ہے کہ خربوزے کو پہلے دھو لیا جائے۔ پھر اُسے چاقو سے چیر کر اس کے بیج وغیرہ سب نکال کر صاف کر لیا جائے اور پھر اس کی پھانکیں کاٹ کر ان کے چھلکے اتار لئے جائیں اور پھر لطافت و نظافت کے ساتھ کھایا جائے۔ اور وحشیانہ طریق یہ ہے کہ خربوزے کو ہاتھ میں لیا اور دوسرے ہاتھ کا گھونسا بناکر اس کو دے مارا۔ اور اسے توڑ پھوڑ کر چھلکوں اور بیج سمیت منہ میں ڈال لیا۔ فرمایئے! کیا یہ طریق کوئی اچھا ہے؟ سردار جی! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کو رکھوایا مگر مہذبانہ طریق سے۔ گویا اس کے بیج چھلکے وغیرہ سب اتروا دیئے۔ مگر یہ کہ داڑھی رکھو اور بے تحاشہ رکھو۔ حد سے زائد اور مونچھوں کے عرض و طول سمیت رکھو ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے۔ کہ خربوزہ کھاؤ تو اس کے بیج اور چھلکے بھی رگڑ جاؤ۔ آپ ہی فرمایئے کہ یہ طریق کہاں تک معقول ہے؟ میرے بھائیو! یہاں یہ بات بھی سمجھئے۔ کہ خربوزہ کے چھلکے اتارے جائیں گے۔ یہ نہیں کہ ساتھ ہی گودا بھی اتار کر پھینک دیا جائے۔ مطلب یہ کہ داڑھی کو مشت بھر سے کم کر دینا ایسا ہی ہے جیسے گودا بھی الگ کر دیا جائے۔

میں نے پھر اس سکھ سے یہ بات بھی کہی کہ دیکھئے ہر شخص اپنے مکان کی نالی کے منہ کو صاف رکھتا ہے۔ وہاں کوڑا کرکٹ جمع نہیں ہونے دیتا۔ تاکہ گندہ پانی رک نہ جائے۔ اسی طرح یہ ناک ایک ایسی نالی سمجھئے جو ناک بہنے کا راستہ ہے۔ پس اس نالی کے منہ کو صاف ستھرا رکھنا چاہیئے۔ تاکہ بہتی ناک یہاں آکر رک نہ جائے۔ چنانچہ لمبی مونچھیں زیادہ تر

رنجھے آلود ہی ہوتی ہیں۔ ہمارے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ احسان ہے دنیائے انسانیت پر کہ حضور نے حکمت و دانائی اور صحت وصفائی کا درس دیا۔ اور انسان کو انسان بنایا۔ سچ ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عجب

انساں نہ بن سکا کوئی انساں ترے بغیر

میرے بھائیو! میں سچ کہتا ہوں کہ اُس سکھ سے ان باتوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا۔

محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! یہ حقیقت ہے اور واقعہ ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محسن عالم ہیں۔ ساری دنیا پر حضور کے احسانات ہیں۔ انسان کو انسان اگر بنایا ہے تو حضور نے۔ حضور کی غلامی و اتباع ہی کا دوسرا نام انسانیت ہے۔ انسان جسم و روح سے مرکب ہے۔ ہمارے حضور نے انسان کے جسم کو بھی پاک کیا اور روح کو بھی۔ آج لوگ یورپ کی تہذیب پر بڑے نازاں ہیں۔ حالانکہ یہ تہذیب ایک گندی تہذیب ہے۔ انگریز و فرانسیسی، جرمن امریکن وغیرہ بظاہر کتنے صاف نظر آتے ہیں۔ خود کو، مکانوں کو اور شہروں کو کتنا صاف رکھتے ہیں۔ مگر سور جیسا پلید جانور جو لیوں وغیرہ پر گذارا کرتا ہے۔ اور اسی سے اس کا گوشت پوست بنتا ہے۔ ان کی محبوب غذا ہے۔ کتے جیسا ناپاک جانور ان کے بستروں پر سوتا اور گود میں بیٹھتا ہے۔ اور یہ لوگ اس کا منہ تک چوم لیتے ہیں۔ استنجا کرنا ان میں ہے ہی نہیں۔ صرف کاغذ سے نجاست صاف کر لیتے ہیں۔ پیشاب کے قطرات ان کی پتلونوں اور پینٹ کو "عطرآلود" بنائے رکھتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ہی ٹب میں نہاتے اور بجائے پاک ہونے کے اور بھی ناپاک ہو جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں، پارسیوں اور ہندوؤں کا ہے۔ لیکن ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی نہیں کہ لباس و جسم ہی کی صفائی و پاکیزگی پر زور دیا ہے۔ بلکہ ہر قسم کی

نجاستوں سے بچنے کے شدید احکام نافذ فرمائے اور ظاہر و باطن، مرئی و غیر مرئی جسمانی و روحانی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک رہنے کی تاکید فرمائی تہذیبِ جدید نے اپنے تمام طمطراقِ صفائی کے باوجود مرئی اور ظاہر نجاستوں کو بھی دور نہیں کیا۔ مگر اسلام ظاہر سے گذر کر باطن تک بھی پہنچ گیا۔ اور اس نے پہلی مرتبہ دنیا کو بتایا۔ کہ نجاست کی جہاں بظاہر کئی قسمیں ہیں۔ وہاں ایسی نجاستیں بھی موجود ہیں۔ جن کا اثر بظاہر جسم پر تو نہیں ہوتا۔ مگر وہ نہ صرف یہ کہ جسم ہی کو ناپاک کر دیتی ہیں۔ بلکہ اخلاق و روح پر بھی اثر ڈالتی ہیں۔ اسلام کی اصطلاح میں جسم پر ظاہر نہ ہونے والی نجاست کو نجاستِ حکمی کہتے ہیں۔ اور اس سے بھی جسم ناپاک ہو جاتا ہے۔ جیسے حدثِ اکبر یعنی حالتِ جنابت نہانے کی حاجت ہو تو شریعت میں اس وقت تک کوئی عبادت مقبول نہیں ہوتی جب تک کہ انسان غسل نہ کرلے۔ بلکہ شریعت نے تو یہاں تک فرمایا ہے۔ کہ بغیر غسل کئے کے اس حالت میں کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا بھی معصیت کا باعث ہے۔ دوسری نجاست نجاستِ حقیقی ہے۔ اور یہ وہ نجاست ہے جو ظاہر اور نمایاں ہو۔ جیسے بول و براز اور خون و پیپ وغیرہ۔ اور پھر یہ نجاست نجاست خفیفہ بھی ہے اور نجاستِ غلیظہ بھی۔ چنانچہ فقہاءِ اسلام علیہم الرحمۃ نے کتبِ فقہ میں نجاست کا ایک خاص باب مقرر کرکے نجاست کے مفصل احکام درج فرمائے ہیں۔ میرے بھائیو! اسی بات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں صفائی و پاکیزگی کے متعلق کتنے وسیع اور حکمت آمیز احکام ہیں۔

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمائی ہے اور جسم و روح دونوں کو پاک فرمایا ہے۔ اور کمال یہی ہے کہ جسم بھی پاک ہو اور روح بھی پاک ہو۔ اور یہی ہے **اسلامِ کامل**۔ یعنی انسان اندر و باہر سے اور ظاہر و باطن سے اسلامی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ جو لوگ اپنے باطن کی صفائی کا

اعلان کریں اور ان کا ظاہر اسلامی نہ ہو تو ایسے لوگ محض دھوکے میں ہیں۔ اس لئے کہ ظاہر و باطن کا آپس میں گہرا تعلق ہے جو شخص بظاہر گندہ و غلیظ رہنے کا عادی ہو اس کا باطن بھی مکدّر اور پستی میں رہتا ہے اور ظاہری صفائی کا دل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دق کے مریض کے لئے اطباء و ڈاکٹر یہ بتاتے ہیں کہ اسے صاف و ستھرا رکھو۔ اسے اچھی ہوا میں رکھو۔ اس کا لباس صاف و ستھرا رکھو۔ دیکھو لیجئے۔ بیماری تو اندر کی ہے اور علاج باہر کا ہو رہا ہے۔ یہ اسی لئے کہ باہر کا اثر اندر بھی ہوتا ہے اور اسی طرح اندر کا اثر باہر بھی دکھائی دیتا ہے۔ دیکھ لیجئے اگر اندر دل میں خوشی ہو تو باہر چہرہ بھی چمک اٹھتا ہے اور اگر اندر دل میں غم ہو تو باہر چہرہ بھی مرجھا جاتا ہے۔ بھائیو! آپ نے یہ کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ دل میں تو بے حد خوشی ہو اور چہرہ غمزدہ ہو۔ مگر تعجب ہے کہ یہ بات منوانے کے درپے کیوں ہوا جاتا ہے۔ کہ ہمارے باہر کو چھوڑیئے اور ہمارے اندر اسلام ہی اسلام ہے۔ اگر اندر اسلام ہے تو باہر اس کا اثر کیوں نہیں دکھائی دیتا۔ ہاں تو بھائیو! ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مونچھیں ترشوانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ وہ بھی اسی لئے کہ ان میں کھانے کے غیر مرئی ذرّے یا بہتی ناک کے جراثیم الجھے نہ رہ جائیں اور اس ظاہری غلاظت سے باطن بھی اثر پذیر نہ ہو جائے۔

حضرات! انہیں ظاہری و باطنی ہر قسم کی نجاستوں سے بچنے کا نام ہے اسلامِ کامل۔ ظاہری نجاستوں کے علاوہ جو باطنی نجاستیں

باطنی نجاستیں

ہیں ان سے بچنا بھی کامل مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے۔ جھوٹ، دغا، فریب، رشوت و خیانت حرص و ہوا، اسراف و تبذیر، بہتان و افتراء، اور کبر و غرور۔ یہ سب باطنی نجاستیں ہیں۔ مسلمانو! ان سب باتوں سے بھی بچو۔ تمہاری صورت بھی اسلامی ہو اور تمہاری سیرت بھی سراسر اسلامی ہو۔ اور

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" کے تم سراپا تفسیر بن جاؤ۔ خدا تعالیٰ یہی چاہتا ہے۔ کہ میرے بندے اندر و باہر سے کامل طور سے میرے بندے بن جائیں۔

ایک شبہ کا ازالہ بھائیو! بعض لوگ یہ حدیث پڑھا کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا دلوں کو دیکھتا ہے۔" اس حدیثِ پاک سے وہ لوگ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ صورت اور ظاہر کیسا بھی ہو۔ کوئی حرج نہیں۔ حالانکہ حدیث کا مطلب یہ نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ صرف صورتوں ہی کو نہیں دیکھتا۔ وہ صورتوں کے ساتھ ساتھ سیرتوں کو بھی دیکھتا ہے۔ یعنی صورت و سیرت دونوں اسلامی ہونی چاہئیں۔ اور اگر یہی بات ہو کہ صورت کیسی بھی بنالی جائے۔ پروا نہیں تو پھر ایسے شخص کو جو مرد ہو کر کانٹے اور چوڑیاں پہن لے۔ لوگ "زنانہ" کیوں کہنے لگتے ہیں۔ اور کوئی یہ منظر کیوں نہیں دکھاتا۔ کہ ساڑھی پہن کر دوپٹہ اوڑھ کر اور کانٹے چوڑیوں سے مزین ہو کر باہر نکلے اور لوگ تمسخر اڑائیں تو کہہ دے کہ صورت کو کیوں دیکھتے ہو۔ باہر "زنانہ" سہی۔ اندر سے تو ہیں "مردانہ" ہی ہوں نا۔ اسی طرح کوئی مسلمان ہو کر زنار پہن کر یا ہندوؤں کی سی چوٹی رکھ کر تو دکھائے۔ چاروں طرف سے آوازیں اٹھتی ہیں یا نہیں۔

الغرض میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! خدا کے ارشاد کے مطابق تم اپنے آپ کو سراسر اسلامی رنگ میں رنگ لو۔

مثال میرے بھائیو! جس کا باطن اچھا نہ ہو اور ظاہر اچھا نظر آئے اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی نجاست پر چاندی کا ورق لگا دیا جائے۔ یا کسی زہر بھری بوتل پر شہد کا لیبل چسپاں کر دیا جائے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایسے شخص کے لئے یہ فرمایا ہے کہ ؎

از بروں طعنہ زدی بر با یزید
وز درونت ننگ میدارد یزید

اور جس کا ظاہر اچھا نہ ہو اور بقول اس کے اس کا باطن اچھا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی زمین میں بیج بوئے اور جب وہ بیج پودہ بن کر نکلے اور بڑھے اور اس کی شاخیں اور پتے نکلیں۔ تو یہ "عقلمند" اس کی شاخیں پتے سب کاٹ جھاڑ ڈالے اور پھر پھل کا منتظر رہے۔ اور دلیل یہ دے کہ زمین کے اندر دیکھو تو بیج موجود ہے۔ سب کہیں گے کہ جناب والا! بیج موجود سہی۔ مگر اس کے بار آور ہونے کے لئے اس کی شاخوں پتوں کا موجود رہنا بھی ضروری ہے۔ اگر شاخیں پتے ہی نہ رہے۔ تو بیج سے مستفید ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ بھائیو! دل میں ایمانی بیج بویا ہے۔ تو اس ایمانی درخت کی شاخیں پتے یہ ظاہری شکل و صورت اور نماز روزہ وغیرہ نیک اعمال ہیں۔ اگر یہ شاخیں پتے ہی نہ رہے تو پھر کیا فائدہ۔ اقبال نے اسی حالت پر تو یہ لکھا ہے۔ کہ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اور سب خیریت ہے

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کسی شہر میں گیا اور رات بسر کرنے کے لئے اپنے گاؤں کے ایک بابو صاحب کے گھر چلا گیا۔ بابو صاحب اس شہر میں ملازم تھے۔ بابو صاحب نے اپنے گاؤں سے آئے ہوئے اس آدمی سے۔ اپنے گھر کی خیریت دریافت کی اور پوچھا۔ میاں! سناؤ میرے گھر میں تو خیریت ہے؟ وہ آدمی بولا۔ ہاں سب خیریت ہے۔ صرف آپکا جو کتا تھا وہ مرگیا ہے اور سب خیریت ہے: بابو جی بولے۔ ارے میرا کتا مرگیا؟ وہ تو بڑا وفادار تھا۔ اچھا یہ تو بتاؤ۔ کہ اسے ہوا کیا۔ وہ بولا۔ ہونا کیا تھا۔ آپ کا جو گھوڑا تھا اس کے مر جانے کے بعد کتے نے گھوڑے کی لاش کو کھانا شروع

کر دیا۔ اتفاقاً اس کے گلے میں ایک ہڈی پھنس گئی اور وہیں مرگیا۔
"اور سب خیریت ہے"۔ بابو جی بولے۔ ارے! میرا گھوڑا بھی مر گیا؟
اسے کیا ہوا؟ وہ بولا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر کے لئے اینٹیں درکار
تھیں۔ وہ اینٹیں اس گھوڑے پر لادی گئیں۔ بچارہ بوجھ سہار نہ سکا۔
گرمی کے دن تھے۔ اچانک گرا اور مرگیا "اور سب خیریت ہے"! بابوجی
گھبرا کر بولے۔ تو کیا میری ماں بھی مر گئی؟ ارے یہ کیا ہوا۔ جلدی بتاؤ
انہیں کیا ہوا؟ وہ بولا۔ آپ کی ماں اپنی بہو کے مرجانے کے بعد اس
قدر متاثر ہوئی کہ ان کا ہارٹ فیل ہوگیا۔ "اور سب خیریت ہے"! اب
تو بابو جی کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ اور سر پیٹ کر بولے۔ تو
ظالم! کیا میری بیوی بھی مرگئی؟ اُسے کیا ہوا؟ وہ بولا ہونا کیا تھا۔
بچاری اپنے دونوں بچوں کی لاشیں دیکھ کر تڑپ کر رہ گئی۔ اور وہیں
اللہ کو پیاری ہوگئی "اور سب خیریت ہے"! اب تو بابو جی کا اپنا بھی ہارٹ
فیل ہونے لگا۔ اور روتے ہوئے پوچھا۔ ارے میرے پیارے بچوں کو
کیا ہوا؟ وہ بولا۔ کثرتِ باراں کی وجہ سے آپ کا کچا مکان اچانک
گر گیا اور آپ کے دونوں بچے چھت کے نیچے آکر ہلاک ہوگئے۔ "اور
سب خیریت ہے"

بابوجی دھڑام سے نیچے گر گئے اور بیہوش ہو گئے۔

حضرات! ذرا اس "اور سب خیریت ہے" کو تو دیکھئے۔ کہ سارا
گھر چوپٹ ہو گیا۔ مگر پھر بھی "اور سب خیریت ہے" میں کوئی فرق
نہیں آیا۔ کیوں صاحب! اس "اور سب خیریت ہے" کا بھی کوئی معنیٰ
باقی رہ جاتا ہے جبکہ نہ ماں رہی نہ بیوی اور نہ بچے اور نہ مکان۔ بھائیو
اسی طرح کچھ آجکل کی مسلمانی بھی ہے کہ "الحمد للہ مسلمان ہوں" کیوں
صاحب! سنائیے۔ کبھی نماز پڑھی؟ جواب ملتا ہے۔ کیا بتاؤں صاحب!
کپڑے پاک نہیں رہتے اور دکان سے فرصت بھی نہیں ملتی۔ ویسے
"الحمد للہ مسلمان ہوں"۔ اچھا صاحب! روزہ تو رکھتے ہیں آپ؟ جواب

ملتا ہے۔ کیا عرض کروں مولوی صاحب! صحت خراب رہتی ہے۔ کوشش کروں بھی تو روزہ نہیں رہتا۔ ویسے "الحمد للہ مسلمان ہوں" اچھا صاحب زکوٰۃ تو ادا کرتے ہی ہوں گے آپ؟ جواب ملتا ہے۔ اجی اپنا ہی وقت مشکل سے گزر رہا ہے زکوٰۃ کا کیا سوال؟ ویسے "الحمد للہ مسلمان ہوں" اسی طرح رشوت بھی لی جا رہی ہے۔ غبن بھی کیا جا رہا ہے۔ کم بھی تولا جا رہا ہے۔ فتنہ و فساد بھی برپا کیا جا رہا ہے۔ اور یہ جملہ بھی ساتھ ہی ساتھ دہرایا جا رہا ہے کہ

"الحمد للہ مسلمان ہوں"

کیوں صاحب! ہوئی نا وہی بات کہ "اور سب خیریت ہے" نہ نماز ہے نہ روزہ نہ حج ہے نہ زکوٰۃ۔ نہ خوف خدا اور نہ شرم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر پھر بھی "الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔" بھائیو! مسلمان بننا ہے تو پورے پورے مسلمان بنو۔ اور ہر غیر اسلامی حرکت

شیطان سے بچو

کو چھوڑ دو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ۔ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔" بزرگو! سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا۔ یہ اسلام ہے۔ اور شیطان کے قدموں پر چلنا یہ الحاد ہے۔ شیطان خود جہنمی ہے۔ اس کے پیچھے لگ کر بجز اس کے کہ جہنم میں پہنچ جائیں۔ اور کیا مل سکتا ہے اور وہ بے ایمان بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ ان آدمیوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے میں تو ناری بن ہی چکا ہوں۔ ؎ "ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے" کے مطابق انہیں بھی اپنا ساتھی بناؤں۔ اور جہنم میں ساتھ لے جاؤں۔ بھائیو! اس کے داؤ سے بچو۔ یہ بڑا ملعون و مکار ہے۔ بڑے بڑے عجیب داؤ سے شکار کرتا ہے۔ رشوت و غبن، جھوٹ، مکر و فریب اور عریانی و فحاشی وغیرہ جملہ بُرے کام اسی شیطان کے بتائے ہوئے کام ہیں۔ یہ ان بُرے کاموں کو بڑے بڑے

دلفریب بیلیوں سے پیش کرتا ہے۔ اور دنیا کی محبت و رغبت پیدا کرکے عاقبت برباد کر دیتا ہے۔ بھائیو! اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا۔ یہ دنیا ناپائیدار ہے۔

حکایت چنانچہ ایک بادشاہ کی حکایت ہے۔ کہ اس نے ایک نیا محل تعمیر کرایا۔ اور پھر حکم دیا۔ کہ یہ محل ہر شخص کے نظارے کے لئے کھلا ہے۔ سب آئیں اور اس محل کو دیکھیں۔ اس لئے کہ دیکھنے والے یا دوست ہوں گے یا دشمن۔ دوست تو خوش ہوں گے اور دوستوں کی خوشی سے ہم بھی خوش ہوں گے۔ اور دشمن جلیں گے اور سب چاہتے ہیں کہ دشمنوں کو رنج ہی پہنچے۔ چنانچہ سب دیکھنے کے لئے آتے رہے اور بادشاہ سب سے پوچھتا رہا۔ کہ اس محل میں کوئی عیب تو نہیں ہے؟ ایک فقیر نے اس کے سوال کے جواب میں کہا۔ کہ اس محل میں دو زبردست عیب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ دوسرا یہ کہ یہ محل بھی ہمیشہ نہ رہے گا۔ بادشاہ اس کلام سے بیحد متاثر ہوا۔

بھائیو! واقعی یہ دنیا ناپائیدار چیز ہے۔ شیطان کا کہا مان کر اس میں دل نہ لگا لو۔ اور پورے پورے مسلمان بن کر اپنی عاقبت سنوار لو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

۳۳ تینتیسواں وعظ

نئی تہذیب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (پ۳ ع۱۲)

ترجمہ:- اے محبوب! تم فرما دو! کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔"

حضرات! ۷، ۸، مارچ کو لائلپور میں شیخ الحدیث استاد العلماء حضرت مولانا محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے عرس شریف اور جلسۂ دستارِ فضیلت میں میری بھی حاضری ہوئی۔ اور منتظمین جلسہ نے میری

تقریر کا جو موضوع مقرر فرمایا۔ وہ تھا "نئی تہذیب پر ایک نظر" میں چاہتا ہوں کہ آج میں وہی تقریر آپ کو بھی سناؤں۔

بھائیو! پروردگارِ عالم جل شانہٗ نے ساری کائنات کو پیدا فرما کر حضرت انسان کو ساری کائنات پر شرافت بخشی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ۔ یعنی ہم نے بنی آدم کو عزت و کرامت عطا فرمائی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا۔ وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ یعنی زمین اور اس کی ساری نعمتیں یہ صرف حضرت انسان کی خاطر ہیں۔ اگر کوئی صاحب پوچھیں کہ یہ کیا؟ آپ تو کہا کرتے تھے کہ ساری کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہے۔ زمین و آسمان عرش و فرش سب سامان و نعم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔ مگر آج آپ نے خود ہی قرآن سے بیان کر دیا۔ کہ یہ نعمتیں سب انسانوں کی خاطر ہیں۔ تو بھائیو! اس کا جواب بھی سن لیجئے۔ دیکھئے۔ کسی گھر میں کوئی برات آنے والی ہو۔ تو اس گھر کو خوب سجایا جاتا ہے۔ اور طرح طرح کے لذیذ کھانے پکائے جاتے ہیں۔ یہ سب سامانِ آرائش و لذیذ کھانے اس برات کے براتیوں کے لئے ہیں۔ وہ براتی وہاں آکر ٹھہریں گے۔ اور رنگ رنگ کی لذیذ غذائیں کھائیں گے۔ مگر سچ بتایئے۔ کہ اس برات میں اگر دولہا نہ ہوتا۔ تو ان براتیوں کو کون پوچھتا؟ کون ان کے لئے آرائش و زیبائش کے انتظام کرتا اور کون ان کے لئے دیگیں چڑھاتا؟ بھائیو! ان براتیوں کے لئے ساری یہ آؤ بھگت اُس دولہا ہی کے دم سے ہے۔ اصل میں وہ سب آرائش و زیبائش اور مختلف قسم کے لذیذ کھانے اس دولہا ہی کی خاطر ہیں۔ مگر دولہا کو تو خوشی میں اس روز بھوک ہی نہیں لگتی۔ ہاں براتی کھاتے ہیں اور خوب کھاتے ہیں اور دولہا کا صدقہ کھاتے ہیں۔ تو وہ ساری نعمتیں ہیں تو اس دولہا ہی کی خاطر۔ مگر چونکہ

دولہا کے صدقہ میں کام وہ آتی ہیں براتیوں کے۔ اس لئے کہا یہی جاتا ہے۔ کہ یہ "دیگیں" براتیوں کے لئے ہیں۔ میرے بھائیو! سمجھے کچھ آپ؟ کہ یہ ساری دنیا براتی ہے اور دولہا ہیں حضور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰحضرت نے ؎

شبِ اسریٰ کے دولہا پہ بید درود
نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

حضور دولہا ہیں اور ہم سب براتی۔ اور خدا تعالیٰ کی یہ ساری نعمتیں اور کائنات کے یہ سب سامانِ آرائش و زیبائش خَلَقَ لَكُمْ کے مطابق ہمارے ہی لئے ہیں۔ مگر ہیں سب اسی دولہا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے میں۔ اس لئے کہ براتیوں کی عزت و تکریم دولہا ہی کی بدولت تو ہے۔ دولہا ہی نہ ہو تو برات ہی کب بنتی ہے۔ دولہا ہوا تو براتی بھی ہوئے۔ اور براتی ہوئے تو سب کچھ ملا۔

بھائیو! پھر یہ بھی دیکھ لو۔ کہ کھانے پینے کے لئے سب براتی ہی ہوتے ہیں۔ اور دولہا کو خوشی میں بھوک ہی نہیں لگتی۔ علاوہ ازیں دولہا کی جو آؤ بھگت ہوتی ہے وہ براتیوں کی ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جہاں دولہا کی رسائی ہے۔ کسی براتی کی رسائی وہاں ہو ہی نہیں سکتی۔ دولہا کو اندر بلاکر دودھ پلایا جاتا ہے۔ اور اس کے سرسے مختلف نعمتیں نچھاور کر کے تقسیم کی جاتی ہیں۔ بلاتشبیہ، ساری کائنات کے دولہا صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں یہ ساری نعمتیں پیدا کی گئیں۔ اور حضور کے صدقہ میں ہم تو یہ نعمتیں خوب کھانے لگے۔ مگر دولہا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۷۵)

یعنے تم میں میری مثل کون ہے۔ مجھے تو میرا رب کھلا بھی دیتا ہے اور پلا بھی دیتا ہے۔"

مطلب یہ کہ یہ سب نعمتیں میری طفیل تمہارے لئے ہیں۔ اور میرے مہر انور کا صدقہ ہیں۔ کھاؤ پیو اور ہیں ان دنیوی لذات کا محتاج نہیں ہوں" اس لئے کہ میں تم سب میں بے مثل ہوں۔ جہاں میری رسائی ہے، وہاں تمہاری رسائی نہیں اور مجھے تو خاص طور پر کھلایا پلایا جاتا ہے۔ تم مجھے اپنی مثل نہ سمجھو۔

بَشَرٌ مِثْلُکُمْ بھائیو! ذرا یہ بات بھی سمجھ لو۔ کہ برات جا رہی ہو اور دولہا نہایت شان و شوکت سے گھوڑے پہ تشریف فرما ہو۔ تو اتنے میں براتیوں میں سے کوئی بیوقوف اٹھے اور یوں کہنے لگے۔ کہ "میں بھی اس دولہا کی مثل ہوں" تو کیوں صاحب! وہ بیوقوف جو دولہا کی مماثلت کا اعلان کرنے لگے۔ کیا اس کی اس حماقت کو حق گوئی پر محمول کیا جائے گا؟ یا سب کہیں گے کہ نکالو اس گستاخ کو کہ براتی ہوکر خود دولہا بننا چاہتا ہے۔ بھائیو! گھر والوں کو پتہ چل جائے تو اور بھی زیادہ آفت آ جائے گی۔ اور اسے کسی صورت اندر داخل ہونے ہی نہ دیا جائے گا۔ کہ یہ گستاخ جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی سزا یہی ہے کہ یہ ان براتیوں سے الگ ہو جائے۔ وامتازوا الیوم اَیُّہَا الْمُجْرِمُوْن۔ اور جو براتی اس دولہا کے نیازمند ہیں۔ وہ اس دولہا کے ساتھ بیشک اندر آئیں اور کھائیں پئیں۔ مگر اس بے ادب کا نہ دولہا سے تعلق رہا۔ اور نہ اس گھر سے ؎

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب اے منکر! دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

ہاں تو میں دراصل نئی تہذیب کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں ممکن ہے۔ کوئی صاحب کہہ دیں۔ کہ یہ سنی مولوی کوئی سا بھی موضوع ہو۔ فضائل رسول ضرور شروع کر دیتے ہیں۔ انہیں تو اور کچھ آتا ہی نہیں۔ ہاں بھائیو! یہ ٹھیک ہے۔ ہمارا مرکزی موضوع یہی فضائل رسول

صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ میں نے عرض کیا ہے ؎

اہل دنیا گتھیاں دنیا کی سلجھاتے پھریں
اپنا تو موضوع ہے بس اِک ثنائے مصطفےٰ

بات دراصل یہ ہے کہ مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ کے مطابق اہل سنت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بے پناہ محبت ہے۔ اور وہ کوئی بھی سٹیج ہو اور کوئی سا بھی موضوع ہو، پھر پھرا کر اپنے اس مرکزی موضوع پر آ ہی جاتے ہیں۔ دیکھئے۔ ایک ماں کو اپنے بچے سے محبت ہوتی ہے۔ وہ کسی دوسرے کے بچے کو بھی دیکھتی ہے تو اس کی تعریف کرتے ہوئے بھی اپنے محبوب کو نہیں بھولتی اور کہتی ہے کہ اس کی آنکھیں تو بالکل خدا رکھے میرے منے کی سی ہیں۔ دیکھو بہن یہ ہنستا بھی ہے تو بالکل میرے منے ہی کی طرح ہنستا ہے۔ دیکھا آپ نے "موضوع" کوئی بھی ہو۔ لیکن محبت کسی نہ کسی بہانے اپنے محبوب کا ذکر درمیان میں لے ہی آتی ہے۔ تو بھائیو! سچی بات تو یہی ہے کہ ہمیں کوئی سا بھی موضوع دیجئے۔ اور کسی اسٹیج پر بھی لے چلیے۔ ہم بغیر اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کئے رہ ہی نہیں سکتے۔ اور ہماری دعا ہے کہ ہم اسی ذکر و فکر میں رہیں۔ اور یہی ذکر کرتے ہوئے دنیا سے جائیں بھی ؎

میں سو جاؤں یا مصطفےٰ کہتے کہتے
کھلے آنکھ صلِّ علیٰ کہتے کہتے

آمین یارب العالمین
بجاہِ النبی الامین
صلی اللہ علیہ وسلم

ہاں تو سنیئے۔ خدا تعالےٰ نے حضرت انسان کو بڑی شرافت اور عزت بخشی ہے۔ اور یہ عزت و شرافت اِسے انسانیت کی وجہ سے ملی ہے۔

انسانیت

اب مجھے آپ کو یہ بتانا ہے۔ کہ انسانیت کیا ہے؟ اور وہ کیا چیز ہے جو انسان کو دیگر جملہ حیوانات سے ممتاز کر دیتی ہے۔ تو میرے بھائیو! سن لو کہ شرعی و اخلاقی پابندیوں کا نام ہے انسانیت۔ یعنی کچھ قواعد و ضوابط اور قوانین ہیں۔ جن کی پابندی سے انسان انسان کہلاتا ہے۔ یعنی انسان حیوانوں کی طرح آزادِ مطلق نہیں بلکہ وہ اخلاقی اور شرعی قواعد و قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ یہ اخلاقی و شرعی قواعد و ضوابط انسان ہی کے لئے ہیں۔ حیوانوں کے لئے نہیں۔

یہاں پیشاب کرنا منع ہے

دیکھئے! شہر کی دیواروں پر اکثر آپ نے یہ لکھا دیکھا ہوگا کہ "یہاں پیشاب کرنا منع ہے اور یہاں پیشاب کرنے والا گرفتار کر لیا جائے گا" اب دیکھ لیجئے۔ وہاں اگر کوئی شخص پیشاب کر دے تو اُسے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی گدھا وہاں دس آدمیوں کے برابر بھی پیشاب کر دے تو اُسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ قانون انسانوں کے لئے ہے۔ حیوانوں کیلئے نہیں۔ یہ کپڑے پہننا، قابلِ ستر جگہ کو چھپانا، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب کرنا۔ کسی کو نہ ستانا، کسی پر ظلم نہ کرنا اور وقت پر کھانا، وقت پر سونا، وقت پر اٹھنا، بھائی کو بھائی سمجھنا، باپ کو باپ، بیٹے کو بیٹا اور ماں کو ماں اور بیوی کو بیوی سمجھنا اور اسی طرح کی جملہ پابندیاں اور قیود صرف حضرتِ انسان کے لئے ہیں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس قسم کی کوئی پابندی حیوانوں میں نہیں۔ کوئی حیوان لباس نہیں پہنتا۔ کوئی گدھی برقعہ نہیں پہنتی۔ اور کوئی جانور ماں، بہن اور بیوی کا امتیاز نہیں رکھتا۔ کوئی حیوان وقت کا پابند نہیں۔ کسی جانور کے کھانے کا ٹائم مقرر نہیں۔ اور کوئی جانور کسی قاعدے کسی ضابطہ اور کسی قانون کا پابند نہیں۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِن

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے۔ اَلدُّنیَا سِجنُ المُؤمِنِ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۹) دنیا مومن کے لئے جیل ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ جیل کا قیدی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ جب آزاد تھا۔ تو اپنی مرضی سے کھاتا پیتا تھا۔ گھر سے کھائے یا ہوٹل سے کھائے۔ رات گھر رہے یا کسی اور جگہ۔ جب چاہے سوئے اور جب چاہے اٹھے۔ اسے پوچھنے اور روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا۔ مگر اب جبکہ وہ جیل کا قیدی بن چکا ہے۔ تو اب اس کی اپنی کوئی مرضی باقی نہیں رہی۔ قیدی کو جیل کے افسر جس وقت کھانا دیں۔ اور جو دیں۔ اُسے وہ کھانا پڑتا ہے۔ دو گھنٹی بجنے پر وہ سوتا ہے۔ گھنٹی بجنے پر ہی اٹھتا ہے۔ اور کام کا وقت ہونے پر کام کرتا ہے۔ بیکار اسے کوئی بیٹھنے ہی نہیں دیتا۔ الغرض اس کا اٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا۔ چلنا پھرنا۔ حتیٰ کہ پیشاب وغیرہ بھی کرنا اس کا افسروں کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ اپنی مرضی سے وہ کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ میرے بھائیو! اب سمجھے کہ مومن کے لئے یہ دنیا جیل کیوں ہے۔ یاد رکھئے۔ مردِ مومن اس دنیا میں آزاد نہیں۔ بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا پابند ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا۔ حتیٰ کہ جینا مرنا سب کچھ اللہ کی مرضی کے ماتحت ہے۔ اور اس آیت کے مطابق

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (پ ۸ ع ۷)

"تم فرما دو۔ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ جو رب ہے سارے جہانوں کا"

اس کی ہر حرکت شریعت کی پابند ہے۔ وہ آزاد نہیں۔ بلکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ اور اسیرِ زلفِ محمدی ہے۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

بھائیو! مومن وہی ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہو۔ اور جو غلام ہے وہ شریعتِ محمدی کا پابند ہے۔ ہاں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام نہیں وہ آزاد ہے۔ وہ جو چاہے کرے حلال ہو یا حرام۔ جہاں چاہے جائے اچھی جگہ ہو یا بُری۔ جو چاہے کرے اچھا کرے یا بُرا۔ نیکی و بدی، خیر و شر اور حلال و حرام کا امتیاز تو وہ کرے جو غلامِ رسول ہو اور جو ان کا غلام نہیں پھر اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ

اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔

کا وہ مصداق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانیت نام اگر ہے تو غلامیٔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور خدا تعالےٰ نے پھر

اس آیت میں جو ہمیں سنت نبوی وغیرہ میں پڑی ہے۔ سبق غلامی کا درس دیا ہے۔ اور ہمیں انسان بننے کی تلقین فرمائی ہے۔ انسانیت نام ہی حضور کی غلامی کا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ جو لوگ حضور کے غلام نہیں اور شریعت سے آزاد ہیں۔ ان کی جملہ حرکتیں حیوانوں ہی کی حرکتیں ہیں۔ اور یہیں سے اس "نئی تہذیب" کے اصلی خد و خال سامنے آ جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اس تہذیب میں اخلاقی و شرعی قواعد و ضوابط کی پابندی مفقود ہے۔ یہ تہذیب گویا حیوانیت کا دوسرا نام ہے۔ دیکھ لیجئے۔ یہ جو آجکل اس نئی تہذیب کا مرکز یورپ اور امریکہ ہے وہاں علی الاعلان ننگوں کے کلب بن چکے ہیں۔ جو کپڑے پہننے کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں۔ کہ سارے حیوانوں کو دیکھو۔ سب ننگے ہیں۔ اور سورج کی روشنی سے مستفید ہوتے ہیں۔ مگر انسان نے خواہ مخواہ یہ لباس کی بندش لگا کر "بدعت" کا ارتکاب کیا ہے یہ لوگ اس "بدعت" سے دوسروں کو بھی بچانے کی فکر میں رہتے ہیں چنانچہ انہوں نے ننگے رہنے کے فوائد پر بہت سا لٹریچر بھی لکھا ہے۔

"ننگے رہو"

چنانچہ میرا اپنا ہی واقعہ ہے۔ کہ ایک مرتبہ میں لاہور کے پلیٹ فارم پر گاڑی پر سوار ہونے کے لئے پہنچا۔ اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ تو ایک صاحب ناول اور دیگر کتابیں پلیٹ فارم پر پھرا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑکی کے قریب پہنچے اور ایک کتاب میرے سامنے کر دی اس کتاب کا نام جلی حروف میں یہ لکھا تھا۔

"ننگے رہو"

یہ کتاب ان صاحب نے میرے سامنے کر کے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کتاب کو ضرور خریدوں اور پڑھوں۔ اور کہا۔ کہ مولوی صاحب! یہ کتاب پڑھنے کے قابل ہے اسے ضرور خریدیئے۔ میں نے اس سے کہا۔ بھئی! پہلے تمہارا فرض ہے کہ تم اپنے سارے کپڑے اتار

دو اور اس "ننگے" رہو۔ کتاب کو ننگے رہ کر بیچو۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں۔ کہ خود تو کپڑے پہنے رہو اور دوسروں کے اتروانے کی فکر میں رہو۔ یہ بات سن کر وہ صاحب مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

تو میرے دوستو! نئی تہذیب حیوانیت کا دوسرا نام ہے۔ یہ لوگ حیوانوں کی طرح خود بھی ننگے ہو رہتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی ننگا کر دینے کے درپے ہیں۔ اور یہ لوگ اگر لباس پہنتے بھی ہیں تو برائے نام۔ ذرا اس نئی تہذیب کے نئے نئے لباس تو ملاحظہ کیجئے۔ لباس کا مقصد تو یہ ہوتا ہے۔ کہ قابل شرم چیزوں کو وہ چھپائے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَا بَنِیْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا۔ (پ ۸ ع ۹) اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا۔ کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو۔

دیکھئے۔ خالق کائنات لباس کا مقصد یہ فرما رہا ہے۔ کہ وہ شرم کی چیزوں کو چھپائے۔ مگر آہ! اس نئی تہذیب کا برائے نام لباس دیکھئے۔ اتنا چست و تنگ کہ جسم کا ہر حصہ اور بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ عورتوں کا لباس دیکھئے۔ سارے بازو ننگے۔ سینہ اور پشت ننگی۔ پنڈلیاں سب ننگی۔ ذرا "نکر" کی شان ملاحظہ فرمائیے۔ کہ رانیں سب ننگی اور ادھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ تو پھر توبہ ہی بھلی۔ اور یہ آجکل کا ٹیڈی لباس۔ توبہ توبہ!! ادھر سینہ آگے اور اُدھر ٹانگے ادھڑے۔ بقول حاجی لق لق ؎

یہ ٹیڈی لڑکیاں لڑکے جو پھرتے ہیں جو بنکے
یہ سارے ہاں [illegible] ہیں [illegible]
[illegible] جسم [illegible] [illegible]
[illegible] اور [illegible] [illegible]

کسی لیڈی کا بٹوہ گر جائے۔ تو کوئی بھی اسے اطمینان سے بیٹھ کر اٹھا لے۔ مجال ہے جو لیڈی جھک کر اپنا بٹوہ ہی اٹھا سکے۔ ؎

جکڑ کر رکھ دیا پتلون نے جھکنے نہیں دیتی
اٹھا لے جائے کوئی بھی گرے بٹوہ جو لیڈی کا
جلال و رعب مردانہ نئی تہذیب پر قربان
گماں ہونے لگا ہے دیکھئے لڑکے پہ لڑکی کا

لباس کیا ہے۔ شکنجہ ہے۔ بھائیو! جو لباس قابل شرم چیزوں کو چھپاتا نہیں۔ وہ لباس کیا ہوا۔ ایسا لباس پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے۔ کہ ایک زمانہ میں ایسی عورتیں بھی ہونگی۔ جو لَابِسَاتٌ عَارِیَاتٌ یعنی کپڑے پہن کر بھی ننگی ہوں گی۔ استغفراللہ جو عورت کہلاتی ہی عورت ہے۔ اور جن کا نام ہی "مستورات" ہے۔ وہ اس نئی تہذیب نے ننگی کر ڈالیں۔ حاجی حق حق اپنی ماڈرن مثنوی میں کیا خوب لکھتے ہیں۔ کہ ؎

ہیں زمانے کی عجب نیرنگیاں
تھیں جو مستورات اب ہیں ننگیاں
دی اجازت ماڈرن اسلام نے!
بیوی آ سکتی ہے سب کے سامنے

حسن کا معیار

اور بھائیو! پرانی تہذیب تو یہ چاہتی ہے کہ تمہاری صحت بھی برقرار رہے۔ اور تمہارے اندر خون پیدا ہو۔ اور اس خون سے تم حسین نظر آؤ۔ مگر یہ نئی تہذیب حسن کا معیار اور بتاتی ہے۔ ؎

اس زمانے میں نیا ہر طور ہے!
حسن کا معیار بھی اب اور ہے!
حسن بنتا تھا جو پہلے خوں سے
آج کل بنتا ہے وہ پتلون سے

مُجاہد

میرے بھائیو! اسلامی تہذیب مردِ مومن کو مجاہد بناتی ہے اور وہ اسے یہ درس دیتی ہے۔ کہ ؎

مقامی بن کے آیا تو نہ راہی بن کے آیا ہے
یہ دنیا رزم گاہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

مگر اس نئی تہذیب نے کیا ظلم کیا؟ سنئے ؎

تھے جو ابا جان اب ڈیڈی بنے
جو کبھی غازی تھے اب ہیڈی بنے
رقص بھی کرنے لگے وائے ستم
آنچہ یورپ مے کند بوزینہ ہم

اسلامی تہذیب نے اللہ کی راہ میں کٹ مرنے اور جہاد کا ولولہ عطا فرمایا تھا۔ اور یہ درس دیا تھا۔ کہ ؎

نکلو یوں میدان میں ہاتھوں میں تو شمشیر ہو
اور زبانوں پر تمہاری نعرۂ تکبیر ہو

مگر اس نئی تہذیب میں نقشہ یہ ہے۔ کہ ؎

جن کو تلوار سے محبت تھی!
اب وہ ریزر سے پیار کرتے ہیں
ریزر اپنا ہے منہ بھی اپنا ہے!
کب وہ دشمن پہ وار کرتے ہیں

اور یہ کہ ؎

وہ جن ہاتھوں میں اے حق حق کبھی تلوار ہوتی تھی
اب اُن میں کنگھی، آئینہ، یا پھر گیند بلا ہے

اسلامی تہذیب نے مردِ مومن کو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا ترجمہ اور وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ کا مظہر بنایا تھا۔ اور خدا تعالٰے نے اس سے وعدہ فرمایا ہے۔ کہ تو اپنے جلال کے ساتھ میدانِ جہاد میں کود اور میں سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ ان کافروں کے دلوں میں تیرا رعب

ڈال دوں گا۔ چنانچہ اسلامی تاریخ پڑھ کر دیکھئے۔ کہ مردِ مومن کی شجاعت وہیبت سے دشمنوں کے چھکے چھوٹ جاتے رہے۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے۔ کہ قیصر روم نے ایک مرتبہ اپنا ایک ایلچی حضرت فاروق اعظم کی خدمت میں بھیجا۔ وہ ایلچی مدینہ منورہ پہنچا۔ تو ہر ایک سے حضرت فاروق کا محل پوچھتا رہا۔ اسے کیا خبر تھی۔ کہ یہ امیرالمومنین ہیں۔ جو قیصر کی طرح کسی محل میں نہیں رہتے۔ بلکہ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور سادہ مکان میں رہتے ہیں۔ لوگوں نے اُسے بتایا۔ کہ ہمارے امیرالمومنین کسی محل میں نہیں رہتے۔ بلکہ (مثنوی کا اردو ترجمہ) ؎

صبر و شکر اس کے ہیں دو حصن حصین
قصر کی اس شیر کو حاجت نہیں

وہ ایلچی یہ بات سن کر حیران ہوا۔ آخر ایک بڑھیا نے بتایا۔ کہ عمر فاروق کو میں نے نیموں کے باغ میں دیکھا ہے۔ وہاں جا۔ وہ اللہ کا شیر ایک درخت کے نیچے۔ ؎

ظلِ حق سایہ میں ہے سویا ہوا
یہ عمر ہے جس کا تو جویا ہوا

چنانچہ وہ ایلچی وہاں پہنچا۔ تو فاروق اعظم باوجودیکہ سو رہے تھے۔ مگر ؎

ڈر میں تھا ایلچی گو پیل تن
لیکن اس کا کانپ اٹھا تن بدن
دل میں کہتا تھا الٰہی کیا ہوا
قیصر و کسریٰ کو دیکھا بارہا
میں نے مارے سینکڑوں شیر و ہاتھی

پر نہ بدلا تھا کبھی چہرے کا رنگ

کانپتا ہے اب تو میرا جوڑ جوڑ

آ کے یاں نکلی ہے اب ساری مروڑ

آسمانی رعب ہے اس شخص کا

ہے خدائی بھید گدڑی میں چھپا

سبحان اللہ! یہ ہے مردِ مومن کا رعب و جلال۔ کہ سو رہے ہیں پھر بھی جلال و ہیبت کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور دشمن کانپ رہا ہے۔ اسی طرح!

حضرت علی رضی اللہ عنہ

جنگ خیبر میں قلعہ خیبر کا مالک مرحب میدان میں نکلا۔ تو حضرت شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلہ میں تشریف لائے۔ مرحب نے رجزیہ یہ شعر پڑھا ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اِنِّیْ مَرْحَبْ

شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبْ

یعنی سارا خیبر جانتا ہے۔ کہ میں مرحب ہوں۔ کون مرحب؟ وہ جو مسلح اور تجربہ کار بہادر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کا یہ شعر سنا۔ تو آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ

کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہَۃُ الْمَنْظَرَہْ

یعنی سن او مرحب! میں وہ ہوں۔ جس کا نام میری ماں نے شیر رکھا ہے۔ جو جنگل کے شیروں کی طرح مہیب منظر والا ہو! یہ ہے شان مردِ مومن کی۔ اور اسلامی تہذیب کے شیروں کی۔ مگر اس نئی تہذیب کے شیر بھی ملاحظہ فرمائیے ؎

ہمنشیں جل کر مجنوں کی ۔ زمین پاک دیکھ

چشم غیرت کھول اور نہ [illegible] دیکھ

ذرہ ذرہ رنگِ حسن و ناز میں ڈوبا ہوا
نکہت تہذیبِ نو سے ہر نفس مہکا ہوا
ہر جواں صورت پہ اک محبوبیت چھائی ہوئی
ہر بتِ نوخیز پر نسوانیت چھائی ہوئی
ہر جواں اک پھول ہے ہر پھول اک تازہ بہار
ان کا اپ ٹوڈیٹ فیشن گویا دلہن کا سنگھار
ہاتھ میں اک دو کتابیں منہ میں انگریزی سگار
پان کی سرخی لبوں پر رخ پہ پوڈر کا نکھار
خوشنما تسمے ہیں پتلی سی چھڑی باندھی ہوئی
پھول سی نازک کلائی پر گھڑی باندھی ہوئی
سر پہ سولا ہیٹ پہنے اک ادائے ناز سے
لے میں صدقے جھومتے آتے ہیں کس انداز سے
ان سے کیا برآئے گی امیدِ پاکستانیاں
ناز والوں میں بھلا ایثار کی ہمت کہاں
قوم کو خوں چاہیئے، جاں چاہیئے، سر چاہیئے
ان کو دونوں وقت صابن، تیل، پوڈر چاہیئے

اور ان شیروں کی بہادری بھی ملاحظہ فرمائیے:-

لطیفہ: ایک جنٹلمین دوسرے سے لڑ پڑا۔ تو غصے میں بولا۔ ابے ایک ایسی چپت رسید کروں گا۔ کہ لاہور پہنچ جاؤ گے۔ دوسرا بولا۔ اور میں ایسا گھونسا ماروں گا۔ کہ دلی پہنچ جاؤ گے۔ پاس سے ایک دہقانی گزر رہا تھا۔ بڑی متانت سے کہنے لگا۔ بابو جی! تھوڑی سی ٹھوکر مجھے بھی لگا دیجو۔ مجھے صرف گوجرانوالے ہی جانا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ انسانیت نام ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انسان کو انسان بنایا ہے۔ اور اس نئی تہذیب نے انسانیت کو کچلا ہے۔ بھائیو! آپ سن چکے۔

کہ تہذیب نو نے انسان کو ننگا کر دیا ہے۔ اسی طرح اس تہذیب نے کھانے پینے کے اسلامی و اخلاقی قواعد و ضوابط کو بھی بالائے طاق رکھ دیا ہے۔

کھانا پینا

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہر جانور و حیوان کو پیٹ دیا ہے۔ اور اس پیٹ کے بھرنے کی ہر حیوان میں فطری خواہش موجود ہے۔ مگر آپ دیکھ لیجئے۔ کہ جب کسی حیوان کو بھوک لگتی ہے۔ یا پیاس لگتی ہے۔ تو اپنے رزق اور پانی کی طرف وہ حیوان اپنا سر جھکاتا ہے۔ گدھے۔ گھوڑے گائے۔ بھینس وغیرہ حتیٰ کہ جنگل کے بادشاہ شیر کو بھی دیکھ لیجئے۔ کہ جب وہ اپنا لقمہ منہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ تو اپنا سر اس لقمہ کی طرف جھکاتا ہے۔ گائے۔ بھینس۔ اونٹ گھوڑا وغیرہ بھوک کے وقت گھاس کی طرف اپنا سر جھکاتے ہیں۔ گویا ہر جانور کھانے پینے کے وقت اپنے رزق کی طرف اپنا سر جھکانے پر مجبور ہے۔ مگر انسان کی شرافت و کرامت دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی پیٹ دیا ہے۔ اور اسے بھی کھانے پینے کی احتیاج ہے۔ مگر کھانے پینے کے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ نہ چاہا کہ دیگر حیوانوں کی طرح یہ بھی رزق کی طرف اپنا سر جھکائے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اسے دو ہاتھ عطا فرما دیئے۔ تاکہ انسان کو جب بھوک لگے۔ تو اس کے یہ ہاتھ اس کا لقمہ اٹھا کر اُس کے منہ میں ڈال دیں۔ اور سر اس کا جھکے تو اللہ ہی کی بارگاہ میں جھکے۔

میرے بھائیو! اس موقعہ پر اگر میرا کوئی زمیندار بھائی یہ کہے۔ کہ مولوی صاحب! مجھے تو جب کھیتی باڑی کرتے وقت پیاس لگتی ہے۔ تو میں کنوئیں کی نالی میں بہتے ہوئے پانی کو پینے کے لئے نالی سے منہ لگا کر پانی پی لیتا ہوں۔ تو میں کہوں گا۔ کہ بھئی! تم اگر خود حیوانوں کا سا کام کرنے لگو۔ تو اس میں کسی کا کیا قصور! تم خود ہی حیوان بن جاؤ۔ تو یہ تمہارا اپنا فعل ہے۔ شریعت تو یہ نہیں کہتی۔ شریعت نے تو کھانے پینے کے بھی آداب سکھائے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

پینے کے آداب

لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا کَشُرْبِ الْبَعِیْرِ وَ لٰکِنِ
اشْرَبُوْا مَثْنٰی وَ ثُلَاثَ ۔ (مشکوٰۃ شریف ۳۶۳)

یعنے "اونٹ کی طرح منہ لگا کر ایک دم پانی نہ پیو۔ بلکہ
دو دو، تین تین، مرتبہ کرکے پیو"

اس ارشاد پاک میں صاف ممانعت ہے اونٹ کی طرح پانی پینے کی۔ اور پھر یہ بھی کہ ایک دم نہ پینا چاہیئے۔ بلکہ دو تین مرتبہ کرکے اور سانس لے کر پینا چاہیئے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا اچھا لکھا ہے۔ کہ مرغی ہی کو دیکھ لو کہ وہ پانی پینے کے وقت ایک گھونٹ بھر کر پانی دینے والے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنا سر اٹھا لیتی ہے۔ اور شکر ادا کرکے پھر دوسرا گھونٹ بھرتی ہے۔ بھائیو! کچھ سوچو تو سہی۔ کہ ہم نے عمر بھر میں ٹنوں پانی پی ڈالا۔ مگر کیا کبھی اللہ تعالےٰ کا شکر بھی ادا کیا؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ
وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ (مشکوٰۃ ص ۳۶۳)

یعنی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لو۔ اور پی لینے کے بعد "الحمد للہ" کہو

کیوں دوستو! کیا آپ ایسا کرتے ہیں؟ اگر جواب ہاں ہے۔ تو بہت اچھا ہے اور اگر جواب "نہیں" ہے۔ تو مقام افسوس ہے۔ میرے بھائیو! آجکل کی نئی تہذیب نے "الحمد للہ" کو چھین کر اس کے بدلے "تھینک یو" دے دیا ہے۔ خدا جانے ہم اپنی پیاری تہذیب کو چھوڑ کر کیوں اس نئی تہذیب کے دلدادہ بن گئے ہیں۔

کھڑے ہو کر پینا

ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی طرح پینے سے منع فرمایا ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا۔ کہ

لَا یَشْرَبَنَّ اَحَدٌ مِّنْکُمْ قَائِمًا (مشکوٰۃ شریف ۳۶۲)

یعنے "تم میں سے کوئی کھڑے کھڑے نہ پیے"

سبحان اللہ! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا ہی

انسانیت آموز ارشادات ہیں۔ بھائیو! کھڑے کھڑے پینا بھی تو حیوانوں ہی کا کام ہے۔ اور یہ روش آج کل عام ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو علم تھا۔ کہ ایک زمانہ میں نئی تہذیب والے کھڑے کھڑے ہی پیا کریں گے۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ یہ ٹی سٹال وغیرہ مقامات جہاں لوگ کھڑے کھڑے ہی چائے پیتے ہیں۔ کھڑے کھڑے ہی تو نہیں پیتے ہیں۔ اور بھائیو! اب تو کھڑے رہ کر پینا درکنار۔ نئی تہذیب نے کھانا بھی کھڑے کھڑے ہی کھلانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ آج کل کا ایک فیشن یہ بھی ہے۔ کہ میز پر کھانا چن دیا جاتا ہے۔ اور بیٹھنے کے لئے کرسیاں نہیں رکھی جاتیں۔ بلکہ نئی تہذیب کے پروردہ میز کے ارد گرد ہاتھوں میں پلیٹیں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی اپنی پلیٹوں میں کھانا ڈال کر ٹہلتے ہوئے کھانے لگتے ہیں۔ اگر رفتار ترقی کا یہی عالم رہا۔ تو وہ دن دور نہیں۔ جب کہ یہ لوگ دوڑ دوڑ کر کھانا کھایا کریں گے۔ کیوں دوستو! کہاں یہ اسلامی تہذیب کہ بیٹھ کر انسانوں کی طرح کھانا کھایا جائے۔ اور کہاں یہ نئی تہذیب کہ کھانا کھاتے ہوئے یہ معلوم ہو۔ کہ اصطبل میں چند خچروں کو کھول دیا گیا ہے۔ جو ادھر ادھر منہ مار رہی ہیں — میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو!!!

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

یہ کھڑے کھڑے کھانا پینا خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ حیوانیت ہے یا نہیں؟ در سنئے نئی تہذیب کی رو سے اب تو پیشاب بھی کھڑے کھڑے ہی کیا جاتا ہے۔ حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب مبارک فرمایا کرتے تھے — (دیکھئے مشکوٰۃ شریف ص۴۵) کیوں بھائیو! یہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنا حیوانوں کا کام ہے یا نہیں؟ ایسے افراد میں سے اگر کوئی اس حرکت کو "فیشن" بتائے۔ اور بیٹھکر پیشاب کرنے کو "آوٹ آف فیشن" سمجھے تو میں گذارش کروں گا۔ کہ پھر تو گدھا بھی فیشن ایبل ہی ٹھہرا۔ جو کھڑے کھڑے ہی موتتا ہے۔ گھوڑا! اور اونٹ بھی "اپ ٹوڈیٹ" ہی ثابت ہوئے۔ جو پیشاب کرنے کے لئے بیٹھتے نہیں۔ بھائیو! سرورِ عالم

صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ کے خلاف ہر بات حیوانیت ہی ہے اگرچہ اس کا نام کوئی ترقی رکھ لے۔

لطیفہ: کہتے ہیں۔ ایک ایسے ہی ترقی پسند صاحب کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے تھے۔ کہ ان کے لڑکے نے ابا جان کو اس ہیئت میں دیکھا۔ اور پوچھا۔ کہ ابا جان! یہ کیا کہ آپ کھڑے کھڑے پیشاب کر رہے ہیں؟ وہ بولے۔ کہ بیٹا! یہ ترقی کی علامت ہے اور بیٹھ کر پیشاب کرنا پرانی اور ملاؤں کی روائت ہے۔ زمانہ ترقی کر رہا ہے۔ اور ملا ابھی تک رجعت پسندی ہی میں ہے۔ بیٹا! تم بھی ترقی پسند بنو۔ اور مجھے خوشی ہوگی۔ جبکہ تم مجھ سے بھی بڑھ چڑھ کر ترقی پاؤ گے بیٹا بولا۔ ایسا ہی ہوگا۔ ابا جان! کچھ دنوں کے بعد وہ صاحب گھر آئے تو دیکھا۔ کہ ان کے لڑکے نے بانس کی ایک سیڑھی دیوار کے ساتھ لگا رکھی ہے۔ اور اس کے سب سے اوپر کے ڈنڈے پر چڑھ کر وہ پیشاب کر رہا ہے۔ باپ نے بیٹے کی یہ ہیئت دیکھی۔ تو کہا بیٹا! یہ کیا ہو رہا ہے؟ وہ بولا۔ ابا جان! آپ سے بھی بڑھ کر اور سیڑھی پر چڑھ کر ترقی پا رہا ہوں۔ آپ تو صرف زمین ہی پر کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے تھے نا اور میں آپ سے بڑھ اسی صورت میں سکتا تھا۔ جبکہ سیڑھی پر چڑھ کر پیشاب کرتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میں سیڑھی پر چڑھ کر پیشاب کر رہا ہوں۔

دیکھا میرے بھائیو! یہ ہے نئی تہذیب کا کرشمہ۔ خدا کا خوف کیجئے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ کو مدنظر رکھیئے۔ اور انسان بنئے۔

کھانے کے آداب: میرے بزرگو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے آداب بھی سکھائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ کہ کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹو۔ تمہیں کیا معلوم کہ رزق کے کونسے ذرے میں برکت ہے۔ اور ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے منع فرمایا الغرض سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح کی تعلیم فرمائی اور انسان

کو انسانیت عطا فرمائی ہے۔

چمچے

میرے بھائیو! یہ تو ہے اسلامی تہذیب کہ کھانا ہاتھ سے کھایا جائے اور انگلیاں چاٹی جائیں۔ مگر نئی تہذیب یہ کہتی ہے۔ کہ کھانے کو ہاتھ ہرگز نہ لگایا جائے۔ اور چھری کانٹوں سے کھانا کھایا جائے۔ کسی ایسی ہی دعوت میں اگر کوئی پرانی طرز کا مسلمان چلا جائے۔ اور جب وہ دیکھے۔ کہ میز پر چھری کانٹے لائے جا رہے ہیں۔ تو بہت ممکن ہے۔ کہ وہ بچارا ڈر جائے۔ کہ یہ کھانے کا اہتمام ہے یا اپریشن کا انتظام؟ اس موقعہ پر نئی تہذیب والے کہتے ہیں۔ کہ ان ملاؤں کو کیا خبر؟ آج کی تحقیق کے مطابق ہاتھوں میں جراثیم ہوتے ہیں۔ اگر ہاتھ سے کھانا کھایا جائے۔ تو خطرہ ہے۔ کہ جراثیم پیٹ کے اندر چلے جائیں۔ بھائیو! اگر واقعی یہی بات ہے۔ تو پھر تو ناک بھی کسی چھری ہی سے صاف کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ ہاتھ سے صاف کرنے کی صورت میں خطرہ ہے۔ کہ جراثیم ناک کے رستے پیٹ کے اندر چلے جائیں۔ کانوں میں کھجلی ہو تو کانوں کو کھجلانا بھی کسی چمچے یا کانٹے سے چاہیئے۔ تاکہ جراثیم اسی راستے سے اندر نہ جا گھسیں۔ کیوں صاحب؟ کیا خیال ہے؟

بھائیو! نئی تہذیب کے یہ محض ڈھکوسلے ہیں۔ اصل بات اور حقیقت وہ ہے۔ جو سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

فسٹ کلاس کے دو مسافر

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ حضرت امیر ملت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ یہ بات سنائی تھی۔ کہ حیدر آباد دکن کے ایک ڈاکٹر میرے مرید تھے انہوں نے اپنا قصہ سنایا۔ کہ میں ایک مرتبہ بمبئی جا رہا تھا۔ اور فسٹ کلاس میں بیٹھا تھا۔ میرے ساتھ ایک دوسرا مسافر بھی تھا۔ جو نئی تہذیب کا مکمل چربہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے۔ کہ میرے کھانے کا ٹائم ہوا۔ تو میں نے دستر خوان بچھایا۔ اور گھر کا پکا ہوا کھانا جو میرے ساتھ تھا۔ دستر خوان پر چنا۔ اور حسب معمول ہاتھوں سے کھانے لگا۔ وہ دوسرا مسافر مجھ سے

کہنے لگا۔ کہ ڈاکٹر صاحب! فسٹ کلاس کے پسنجر ہو کر آپ کھانا ہاتھ سے کھا رہے ہیں۔ اس قدر رجعت پسندی؟ میں نے کہا۔ ہاں صاحب! مجھے رجعت پسندی ہی محبوب ہے۔ آپ اپنی ترقی کو اپنے پاس محفوظ رکھیں کچھ دیر بعد ایک جنکشن اسٹیشن آیا۔ اور ان صاحب نے ہوٹل سے اپنے لئے کھانا منگوایا۔ نئی طرز کا کھانا معہ چھری کانٹوں کے آیا۔ اور وہ کھانا کھانے لگے۔ اتفاق دیکھئے۔ کہ انجن گاڑی سے کٹ کر پانی لینے گیا اور پانی لے کر جب پھر گاڑی کے ساتھ آکر لگا۔ تو اس وقت ان صاحب نے کانٹے کے ساتھ لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈالا ہی تھا کہ ادھر گاڑی کو زور سے دھکا لگا۔ اور اُدھر وہ کانٹا ان صاحب کے حلق میں جا پھنسا اب وہ چلائے۔ اور بولے ڈاکٹر صاحب! آپ سچے۔ واقعی کھانا ہاتھ ہی سے کھانا چاہیئے۔

دیکھا میرے بھائیو! کہ یہ نئی تہذیب کس قدر بیکار اور فضول بلکہ خطرناک بھی ہے۔ خدا کرے۔ کہ مسلمان اپنی تہذیب ہی کو اپنائیں۔ اور نئی تہذیب کی ظاہری ٹیپ ٹاپ پر نہ جائیں۔ بھائیو! یہ محض دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ حقیقت کچھ نہیں۔ یوں سمجھ لیجئے۔ کہ پیکنگ دلفریب ہے۔ مگر اندر کچھ نہیں۔ کسی کا رنگ کالا ہو۔ اور وہ اپنے سیاہ رخ پر لاکھ پوڈر و سرخی ملتا رہے۔ اس سے کیا فائدہ؟ ایسا حسن معمولی سے پسینے کے ساتھ بہ جاتا ہے۔ اور پھر وہی کالے کا کالا رنگ سامنے آجاتا ہے۔ نئی تہذیب کے یہ جملہ "تکلفات سچ پوچھئے

عذاب

تو ایک قسم کا عذاب ہیں۔ یار لوگ اسے ترقی سمجھتے ہیں۔ تو سمجھیں۔ اصل میں یہ عذاب سے کم نہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

یعنی ان کی کثرتِ اموال و اولاد پر آپ تعجب نہ فرمائیں

"تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے انہیں اس دنیا میں بھی عذاب
میں مبتلا کرنا چاہتا ہے"

بھائیو! اس نئی تہذیب کی مختلف پابندیاں جو اس نے اپنے پرستاروں پر عائد کر رکھی ہیں۔ غور کر لیجئے۔ کہ کیا عذاب سے کم ہیں؟ — صبح کا سلام اور۔ دوپہر کا اور۔ اور شام کا اور۔ صبح کا لباس اور۔ شام کا اور۔ اور سونے کا اور۔ آدمی غور کرے۔ تو وہ شرعی پابندیوں کو چھوڑ کر ہزارہا فضول پابندیوں میں خود ہی اپنے آپ کو جکڑ لیتا ہے۔ ایک شرعی زکوٰۃ کو چھوڑا گیا۔ تو ہزاروں فضول خرچ پیچھے پڑ گئے۔ حج کی ایک مقدس دوڑ یعنی صفا مروہ کی سعی کو چھوڑا۔ تو کئی خطرناک دوڑیں پیچھے دوڑنے لگیں۔ اور گویا یوں کہا گیا۔ کہ تو نے ہماری ایک دوڑ چھوڑی۔ تو جاؤ۔ اب تم دوڑتے ہی رہو۔ کرکٹ کھیلو تو دوڑو۔ فٹ بال کھیلو تو دوڑو۔ پولو کھیلو تو دوڑو صفا مروہ کی دوڑ میں تو آج تک کسی حاجی کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ مگر کرکٹ اور پولو کی دوڑ میں کئی کھلاڑی دل پر گیند لگنے سے اور دوڑتے ہوئے گھوڑے سے گر جانے سے مر بھی جاتے ہیں۔ اکثر کھلاڑیوں کے ہاتھ پیر بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ ایک شرعی فاقہ یعنی روزہ چھوڑنے سے نئی تہذیب کی بدولت کئی بھوک ہڑتالیں پیچھے پڑ گئیں۔ اور ایک اللہ کا خوف دل سے نکالنے پر اس دل میں کئی دوسرے ڈر اور خوف پیدا ہو گئے۔ اور گویا یوں کہا گیا۔ کہ تم ہم سے نہیں ڈرتے۔ تو جاؤ۔ ہر کسی سے ڈرتے ہی رہو۔ حتیٰ کہ اپنی داشتہ سے بھی ڈرتے ہی رہو۔ کیوں بھائیو! سچ ہے نا یہی بات؟ بخدا اسلامی تہذیب ایک خداداد نعمت ہے۔ اور یہ نئی تہذیب ایک مصیبت ہے۔ اسی لئے تو اقبال نے بھی کہا تھا۔ کہ ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں!
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

مگر افسوس کہ آج کل بعض لوگ انہیں گندے انڈوں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اور سمجھتے یہ ہیں۔ کہ ان سے "منزل مقصود" کا بچہ پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے۔ منزل مقصود کے حصول کے لئے تو اسلامی تہذیب کو اپنانا پڑے گا۔ ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

نئی نئی بیماریاں

میرے بھائیو! یہ جو آجکل نئی نئی بیماریاں نکل آئی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ یہ سب اس نئی تہذیب کی "برکات" ہیں۔ جب یہ نئی تہذیب نہ تھی۔ اس وقت یہ آج کل کے بڑے بڑے ہسپتال بھی نہ تھے۔ اور یہ نئی نئی بیماریاں بھی نہ تھیں۔ آپ اکثر دفعہ اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ کہ فلاں شہر میں ایک نئی قسم کی بیماری پھوٹ پڑی ہے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر تحقیق کر رہے ہیں۔ کہ یہ کیا بیماری ہے۔ مگر تا حال فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کہ یہ کونسی بیماری ہے۔ پچھلے دنوں ہمارے سیالکوٹ میں ایک وبائی مرض پھوٹ پڑا تھا۔ ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق یہ ایک نئی بیماری تھی۔ ہیضہ بھی نہ تھا۔ بلکہ ہیضہ سے ملتی جلتی کوئی بیماری تھی اور اس کا نام انہوں نے رکھا تھا۔ "معدہ کی مخصوص بیماری" بھائیو! اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو۔ اور اس کی گرفت سے محفوظ رہنے کی دعا مانگو۔ ظاہری اسباب بھی اپناؤ۔ مگر اسلامی ہدایات کو بھی قبول کرو ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں!
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں!

بھائیو! نئی نئی بیماریوں اور مصائب کا آنا ہمارے گناہوں کی بدولت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ

یعنی جو مصیبت بھی ہم پر آتی ہے۔ وہ ہمارے اپنے ہی اعمال بد کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ؎

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

مگر افسوس کہ نئی تہذیب میں اپنے گناہوں پر تو نظر پڑتی نہیں۔ اور ان مصائب کے ظاہری اسباب اور فلسفیانہ وجہیں بیان کرنے لگتے ہیں۔ سیلاب آیا تو کہہ دیا۔ کہ دریاؤں کی زمین کی سطح بلند ہو گئی ہے۔ زلزلہ آیا تو کہہ دیا۔ کہ گندھک کا پہاڑ پھٹ گیا ہے نئی تہذیب کی نظر بس یہیں تک پہنچتی ہے۔ مگر اسلامی تہذیب ان سب ظاہری اسباب کے خالق و مسبب کو دیکھتی ہے۔ اور وہ یہ بتاتی ہے۔ کہ اپنے خالق و مالک کو راضی کر لو۔ تو سب ٹھیک ہے۔

ایک بزرگ کی حکایت

چنانچہ ایک بزرگ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو وہ گھوڑا شوخی کرنے لگا۔ وہ بزرگ اسی وقت سجدے میں گر گئے۔ اور خدا کے حضور عرض کرنے لگے۔ الٰہی! آج یقیناً مجھ سے تیری کوئی نافرمانی ہوئی ہے۔ اسی کی وجہ سے یہ گھوڑا میری نافرمانی کر رہا ہے۔ سچ ہے ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ!
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ!

نئی اور پرانی تہذیب میں ایک فرق

میرے بھائیو! ایک موٹی بات کہدوں۔ کہ اسلامی تہذیب کے پیش نظر تو اللہ ہے۔ اور نئی تہذیب کے پیش نظر محض دنیا ہے اس پر ایک حکایت سن لیجئے۔ ایک بزرگ کے مرید ان بزرگ کی ایک لونڈی پر فریفتہ ہو گئے۔ حضرت شیخ کو اس بات کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اس لونڈی کو ایک تیز جلاب دے دیا۔ لونڈی کو دست آنے

شروع ہوئے۔ تو حضرت نے بھنگن سے کہا۔ کہ اس کے سارے دست ایک مٹکے میں جمع کرتی جاؤ۔ بہت زیادہ دست آنے سے لونڈی کا رنگ پیلا پڑ گیا اور اس کے چہرے کی ساری رونق اور حسن و جمال جاتا رہا۔ اس کے بعد آپ نے اس مرید کو طلب فرمایا۔ اور جب وہ آ گیا۔ تو آپ نے وہی لونڈی اس کے سامنے پیش کر دی۔ اس نے جو اُسے دیکھا۔ تو بجائے ملتفت ہونے کے اس کو ایک نفرت پیدا ہوئی۔ اور اس کی طرف کچھ بھی التفات نہ کیا۔ اس لئے کہ اس کا عشق تو اس کے رنگ و روغن کی وجہ سے تھا۔ جو دست آنے سے باقی نہ رہا تھا۔ حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا۔ کہ وہ نجاست بھرا مٹکا لاؤ۔ چنانچہ وہ مٹکا لایا گیا اور آپ نے اس مرید سے فرمایا۔ کہ لو تمہارا محبوب اس مٹکے میں موجود ہے۔ اس لئے کہ یہ لونڈی تو وہی ہے۔ جو پہلے تھی۔ اس میں صرف یہی نجاست کم ہو گئی ہے۔ جس وجہ سے تمہارا اس کی طرف میلان باقی نہیں رہا۔ معلوم ہوا۔ کہ اصل محبوب تمہارا یہی ہے جو مٹکے کے اندر ہے۔ افسوس کہ تم محبوب حقیقی کو چھوڑ کر اس گندگی پر گرے تھے۔ ؎

عشقہائے از پئے رنگے بود ؛ عشق نبود عاقبت ننگے بود

عشق با مردہ نہ باشد پائیدار ؛ عشق را با حیّ و با قیوم دار

بھائیو! سمجھے آپ؟ کہ نئی تہذیب کا میلان دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ اور فانی رنگ و روغن کی طرف ہے۔ اور اسلامی تہذیب کے پیشِ نظر محض خالقِ حسن و جمال کی ذات ہے۔ خدا سے دعا ہے۔ کہ وہ ہمیں "اپ ٹو ڈیٹ" ہونے سے بچائے۔ اور سچا مسلمان بننے کی توفیق دے

آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞

۳۴ چوتیسواں وعظ

اُسوۂ حسنہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ
(پ ۲۱ ع ۱۹)

حضرات! آج میں آپ کو حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے "اُسوۂ حسنہ" کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں۔ "اُسوہ" کے معنی ہے "پیشوائی" خداوندکریم جلّ شانہٗ نے اس آیت کریمہ میں ہمیں مخاطب فرما کر فرمایا ہے۔ کہ بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کی ذاتِ گرامی میں بہترین پیشوائی ہے۔ یعنی حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے سوا دنیا بھر

کے لئے اور کوئی دوسرا پیشوا نہیں ہے۔ اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اگر کسی کی ذاتِ گرامی کامل نمونہ اور بہترین پیشوا ہے۔ تو وہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ و سلم سے قبل بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ جو جامعیت ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ وہ کسی اور پیغمبر میں نظر نہیں آتی۔ انبیاء سابقہ علیہم السلام مخصوص قوموں۔ مخصوص ملکوں اور مخصوص زمانوں کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اور ان کی تعلیمات بھی مخصوص پہلوؤں کے لئے ہی تھیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کو دیکھئے۔ تو آپ میں جلوۂ جلال نمایاں نظر آتا ہے۔ ساڑھے نو سو برس کی عمر تبلیغ میں آپ نے قوم کو دن رات وعظ سنایا۔ مگر وہ بد نصیب ایمان نہ لائے۔ تو آپ نے اُن کے حق میں دعائے عذاب مانگ لی۔ اور فرمایا۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔

یعنی اے میرے رب! ان بے دینوں کو جڑ سے اکھیڑ دے اور ان کا بیڑہ غرق کر دے۔

چنانچہ آپ کی اس پیغمبرانہ جلال آمیز دعا کا یہ اثر ہوا۔ کہ ایک ہولناک اور فقید المثال سیلاب آیا۔ جس سے بجز چند مومن افراد کے جو کشتی پر سوار تھے۔ کوئی انسان نہ بچ سکا۔

حضرت موسٰے علیہ السلام کی ذات گرامی کو دیکھئے۔ آپ کی ذاتِ گرامی میں بھی جلال نمایاں نظر آتا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر جلوۂ جلال اور کیا ہوگا۔ کہ ملک الموت جان مبارک قبض کرنے کو آیا۔ تو آپ نے اُسے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔

(دیکھئے مشکوٰۃ شریف باب ذکر الانبیاء ص ۴۹۹)

حضرت موسٰی علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو

سابقہ ہے کہ جب فرعون کی ہدایت کے لئے اس کے پاس بھیجے۔ تو خدا تعالےٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا۔

قُولَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ۔ یعنی فرعون سے بات نرمی سے کرنا۔

سبحان اللہ! کیا شانِ جلال ہے۔ کہ پروردگارِ عالم حضرت سے فرما رہا ہے۔ کہ موسےٰ! اُس ملعون کے پاس جا تو رہے ہو۔ مگر دیکھنا وہاں جلال آمیز گفتگو نہ فرمانا۔ بلکہ نرمی سے ہدایت فرمانا۔

سراپا جمال

بھائیو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان جلال کو دیکھا آپ نے؟ کہ خدا تعالےٰ نرم گفتگو فرمانے کا فرما رہا ہے۔ اور ایک ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ جمال بھی ہے۔ کہ بس رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے حضور سے یوں ارشاد فرمایا۔ کہ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ یعنی اے رحمتِ عالم! ان بے دینوں پر کبھی شدت وسختی بھی فرمایا کیجئے۔ چنانچہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے رحمتِ عالم ہونے کے باوجود حسب موقعہ شدت بھی اختیار فرمائی۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کی مبارک زندگی کا صرف ایک ہی پہلو واضح ہے۔ اور وہ جلال و جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے۔ اور اس پہلو کے سوا ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لئے دنیاوی حقوق و واجبات اور فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ ان کے سامنے موجود نہیں۔ مثلاً میاں بیوی کے حقوق، باپ، بیٹے، بھائی، دوست و احباب کے متعلق احکام اور مال و دولت کے خرچ کرنے کے مصارف ان کا ذکر ان کی کتاب سیرت میں نہیں ملتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک سیرتوں میں بھی بعض مخصوص پہلوؤں پر تو روشنی پڑتی ہے۔ مگر زندگی کے ہر شعبہ کے لئے کامل نمونہ کوئی سیرت نظر نہیں آتی۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کو دیکھئے۔ تو

وہاں صرف عفو و کرم اور حلم و تواضع ہی کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ آپ کی یہ تعلیم تو مشہور ہی ہے۔ کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے۔ تو تم دوسری گال بھی آگے کر دو۔ کہ لو اس پر دوسرا طمانچہ بھی مار لو۔ (دیکھئے انجیل متی)، آپ کی کتاب سیرت ہیں۔ حکومت و سلطنت۔ جلال و انتقام اور میاں بیوی کے حقوق کے متعلق کوئی باب نظر نہیں آتا۔

جامعیّت کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے "جامعیت" ایک ضروری شرط ہے۔ یعنی مختلف طبقاتِ انسانی کو اپنی ہدائت و روشنی کے لیۓ جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا ہر فردِ انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیۓ جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے۔ وہ سب اس "نمونہ کی زندگی" کے آئینہ ہیں موجود ہوں۔

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام میں صرف ایک سید الانبیاء حضور احمدِ مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ و سلم ہی کی ایک ایسی ذاتِ گرامی ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبہ کے لیۓ ایک کامل نمونہ ہے۔ اور قیامت تک کے لیۓ مختلف طبقاتِ انسانی کے لئے آپ ہی کی ذاتِ پاک میں مکمل و بہترین پیشوائی موجود ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ہمارے حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ و سلم ایک شہنشاہِ کشورکشا بھی ہیں۔ اور عابد و زاہدِ بے ریا بھی ہیں۔ عدیم المثال سپہ سالار بھی ہیں۔ یتیموں۔ بیواؤں اور بیکسوں کے غمخوار بھی ہیں۔ سلطان دو عالم اور امیر بھی ہیں۔ غرباء و مساکین اور بے سہاروں کے دستگیر بھی ہیں۔ اور شوہر و باپ اور درّ یتیم بھی ہیں۔ جری

وقومی دلیر اور بے نظیر بہادر بھی ہیں۔ امین و سخی اور تاجر بھی ہیں۔ الغرض زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو کے لئے آپ کی ذاتِ گرامی میں پیشوائی موجود ہے۔ اور سارے عالم کے لئے آپ کی ذات بابرکات ایک کامل و اکمل نمونہ ہے۔ اور اس شعر کی پوری پوری مصداق کہ ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حکومت وسلطنت

میرے بھائیو! آج اگر عیسائیوں سے دریافت کریں کہ تمہیں جو انگلستان یا بعض دیگر ممالک میں حکومت و سلطنت حاصل ہے۔ تم اپنے پیغمبر (حضرت عیسےٰ علیہ السلام) کی کتاب سیرت سے حکومت وسلطنت کے متعلق احکام و دستور نکال کر دکھاؤ۔ اور اپنے پیغمبر کی عملی زندگی کے مطابق اپنی حکومت چلا کر دکھاؤ۔ تو بھائیو! عیسائی اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے تو اپنی مبارک زندگی زاہدانہ و متوکلانہ گزاری ہے۔ اور انہوں نے کبھی کسی ملک پر حکومت اختیار ہی نہیں فرمائی۔ یعنی آپ کسی ملک کے فرمانروا نہیں رہے۔ اور سلطنت کے آپ بانی نہ تھے۔ پھر آپ کی کتاب سیرت میں حکومت و سلطنت کی باب ہو ہی کیسے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عیسائی اپنے پیغمبر کی کتابِ سیرت سے میاں بیوی کے حقوق اور اولاد کی تربیت کے متعلق کوئی نمونہ یا حکم دیکھنا چاہے۔ تو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے تو شادی کی ہی نہ تھی۔ پھر آپ کی ذاتِ گرامی میں میاں بیوی اور اولاد کے متعلق حقوق و مسائل کا عملی نمونہ کیسے نظر آئے۔

لطیفہ

میں نے ایک اردو رسالے میں ڈاکٹر اقبال صاحب کے متعلق ایک واقعہ پڑھا تھا۔ کہ ڈاکٹر صاحب جب

یورپ گئے ۔ تو وہاں ایک "عیسائی لیڈی" ڈاکٹر صاحب کی بیوی بننے کے لئے تیار ہو گئی۔ اور ڈاکٹر صاحب سے کہنے لگی۔ کہ میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میرا آپ سے عقد ہو جائے۔ مگر میں عیسائی ہوں اور آپ مسلمان ۔ اس لئے بہتر ہے۔ کہ آپ بھی عیسائی ہو جائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔ اور بڑا ہی مزے کا جواب دیا۔ کہا۔ کہ "تم اگر واقعی میرے نکاح میں آنا چاہتی ہو۔ تو اس کی یہ صورت نہیں۔ کہ میں عیسائی ہو جاؤں۔ اس لئے۔ کہ عیسائی ہو کر ہمیں اپنے پیغمبر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی سنت کو دیکھنا پڑے گا۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کی عملی سنت یہ ہے۔ کہ آپ نے نکاح کیا ہی نہ تھا۔ تو اس طرح پھر ہمارا نکاح ہو ہی نہ سکے گا۔ ہاں اگر میرے نکاح میں آنا ہی چاہتی ہو تو تم مسلمان ہو جاؤ۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لو۔ اس لئے کہ نکاح کرنا حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور میاں بیوی کے مکمل حقوق و مسائل کی حضور کی ذات گرامی میں پیشوائی موجود ہے۔ یہ بات سن کر اس لیڈی نے پیچھا چھوڑ دیا۔

رحمت عالم میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے۔ کہ آج عیسائی ماں باپ کے ہاں جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا دعوٰے ہے۔ کہ وہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی رحمت کے صدقہ میں دنیا میں آتا ہے۔ اور وہ بچہ زبانِ حال سے اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ کہ لوگو! میں جو دنیا میں آیا ہوں تو یہ صدقہ ہے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ اس لئے کہ میرے ماں باپ اگر اپنے پیغمبر (حضرت عیسٰے علیہ السلام) کی سنت پر عمل کرتے۔ تو نکاح ہی نہ کرتے ۔ اور اگر وہ نکاح ہی نہ کرتے۔ تو میں دنیا میں یا تو آتا ہی نہ ۔ اور اگر آ بھی جاتا ۔ تو سب مجھے "ناجائز بچہ" کہتے ۔ مگر میں جو دنیا میں ایک جائز

بچہ کی صورت میں آیا ہوں۔ تو یہ اس لیے کہ میرے ماں باپ نے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کی سنتِ نکاح پر عمل کیا۔ تو گویا ایک میرا ہی نہیں۔ بلکہ ہر عیسائی مولود کا وجود جیتا جاگتا بے شاہد ہے اس بات کا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔

پڑھئے درود شریف۔ سہ

شاہِ معظّم نورِ مجسّم!	صلے اللہ علیہ وسلم
باعثِ دنیا رحمتِ عالم	صلے اللہ علیہ وسلم
اُن کا آنا رب کی رحمت	دنیا بھر میں اُنکی برکت
وہ جو نہوتے ہوتے کب ہم	صلے اللہ علیہ وسلم
سب سے بڑھ کر اُن کا پایہ	ان کا پایہ کس نے پایا
سب سے اونچا ان کا پرچم	صلے اللہ علیہ وسلم

صلے اللہ علیہ وسلم
صلے اللہ علیہ وسلم

زحمت

میرے بزرگو اور دوستو! یہ بات خوب سمجھ لیجئے۔ کہ ہر نعمت کا اصل اور حقیقی دینے والا اللہ ہی ہے۔ مال و دولت اور اولاد وغیرہ اسی کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ کسی کو اولاد اگر ملتی ہے۔ تو یہ اللہ ہی کی رحمت ہے۔ مگر عزیزو! اللہ کی رحمت، رحمت اسی وقت ہے۔ جب کہ درمیان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم کا وسیلہ آ جائے۔ اور اگر حضور کا وسیلہ درمیان نہ رہے۔ تو پھر وہ رحمت نقطہ لے کر آتی ہے۔ اور زحمت بن جاتی ہے۔ سب جانتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بیوی بچوں سے پاک و منزہ ہے اس کی شان لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ہے۔ نکاح کرنا تو حضور علیہ السلام کی سنت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جب کسی اپنے بندے کو بچہ دینا چاہتا ہے۔ تو اس کا گویا یہ اعلان ہوتا ہے۔ کہ اے میرے بندے!

مجھ سے اگر اولاد کی "رحمت" کے طلب گار ہو۔ تو میرے اور اپنے درمیان میرے محبوب صلے اللہ علیہ و سلم کا وسیلہ لے آؤ۔ یعنی میرے محبوب کی سنت نکاح پر عمل کر لو۔ نکاح کر لینے کے بعد جو بچہ تمہیں ملے گا۔ وہ میری رحمت ہی ہوگا۔ اور اگر بغیر میرے محبوب کی سنت کے وسیلہ کے کوئی بچہ مجھ سے لیا۔ تو پھر وہ "رحمت" بھی تمہارے لئے "زحمت" بن جائے گی۔ کیوں جی یہ تو ا ہے نا ہی بات۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے وسیلہ کے بغیر اگر کچھ ملا بھی۔ تو وہ رحمت نہیں زحمت ہے۔ تو پھر کیوں نہ ہم کہیں کہ ؎

رافع نافع دافع شافع
کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں
رب معطی ہے یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
اس کی بخشش ان کا صدقہ
دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں

معلوم ہوا۔ کہ اللہ کی ہر نعمت اور اس کی ہر رحمت ہمیں حضور ہی کے دستِ کرم سے ملتی ہے۔

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ کا ارشاد

چنانچہ شارح بخاری حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَزَانَةُ السِّرِّ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا يُنْفَذُ اَمْرٌ اِلَّا مِنْهُ وَلَا يُنْقَلُ خَيْرٌ اِلَّا عَنْهُ

(مواہب لدنیہ صفحہ جلد ۱) یعنی حضور صلے اللہ علیہ و سلم رازہائے حق کے خزانہ ہیں۔ اور امر الٰہی کے جائے نفاذ ہیں۔ کوئی حکم صادر نہیں ہوتا۔ مگر حضور کے دربار سے۔ اور کسی کو کوئی نعمت نہیں ملتی۔ مگر حضور ہی کی سرکار سے۔

دیکھا آپ نے۔ کہ بڑے بڑے محدثین کرام علیہم الرحمۃ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ کہ اللہ کی ہر نعمت حضور ہی کے دستِ کرم سے ملتی ہے۔ پھر ہم کون ہیں۔ جو حضور کے محتاج نہ ہوں۔ اور ان سے طلب نہ کریں۔ اور ان سے فریاد نہ کریں۔

بھائیو! اللہ تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے۔ اس نے اپنی ساری مخلوق پر رحمت فرمانے کے لئے حضور علیہ اللہ علیہ وسلم کو چن لیا ہے اور "اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ" فرما کر حضور کو حکم دیا ہے۔ کہ "وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" یعنی اے محبوب! ہم نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے۔ اور اب میری مخلوق میں سے تمہارے پاس کوئی مانگنے کے لئے آئے۔ تو اُسے جھڑکنا مت۔ میں نے تمہیں دیا ہے۔ تم میری مخلوق کو دو۔ مخلوق تم سے مانگے۔ تم مجھ سے مانگو۔ میں تمہیں دوں۔ تم مخلوق کو دو۔ ساری کائنات تمہاری محتاج۔ تم میرے محتاج۔ میں تمہارا داتا۔ تم کائنات کے داتا۔ میں نے ایک رباعی میں لکھا ہے۔ کہ ؎

ہم منگتے ہیں احمد کے دو دنیا ہے ہمارا
جو مانگیں گے ہم اس سے ہمیں دیگا وہ پیارا
گر شور مچاتے ہیں یہ منکر تو مچائیں
"آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدا را"

وسیلہ

میرے بھائیو! وسیلہ کا مسئلہ سمجھانے کے لئے ایک مثال پیش کروں۔ دیکھئے آپ نے اگر چائے بنانا ہو۔ اور آپ کے پاس چینی بھی ہو۔ چائے کی پتی بھی پانی بھی۔ اور آگ بھی۔ مگر باوجود ان سب چیزوں کے آپ چائے تیار نہیں کرسکتے۔ آپ آگ سے اگر کہیں۔ کہ اے آگ! یہ دیکھ میرے پاس پانی بھی ہے۔ چینی اور پتی بھی۔ تو میرے پانی کو گرم کرکے چائے تیار کر دے۔ تو آگ کا جواب یہ ہوگا۔ کہ میں نے مانا کہ

تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ مگر میری حرارت سے اگر مستفید ہونا ہے اور اپنا پانی گرم کرنا ہے۔ تو میرے اور پانی کے درمیان ایک وسیلہ پیدا کرو۔ یعنی "دیگچی" مہیا کر کے آؤ۔ دیگچی کو میرے اور پانی کے درمیان رکھ کر دیگچی مجھ پر رکھو۔ اور پانی دیگچی میں ڈالو۔ پھر میں تو دیگچی کو گرم کروں گی۔ اور دیگچی مجھ سے فیض لے کر پانی کو گرم کرے گی۔ اس لئے کہ پانی کا براہِ راست مجھ سے تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ ضرورت ہے ایک ایسے واسطہ کی جس کا ایک رخ میری طرف ہو۔ اور ایک پانی کی طرف۔ ادھر لے اور اُدھر دے۔ کیوں بھائیو! ہے نا یہ درست بات۔ اور اگر کوئی وسیلہ کا منکر یوں کہنے لگے کہ نہیں صاحب نہیں! ہٹاؤ اس دیگچی کو درمیان سے۔ تو دیکھئے کہ اگر دیگچی کو درمیان سے ہٹا دیا گیا۔ اور پانی کو براہ راست آگ کے اوپر ڈال دیا گیا۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ آگ ناراض ہو جائے گی۔ اور ایسی ناراض کہ نظروں سے غائب ہی ہو جائے گی۔ (یعنی بجھ جائیگی) اور یوں کہے گی۔ کہ اے نادان! یہ تو نے کیا کیا۔ کہ وسیلہ کو بیچ سے ہٹا کر مجھ سے فیض پانا چاہا۔ مجھ سے اگر کچھ حاصل کرنا تھا۔ تو وسیلہ کا دامن پکڑ کر مجھ سے کچھ لیتے۔ اور اگر تم وسیلہ کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ تو یہ لو میں چلی۔

بھائیو! بلاتشبیہ ہمارے پاس دل بھی ہے۔ اور جذبۂ توحید بھی۔ اور اُدھر اللہ کے عشق و معرفت کی آگ بھی موجود ہے۔ مگر اس آگ سے اگر اپنے دلوں کو گرمانا ہے۔ تو ضرورت ہے۔ اس امر کی۔ کہ ہم وسیلہ عظمےٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت کو درمیان میں لا کر اس آگ سے اپنے دلوں کو گرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عشق و معرفت کی آگ سے ہمارے دلوں کو گرمانے کے لئے یہ وسیلۂ عظمےٰ اپنے فضل سے خود پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ ایک ایسا وسیلہ ہے۔ جو

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل

کے مطابق ایک ہاتھ آپ کا اللہ کے ید قدرت میں ہے۔ اور ایک ہاتھ امت کے ہاتھ میں۔ ادھر اللہ سے لیتے جاتے ہیں۔ اور ادھر امت کو دیتے جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ نکالو اس وسیلہ کو درمیان سے۔ تو سمجھ لیجئے۔ کہ خدا ناراض ہو گیا۔ اور اس کی رحمت غائب ہو گئی۔ اور اس کا یہ اعلان ہوا۔ کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُكَ

"یعنی ان لوگوں کو اگر خدا کی مغفرت و رحمت درکار تھی۔ تو (اے محبوب) تیرے پاس آتے"۔

سبحان اللہ! کیا شانِ والا ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی کہ اللہ تعالےٰ اپنے مجرموں کی رہائی کے لئے حضور کے دربار میں حاضری کا ارشاد فرما رہا ہے۔ یعنی مجھ سے اگر کچھ پانا ہے۔ تو یہاں آؤ۔ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در۔ نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اعلیحضرت کا عشقِ رسول

یہ اعلیحضرت کا شعر ہے۔ اور کیا ہی ایمان افروز اور حقیقت مآب شعر ہے۔ اسی نعت پاک کا ایک اور شعر سنئے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب۔ ہے انہیں سے سب، ہے انہیں کا سب
نہیں اُن کی مِلک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

سبحان اللہ! ماشاء اللہ!! کیا اچھا فرمایا۔ کہ انہیں کی بدولت سب کچھ پیدا ہوا۔ اور انہیں کو عطا بھی سب کچھ فرما دیا گیا۔

بیشک! بیشک! ہمارا ایمان ہے۔ کہ حضور ساری کائنات کے باذن اللہ مالک و مختار ہیں۔ بھائیو! اس شان کا آقا اور کس امت کو ملا ہے؟ زہے نصیب ہمارے۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا ۔ نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا

یعنی یا رسول اللہ! آپ کے نام پر میری جان فدا ہو۔ اور صرف میری ہی ایک جان کیا یا رسول اللہ! یہ دونوں جہان آپ کے نام پر فدا ہوں۔ مسلمانو! ذرا اعلیحضرت کا عشقِ رسول دیکھئے۔ فرماتے ہیں حضور؛ کہاں آپ کی شانِ والا۔ اور کہاں یہ دو جہان۔ یہ دو جہان بھی کیا چیز ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

میرے آقا! دو جہاں فدا کرکے بھی دل سیر نہیں ہوا۔ مگر کروں کیا۔ کہ جہان دو ہی ہیں۔ کروڑوں نہیں ہیں۔ اگر کروڑوں جہان ہوتے۔ تو کروڑوں جہان ہی آپ کے نام پر فدا کر دیتا۔ اعلیحضرت واقعی سچے عاشقِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) تھے۔ مقطع میں فرماتے ہیں۔ کہ ؎

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا!

یعنی میں دولت والوں کی مدح و تعریف کیوں کروں۔ اس بلا میں میری بلا پڑے۔

"کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا!
"میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

سبحان اللہ! میں گدا ہوں اپنے کریم کا " "میں گدا ہوں اپنے رسول کا"

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

خدا کی سو سو رحمتیں نازل ہوں مرقدِ اعلیحضرت پر کیا ہی درسِ عشقِ مصطفےٰ دے گئے۔ اور کتنے بے خبر اور ناآشنائے عشقِ مصطفےٰ ہیں وہ لوگ جنہیں اعلیحضرت سے، خواہ مخواہ کا عناد ہے۔

ہاں تو عزیزو! میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ انبیاء سابقہ علیہم السلام کی مبارک زندگیاں زندگی کے مخصوص پہلوؤں کے لئے تو مشعلِ راہ ہیں۔ مگر زندگی کے ہر پہلو کے لئے مشعلِ راہ صرف ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم

ہی کی مبارک زندگی ہے۔ اور ہر فرد انسان کے لئے ہمارے حضور کی ذاتِ گرامی ہی پیشوائی موجود ہے۔

آپ سن چکے۔ کہ اگر کوئی بادشاہ و فرمانروا حضرت عیسٰے علیہ السلام کی مبارک زندگی سے حکومت و سلطنت کے متعلق عملی ہدایات لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔ مگر آیئے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ کہ آپ ایک حاکم و فرمانروا کو بھی مخاطب فرما کر فرمائیں گے کہ آؤ میرا دامن تھام لو۔ میں نے ملک عرب پر فرمانروائی بھی فرمائی ہے۔ اور میری ذاتِ گرامی میں فرمانروائی و حکومت کے لئے بھی پیشوائی موجود ہے۔ اور اس شعبہ کے لئے بھی میری ذاتِ پاک کامل نمونہ ہے۔

سُلطانِ عرب

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کے سردار اور سلطانِ عرب بھی ہیں۔ آپ نے عنانِ سلطنت کو ہاتھ میں لیتے ہی جو کام کئے۔ وہ سارے عالم کے بادشاہوں میں اور کوئی بادشاہ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور کے دورِ حکومت میں دنیا کی کچھ ایسی کایا پلٹی۔ کہ "اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا" کے مطابق حضور نے جہالت کی تاریکی کو دور فرما کر نورِ علم سے سب کو منور فرما دیا۔ ظالموں کو محسن و ایثار پیشہ بنا ڈالا۔ مغروروں اور فرعون مزاجوں کو منکسر المزاج اور متواضع و حلیم بنا دیا۔ ظلم و ستم کو مٹا کر عدل و انصاف کا سکہ جاری فرما دیا۔ فاقہ کشی کو دور فرما کر راحت و آسائش کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

غلاموں اور عورتوں کو ظلم و ستم سے بچا کر انہیں عزت کے مقام پر بٹھا دیا۔ شیر و بکری کو ایک گھاٹ پر پانی پلا دیا۔ ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذروں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

دنیا بھر کے بادشاہوں۔ حاکموں اور فرمانرواؤں کے لئے بھی حضور کی ذاتِ گرامی میں پیشوائی و نمونہ موجود ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی اس مثالی فرمانروائی ہی کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ یہود و عیسائیوں نے حضور کی رعایا بننے کی درخواستیں کیں۔ حضور ہی کی حکومت کے آئین تھے جنہیں سن کر قیصر روم نے دربار عام میں اقرار کیا تھا۔ کہ اگر یہ سچ ہے۔ تو میری اس قدم گاہ تک "محمد" (صلے اللہ علیہ و سلم) کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور ہو کر رہا۔

حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی پیشوائی اور آپ کی اقتدار میں اسلام میں ایسے ایسے حکمران نظر آتے۔ کہ جن کے سنہری کارنامے رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہی کو لیجئے۔ حضور کی ذاتِ گرامی ان کی پیشوا تھی۔ اور یہ اپنے آقا کی پیشوائی میں ایک ایسے عظیم الشان فرمانروا تھے۔ کہ قیصر و کسریٰ ان کا نام سن کر بھی کانپ جاتے تھے۔ مگر ان کی سادگی اور رعایا پروری کا یہ عالم تھا۔ کہ لباس اقدس میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ اور ساری ساری رات مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پہرہ دیتے پھرتے ہیں۔ اور یہ سب صدقہ تھا۔ حضور صلے اللہ علیہ و سلم کی مقدس پیشوائی کا۔ کہ آپ سلطانِ عرب نہیں۔ بلکہ سلطانِ دو جہان ہیں۔ مگر سادگی اس قدر مرغوب ہے۔ کہ آپ صحابۂ کرام علیہم الرضوان میں تشریف فرما ہوتے۔ تو نو وارد کو پتہ نہ چلتا۔ کہ ان میں سلطان کون ہے۔ اور دربان کون؟

حضور نے دربار عام میں بیٹھنے کی کوئی خاص نشست گاہ نہ بنا رکھی تھی۔ نہ کوئی کرسی تھی نہ تخت۔ عرش نشین ہو کر آپ فرش پر ہی تشریف فرما کر مقدمات سنتے۔ اور فیصلے فرماتے۔ وہیں فوجیں مرتب ہوتیں۔ وہیں سے حکومتوں کے نام نامہ و پیام جاری ہوتے۔

نہ کوئی تکلف تھا۔ ورنہ کوئی خرچ باوجود اس سادگی کے رعب و دبدبہ ہوتا اس قدر تھا۔ کہ دشمن سامنے آتے ہی لرزہ بر اندام ہو جایا کرتا تھا

شاہِ فارس کا انجام

چنانچہ شاہ فارس نے اپنے ماتحت صوبہ یمن کے حاکم کو حکم بھیجا۔ کہ بہت جلد دو پہلوان بھیج کر مدعی نبوت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا سر اتار کر (معاذ اللہ) میرے پاس بھیجدے۔ یا زندہ گرفتار کر کے یہاں بھیجدے۔ حاکم یمن نے اس حکم کے مطابق دو قوی پہلوان ایک کا نام بانویہ دوسرا خرخسرہ یمن سے مدینہ منورہ کی جانب حضور کے شہید کرنے یا گرفتار کرنے کے لئے بھیجدیئے۔ یہ دونوں پہلوان جب یمن سے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے۔ تو حضور کو اطلاع ملی۔ کہ دو پہلوان فارس سے حکم پاکر حضور کو ایذار دینے کے لئے آرہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو حکم دیا۔ کہ ان میرے مہانوں کو بڑے اخلاق کے ساتھ اچھے نفیس مکان میں ٹھہراؤ۔ اور ان کی خوب مہانداری کر کے جب تکان دور ہو جائے۔ میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ ان دونوں پہلوانوں کو مدینہ منورہ پہنچنے پر بڑے آرام سے چند روز رکھا گیا۔ اور پھر حضور کے دربار میں پیش کیا گیا۔ یہ دونوں پہلوان جب حضور کے دربار میں حاضر کئے گئے۔ تو دونوں بید لرزاں کی طرح کانپنے اور لرزنے لگے۔ پیروں میں جنبش اور ہاتھوں میں رعشہ اور زبانوں میں لکنت تھی۔ حضور نے انہیں بیٹھنے کی اجازت دی۔ مگر وہ فرط رعب سے بیٹھ نہ سکے۔ اور اوندھے منہ گر گئے۔ حضور نے ان سے فرمایا۔ کہ تمہیں کس نے بھیجا ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بولے۔ کہ شاہ فارس نے آپ کے قتل کے لئے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ شاہ فارس تو آج ہی رات کو اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے۔ اب تم کس کے حکم سے میرے پاس آئے ہو۔ جاؤ حاکم یمن کو شاہِ فارس کے قتل کی خبر کرو۔ حضور نے ان دونوں مجوسیوں کی داڑھی منڈی

ہوئی اور مونچھیں بہت بڑھی ہوئی دیکھ کر فرمایا۔ کہ ایسی مکروہ صورت تم نے کیوں بنائی ہے۔ وہ بولے۔ ہمارے بادشاہ کا یہی حکم ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ میرے بادشاہ کا مجھے یہ حکم ہے۔ کہ میں مونچھیں کترداؤں۔ اور داڑھی بڑھاؤں۔ پھر یہ دونوں پہلوان شاہ فارس کی موت کی خبر سن کر جب حضور کے پاس سے باہر نکلے۔ تو آپس میں کہنے لگے۔ کہ ہم نے اس قدر رعب بڑے بڑے بادشاہوں میں بھی نہیں پایا۔ جیسا کہ ان کا دیکھا ہے۔ اگر تھوڑی دیر ہم اور وہاں بیٹھے رہتے تو ہم مر ہی جاتے سہ

بڑے دربار دیکھے اور شہنشاہِ زمیں دیکھے
محمد کی کچہری سے مگر جلوے نہیں دیکھے

یہ لوگ جب واپس یمن پہنچے۔ تو شاہِ فارس کے مرنے کی خبر وہاں بھی پہنچ گئی۔

مونچھیں

میرے بھائیو! یہاں یہ بات بھی سمجھ لو۔ کہ داڑھی منڈانا۔ اور مونچھیں بڑھانا یہ سنتِ مجوس ہے۔ اور سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کٹانا ہے۔ میرے بھائیو! ذرا سوچو تو سہی۔ کہ آج یہ مرض بھی کس قدر عام ہے۔ مسلمان کے چہرے پر داڑھی کا ہونا ضروری ہے۔ اور مونچھیں بھی ہوں۔ مگر نہ اس قدر۔ کہ مونچھ کی بجائے "پونچھ" نظر آئے۔

علمی لطیفہ

یہاں مجھے ایک پر لطف لطیفہ یاد آیا۔ دہلی کے ایک نواب صاحب ایران سے فارسی سیکھ کر آئے۔ اور خوب استعداد بہم پہنچائی۔ ایک ایرانی زاد نے سنا۔ تو نواب صاحب سے کہا۔ نواب صاحب اپنا کوئی شعر تو سنا دیجئے۔ نواب صاحب نے فی البدیہہ شعر کہا۔ سہ

سیہ چوڑیؔ بدستِ آں نگارِ نازنیں دیدم
بشاخِ صندلیں پیچیدہ مارے آتشیں دیدم

ؔ چوڑی

ایرانی زاد تف تف کرنے لگا۔ اور کہا اتنی طوالت! اس قدر درازی۔ بس اتنا کافی تھا۔ ؎

سیہ چوری بدست آں نگارے
بشاخ صندلیں پیچیدہ مارے

ناظرین فیصلہ فرمائیں۔ کہ اس طوالت کے مقابلہ میں یہ اختصار کتنا پسندیدہ ہے۔ بھائیو! مونچھوں کی طوالت پہلا شعر ہے۔ اور ان کا اختصار دوسرا شعر۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں حکمرانوں اور سلطانوں کے لئے بھی پیشوائی موجود ہے۔ اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر اسلام میں ایسے ایسے عادل اور انصاف پسند فرمانروا نظر آتے ہیں۔ جن کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کرسکتی۔

عدالتِ اسلام

چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے رموزِ خودی میں ایک مسلمان فرمانروا کا قصہ لکھا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

بود معمارے در اقلیم خجند
در فنِ تعمیر نامِ او بلند

یعنی ملک خجند میں ایک نامور معمار تھا۔ جس کے فن کا شہرہ دور دور تک تھا ؎

ساخت آں صنعت گرِ فرہاد زاد
مسجدے از حکمِ سلطانِ مراد

بادشاہِ خجند سلطان مراد کے حکم سے اس نے ایک مسجد تعمیر کی یعنی بادشاہ کو یہ شوق پیدا ہوا۔ کہ اس کی مملکت میں ایک عظیم الشان مسجد تیار ہو۔ چنانچہ اس نے اس نامور معمار کو بلا کر حکم دیا۔ کہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرے۔ اور شاہی خزانے سے جس قدر روپیہ درکار ہو لے۔ اور ایک عظیم الشان مسجد تیار کرے۔ اس معمار نے بڑے ذوق

د شوق اور انہماک سے مسجد تیار کرنا شروع کی۔ اور جب وہ اس مسجد کو تیار کر چکا۔ تو بادشاہ کو اطلاع دی۔ کہ مسجد تیار ہے۔ آ کر ملاحظہ فرمائیے۔ بادشاہ آیا اور مسجد کو دیکھا۔ مگر ؎

خوش نیامد شاہ را تعمیر او
خشمگیں گردید از تقصیر او

بادشاہ کو اس کی تعمیر پسند نہ آئی۔ اور وہ اپنی اس ناپسندیدگی کی بنا پر بجد غصہ میں آ گیا۔ اور غصہ میں آ کر کیا کیا؟ ؎

آتشِ سوزندہ از چشمش چکید
دستِ آں بیچارہ از خنجر برید

اس قدر غصہ میں آیا۔ کہ اس کی آنکھوں سے آگ برسنے لگی۔ اور غصہ میں آ کر اس نے اس معمار کا ہاتھ کاٹ دیا۔ مسلمانو! دیکھو ذرا ایک طرف سلطانِ وقت ہے۔ اور ایک طرف ایک غریب معمار۔ سلطانِ وقت نے اُس غریب کا ہاتھ کاٹ دیا۔ تو کیا وہ اس خیال سے کہ معاملہ بادشاہ سے ہے۔ خاموش بیٹھا رہا؟ اور اس ڈر سے کہ کہیں اور آفت نازل نہ ہو جائے۔ چپ رہا؟ نہیں نہیں!! بلکہ ؎

جوئے خوں از ساعدِ معمار رفت
پیشِ قاضی ناتواں و زار رفت

اس کے بازو سے خون بہنے لگا۔ اور وہ اسی حالت میں عدالت میں قاضی کے سامنے پہنچ گیا۔ قاضی نے اُسے جو اس حال میں دیکھا تو پوچھا۔ کہ یہ ظلم تمہارے ساتھ کرنے والا کون ہے؟ جلدی بتاؤ۔ تاکہ ظالم کو عدالت میں طلب کیا جائے۔

معمار نے صاف صاف بتا دیا۔ کہ اس ظلم کا مرتکب خود سلطانِ وقت ہے۔ بھائیو! دیکھو ذرا عدالتِ اسلام کا رنگ۔ کہ قاضی صاحب نے سن کر یہ نہیں کہا۔ کہ بیوقوف کہیں کے۔ بادشاہ کے خلاف شکایت لے کر آئے ہو۔ میں بھی اسی کا مقرر کردہ اور اسی کا ملازم ہوں۔ کیوں

میرا بیڑہ بھی غرق کرانے لگے ہو۔ جاؤ۔ خاموش رہ کر گھر بیٹھو۔ اور خبردار جو بادشاہ کے خلاف لب کشائی کی۔ بھائیو! نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ ؎

قاضیٔ عادل بدنداں خستہ لب!
کرد شہ را در حضورِ خود طلب

قاضی صاحب نے بادشاہ کا یہ جور و ستم سن کر دانتوں میں لب دبائے۔ اور فوراً بادشاہ کو عدالت میں طلب کر لیا۔ مسلمانو! یہ ہے زور آئینِ محمد صلے اللہ علیہ و سلم ہیں۔ اور یہ ہے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے اُسوۂ حسنہ کا کرشمہ۔ کہ جن لوگوں کے پیشِ نظر یہ اسوۂ حسنہ ہے۔ وہ ہر حال میں عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑتے۔ اور بڑے سے بڑے آدمی کو بھی اس کی بڑائی کے باعث اسے ظلم و ستم کرنے کے لئے کھلا نہیں چھوڑ دیتے۔ اور اگر بادشاہِ وقت بھی ہو۔ تو قانونِ محمدی اور اسوۂ محمدی صلے اللہ علیہ و سلم اسے قانون سے مستثنیٰ نہیں کرتا۔

چنانچہ سلطان مراد کے نام وارنٹ جاری ہو گئے۔ اور عدالتِ اسلام میں حاضر ہونے کا اسے حکم مل گیا۔

بھائیو! سلطان مراد کو جب قاضیٔ شرع کا حکم ملا۔ تو کیا وہ چیں بجبیں ہوا؟ اور کیا وہ اپنے ہی مقرر کردہ قاضی پر ناراض ہوا؟ اور یہ کہا کہ میری ہی بلی اور مجھ ہی سے میاؤں؟

نہیں نہیں!! بلکہ ؎

رنگِ شاہ از ہیبتِ قرآں پرید
پیشِ قاضی چوں خطا کاراں رسید

بادشاہ کا رنگ قرآن کی ہیبت سے اڑ گیا۔ اور ——

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولِي الْاَلْبَابِ"

کی آیت سامنے آگئی۔ اور مجرموں کی طرح عدالتِ اسلام میں حاضر ہو گیا سبحان اللہ! کیا زور ہے قانونِ محمدی (صلے اللہ علیہ وسلم) میں

کہ اتنا بڑا بادشاہ مجرموں کی طرح عدالت میں حاضر ہو رہا ہے۔ حضرات! ہے کوئی دنیا بھر میں ایسا زور دار قانون؟ جو ایک بہت بڑے بادشاہ کو بغیر کسی ظاہری زور کے عدالت میں کھینچ کر لے آئے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہ زور تو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا عطا فرمودہ ہے۔

غریب کے قدموں میں

بھائیو! ضمناً میں آپ کو قانونِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے زور کا ایک اور منظر بھی دکھاتا چلوں۔ دیکھیے کسی جامع مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے ایک بہت بڑا بادشاہ جو کسی بڑے سے بڑے آدمی سے بھی گفتگو کرنا اپنی کسرِ شان سمجھتا ہو۔ چہ جائیکہ کہ کسی غریب سے ہمکلام ہو۔ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں آئے۔ اور اتفاقاً اس وقت آئے۔ جب کہ اگلی سب صفیں پُر ہو چکی ہوں۔ اور پچھلی صف ہی میں اسے جگہ ملے تو بھائیو! کیا شریعت یہاں یہ فرماتی ہے۔ کہ بادشاہ سلامت تشریف لے آئے ہیں۔ لہٰذا اگلی صف والو غریب مسلمانو! اگلی صف سے تم اٹھ بیٹھو۔ اور بادشاہ کو آگے بیٹھنے دو۔ اور تم پیچھے بیٹھ جاؤ۔ نہیں نہیں۔ یہاں بادشاہ سلامت بادشاہ سلامت نہیں ہیں۔ بلکہ مسجد میں سارے مسلمان کیا امیر اور کیا غریب کیا امی اور کیا رعایا سب برابر ہیں ؎

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مسجد میں کسی کی حکومت نہیں۔ کسی کی بادشاہی نہیں۔ یہاں تو اللہ ہی اللہ ہے۔

لطیفہ

ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کو خلیفۂ وقت نے ایک بار ناراض ہو کر یہ حکم دیا۔ کہ شام سے پہلے پہلے وہ اس کی حدودِ سلطنت سے باہر نکل جائیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ

نے یہ حکم پا کر فرمایا۔ کہ میں انشاء اللہ شام سے پہلے پہلے اس کی حدودِ سلطنت میں نہ رہوں گا۔ اور اطمینان سے آپ اپنے دولتکدہ پر تشریف فرما رہے۔ خدام نے عرض کی۔ حضور! ایسا نہ ہو کہ حکومت کی طرف سے کوئی گزند پہنچے۔ آپ ضرور کہیں اور تشریف لے جائیں۔ فرمایا۔ میں حسب وعدہ شام سے پہلے پہلے اس کی حدودِ مملکت سے باہر نکل جاؤں گا۔ خدام کی سمجھ میں یہ بات اس وقت آئی۔ جب آپ شام سے پہلے ہی مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ مسجد میں کسی حاکم کی حکومت نہیں۔ یہاں اللہ ہی کی حکومت ہے۔ میں اب اس کی حدودِ مملکت سے باہر ہی ہوں۔

ہاں تو بھائیو! اگر کوئی بادشاہ جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے۔ اور اُسے پچھلی صف میں جگہ ملے۔ تو شریعت کا فیصلہ ہے۔ کہ جہاں جگہ ملے۔ وہیں بیٹھو۔ اب ذرا اپنے ذہنوں میں نقشہ جمائیے۔ نماز باجماعت کا۔ جماعت کھڑی ہوتی۔ اور سب لوگ صف بصف کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ سلامت بھی اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔ اب فرض کیجئے۔ کہ بادشاہ سلامت سے اگلی صف میں بادشاہ کے بالکل آگے جو آدمی کھڑا ہے۔ وہ ایک غریب و بیکس آدمی ہے۔ اس قدر غریب کہ کوئی بھی اُسے منہ نہیں لگاتا۔ مگر تصور کیجئے۔ کہ جب جماعت کھڑی ہوتی۔ تو وہ غریب آدمی آگے ہے۔ اور اتنا بڑا جلیل القدر بادشاہ بالکل اس کی پیٹھ کے پیچھے ہے۔ اب جبکہ سب رکوع میں گئے۔ تو آگے غریب آدمی جھکا ہوا ہے۔ اور پیچھے بادشاہ سلامت جھکے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد سب لوگ جب سجدے میں گرے۔ تو نقشہ سامنے کیجئے اپنے ذہنوں میں۔ کہ اگلی صف میں وہ غریب و بے کس آدمی سجدے میں ہے۔ اور اس کے پیچھے بادشاہ سجدے میں ہے۔ اور نقشہ یہ ہے۔ کہ

ایک غریب آدمی کے قدموں میں بادشاہ کا سر پڑا ہے۔ کیوں بھائیو! ہے نا یہی نقشہ۔ بولئے کس قانون میں اتنی طاقت ہے۔ اور کونسا اسوۂ مبارکہ اتنا زور رکھتا ہے۔ کہ اتنے بڑے ایک متکبر بادشاہ کا سر ایک غریب و بیکس آدمی کے قدموں میں جھکا دے۔ اقرار کرنا پڑے گا۔ ہر انصاف پسند و عادل مزاج کو۔ کہ یہ طاقت اور زور صرف قانونِ محمدی اور اسوۂ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہی میں ہے۔

پڑھئے درود شریف

الصّلوٰۃ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ

الصّلوٰۃ وَ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللہ

ہاں تو وہ بادشاہ یعنی سلطان مراد خطا کاروں کی طرح عدالت میں حاضر ہو گیا۔ اب عدالتِ اسلام کا نقشہ یہ تھا کہ ؎

ایں طرف فریادئے دعوے گرے

آں طرف شاہنشہِ گردوں فرے

ایک طرف غریب معمار فریادی کھڑا تھا۔ اور دوسری طرف اتنا بڑا عظیم الشان بادشاہ مجرمانہ طور پر کھڑا تھا۔ قاضی صاحب کی عدل پروری نے اس وقت گویا یہ کہا۔ کہ اے بادشاہِ وقت! اگرچہ آپ حاکم ہیں۔ فرمانروا ہیں۔ میں آپ کا ملازم ہوں۔ مگر اس وقت آپ "مدعا علیہ" ہیں۔ اور قانونِ محمدی و اسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر آپ کو مدعی کے ساتھ برابر کھڑا ہونا پڑیگا۔ بادشاہ نے حاضر ہو کر کیا کہا؟ سنئے ؎

گفت شاہ از کردہ خجلت بردہ ام

اعتراف از جرم خود آوردہ ام

بادشاہ نے کہا۔ کہ میں اپنے کئے پر نادم ہوں۔ اور اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہوں۔ ؎

گفت قاضی فی القصاص آمد حیات
زندگی گیرد ز ایں قانوں ثبات

قاضی صاحب نے کہا۔ کہ قرآن پاک کے فیصلہ کے مطابق قصاص
و بدلہ میں زندگی ہے۔ اب آپ قصاص کے لئے [illegible]

عبدِ مسلم کمتر از احرار نیست!
خونِ شہ رنگیں تر از معمار نیست!

ایک غلام مسلمان دوسرے آزاد مسلمان سے کم مرتبہ نہیں
غریب و امیر سب برابر ہیں۔ اور بادشاہ کا خون اس غریب معمار
کے خون سے زیادہ رنگین نہیں ہے۔ جتنا رنگین خون بادشاہ کا
ہے۔ اتنا ہی رنگین خون معمار کا بھی ہے۔ پھر کیا وجہ کہ غریب
کا خون اگر بہایا گیا ہے۔ تو بدلے میں بادشاہ کا خون نہ بہایا
جائے۔ ؎

چوں مراد ایں آیہ محکم شنید
دستِ خود از آستیں بیروں کشید

سلطان مراد نے جب قرآن پاک کی آیت وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ
حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ سنی۔ تو اپنا ہاتھ فوراً آستین سے نکال کر
اور قاضی صاحب کے آگے کر دیا۔ کہ یہ میرا ہاتھ حاضر ہے۔
بدلے میں اسے کاٹ دیا جائے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ!! اے قانونِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
اور اے اسوۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تجھ پر ہزار جان سے
صدقے۔ کیا [illegible] ہے۔ کہ ایک بادشاہ خود بخود بدلہ
وقصاص کے لئے اپنا ہاتھ کاٹ دیئے جانے کے لئے آگے بڑھتا
رہا ہے۔

اب آگے سنئے۔ کہ وہ غریب معمار جب اپنی فریاد رسی دیکھ لیتا
ہے۔ اور یقین کر لیتا ہے۔ کہ میرے حق میں انصاف کیا گیا ہے۔

اور بادشاہ اپنا ہاتھ کٹوانے پر تیار ہے۔ تو ؎

مدعی را تابِ خاموشی نہ ماند

آیۂ بالعدل والاحسان بخواند

معمار نے بیقرار ہو کر کہا۔ کہ قاضی صاحب! قرآن پاک میں

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ

بھی موجود ہے۔ اور خدا تعالےٰ نے احسان کا حکم بھی دیا ہے۔ اس لئے۔ ؎

گفت از بہرِ خدا بخشیدمش!

وز برائے مصطفےٰ بخشیدمش!

میں نے بادشاہ کو خدا کے واسطے معاف کیا۔ اور جنابِ مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے واسطے معاف کیا۔ ؎

یافت مورے بر سلیمانے ظفر

سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر

یہ ہے سطوتِ آئینِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم اور عظمتِ اُسوۂ حسنہ۔ صلے اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم۔

سپہ سالارِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم

میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں دنیا کے ہر فرد اور زندگی کے ہر شعبہ کے لئے پیشوائی موجود ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ اگر کوئی فرمانروا حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حکومت و سلطنت کے آئین سیکھنا چاہے۔ تو اُسے حضور کی ذاتِ گرامی میں یہ چیز بھی ملے گی۔ اور اسی طرح مثلاً کوئی جرنیل اور سپہ سالار یہ چاہے۔ کہ میں سپہ سالار ہوں۔ حضور کی ذاتِ گرامی میں اس کے متعلق بھی پیشوائی موجود ہے۔ یا نہیں۔ تو حضور کا ارشاد ہوگا۔ کہ ادھر آؤ۔ اور مجھے دیکھو۔ کہ میں اللہ کا محبوب اور رسول بھی ہوں سلطانِ عرب بھی ہوں۔ اور بے مثل سپہ سالارِ اعظم بھی ہوں۔

چنانچہ میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے دوسرے پہلوؤں کو چھوڑ کر جب آپ کی سیاسی زندگی پر نظر کی جاتی ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے سیاست دانوں میں بھی سب سے بڑھ کر سیاستدان اور دنیا بھر کے جرنیلوں سے سب سے بڑے جرنیل تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نپولین اور واشنگٹن وغیرہ دنیا کے بڑے بڑے جرنیلوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ تاریخی طور پر جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات مبارکہ سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ تو وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تدبر۔ حضور کے ضبط۔ حضور کی فنونِ جنگ سے مہارت۔ اور حضور کی ماتحتوں سے ہمدردی وغیرہ اوصافِ سپہ گری میں آپ کا لگا نہیں کھا سکتے۔

غزوۂ بدر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ماتحت صرف ۳۱۳ صحابہ کا لشکر تھا۔ اور مخالفین ابوجہل جیسے سپہ سالار کی سرکردگی میں ایک ہزار کی تعداد میں موجود تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ مقدس لشکر اگرچہ تعداد میں تھوڑا تھا۔ مگر

سہ

یہ لشکر ساری دنیا میں انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اور کیا خوب لکھا ہے شاعر نے کہ۔ سہ

نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو اک سادی سی کالی کملی والے پر

باوجود اس کے یہ مٹھی بھر مقدس لشکر اپنے سے تگنے لشکر کے ساتھ جہاد کرتا ہوا حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی فنون

جنگ سے کمال مہارت کے باعث دشمن پر فتحیاب ہُوا۔ اور پھر کمال پر کمال یہ کہ اس جنگ میں مسلمان صرف ۱۴ شہید ہوئے۔ نہ کوئی زخمی ہُوا نہ اسیر۔ اور دشمن سَتّر کی تعداد میں مقتول ہوئے۔ اور سَتّر کی تعداد میں اسیر۔

غزوۂ احزاب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین ہزار مسلمان تھے۔ مگر کفار دس ہزار کی تعداد میں حملہ آور ہوئے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی مہارتِ جنگ سے ناکام واپس پھرے۔

شجاعت و بہادری ایک جرنیل میں شجاعت و بہادری کا ہونا ضروری ہے۔ سپہ سالار ہی اگر بہادر نہ ہو۔ تو فوج میں بہادری کب ہوگی۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کائنات بھر میں شجاع و بہادر نظر آتے ہیں۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان فرماتے ہیں۔ کہ جب کبھی گھمسان کا رن پڑتا تھا۔ اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا۔ تو اس وقت ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اوٹ لیا کرتے تھے۔ اور ہم میں سب سے آگے دشمن کی جانب حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے تھے۔

انگوٹھا بھائیو! دنیا میں بعض لیڈر انگوٹھے کی طرح بہادر بھی ہوتے ہیں۔ ہاتھ کا گھونسا بنا کر دیکھیے۔ کہ انگوٹھا گویا لیڈر بن کر تن کر کھڑا رہتا ہے۔ اور بچاری انگلیوں کو آگے کرکے کہتا ہے۔ کہ لگاؤ دشمن کے منہ پر۔ اور اگر اس گھونسے کا رخ پلٹ کر انگوٹھے والی جانب دشمن کے سامنے کی جائے۔ تو لیڈر صاحب جھٹ انگلیوں کی پناہ میں اندر گھس جاتے ہیں۔ گویا یہ ایسا بہادر ہے۔ کہ انگلیوں ہی کو مروانا چاہتا ہے۔ خود پیچھے رہتا ہے۔ یا اندر گھس جاتا ہے۔

ہم بہادر نبی حضرات! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم میدانِ جہاد

ہیں سب سے آگے ہوتے تھے۔ اور یہ حضور کی شجاعت و بہادری کا کمال ہے۔

بھائیو! ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور حضور کے صدقہ میں ہم بھی بہادر ہیں۔ آج دنیائے کفر اگر مسلمانوں کو للکارےگی۔ تو انشاء اللہ ہم میدانِ جہاد میں مجاہدانہ و غازیانہ جوہر دکھا دیں گے۔ ہم اللہ کی راہ میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے لڑنا مرنا جانتے ہیں۔ مسلمان لڑائی میں پہل نہیں کرتا۔ مگر دشمن پہل کر دے۔ تو پھر پیٹھ بھی نہیں دکھاتا ہمارا مسلک تو یہ ہے۔ کہ

"کسی کو مت چھیڑو۔ اور اگر کوئی چھیڑے۔ تو مت چھوڑو"

ہم مجاہدوں کو یہ سبق پڑھایا گیا ہے۔ کہ ؎

پہلو میں ہو دل۔ دل میں ہو یقیں۔ سر پہ ہو کفن کف میں ہو سناں
جب جمع یہ اجزاء ہوتے ہیں۔ بنتا ہے قوام آزادی کا!

مسلمان کو اسلام کی بدولت مزے ہی مزے ہیں۔ اسے علم ہے۔ کہ میدانِ جہاد میں اگر بچ گیا۔ تو غازی۔ قتل ہو گیا تو شہید۔ گویا نہ کھائے تو روزہ۔ اور کھائے تو عید۔ اسے گھاٹا کسی طرف سے ہے ہی نہیں۔ مزے ہی مزے ہیں۔ اور کفر؟ کفر تو یہ بتاتا ہے۔ کہ مرگئے تو کسی دوسرے جنم میں خدا جانے کیا بن کے آجاؤ گے۔ ممکن ہے چوہے کتے۔ گدھے وغیرہ کی شکل میں آنا پڑے۔ اس لئے ایک کافر مرنے سے اس لئے بھی ڈرتا ہے۔ کہ مرگیا۔ تو خدا جانے کس شکل میں آؤنگا۔ اس لئے جتنی دیر انسان کی شکل میں رہوں۔ غنیمت ہے۔ مگر مسلمان جانتا ہے۔ کہ شہادت پاتے ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوگا۔ اپنے اللہ کا دیدار بھی ہوگا۔ پھر وہ مرنے سے کیوں ڈرے اور کیوں نہ یوں کہے۔ کہ ؎

مگر عشاق اپنی جان کی پروا نہیں کرتے
خدا سے ڈرنے والے موت سے ہرگز نہیں ڈرتے

اور ایک شاعر یوں کیوں نہ لکھے۔ کہ ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسّم برلبِ اوست

لطیفہ

مسلمان اللہ کے فضل سے بہادر ہے۔ اور کافر؟ کافر ایسا بہادر ہے۔ کہ ایک بھارتی سورما نیفا کے محاذ سے گھر واپس آیا۔ اور لگا ڈینگیں مارنے۔ کہ میں نے یہ کیا۔ اور وہ کیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے ایک چینی سپاہی کی ٹانگ کاٹ دی۔ لوگوں نے کہا۔ ٹانگ کیوں کاٹی تھی۔ سر کاٹا ہوتا۔ تو وہ بولا۔ سر اس کا پہلے ہی کٹا ہوا تھا۔ واہ کیا کہنے گویا مرے کو مار آئے۔

مسلمانو! اپنے جذبۂ جہاد کو زندہ رکھو۔ اور اپنے اللہ کی خاطر اور اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھانے کے لئے ہر وقت تیار رہو۔ اور خلافِ شریعت حرکات کو چھوڑ کر نمازی و غازی، مجاہد و عابد اور نیک واک بن جاؤ۔

حضرات! آپ سن چکے۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں دنیا والوں کے لئے زندگی کے ہر شعبہ کے لئے پیشوائی موجود ہے۔ اور ہمارے حضور میں زندگی کے ہر پہلو کے لئے نمونۂ کاملہ موجود ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اگر کوئی

مقدس جج صلی اللہ علیہ وسلم

جج حاضر ہو۔ اور عرض کرے۔ کہ اے پیشوائے کل! میں ایک جج ہوں۔ کیا میرے لئے بھی آپ کی ذاتِ گرامی میں کوئی نمونہ ہے؟ تو حضور فرمائیں گے۔ کہ ہاں ہاں!! ادھر آؤ۔ یہ میری ہی جناب ہے۔ جس میں کسی بات کی کمی نہیں۔ اور یہاں سے کوئی خالی اور نامراد نہیں لوٹتا۔ میری مقدس زندگی کا مطالعہ کرو۔ اور اپنے لئے بھی سامانِ رشد و ہدایت پالو۔ چنانچہ اے میرے بزرگو اور عزیزو!! ہمارے حضور صلی

اللہ علیہ وسلم ایک مقدس اور عدیم النظیر منصف و جج بھی ہیں۔ قدرت نے جہاں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اور بہت سی خصوصیتوں سے نوازا ہے۔ وہاں آپ کو عدل و انصاف اور قوتِ فیصلہ کا وہ بے نظیر ملکہ بھی عطا فرمایا ہے۔ کہ جس کی مثال کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔ جو مسائل بڑے بڑے دماغ حل نہ کر سکتے تھے۔ آپ معمولی باتوں ہی میں طے فرما لیتے تھے۔ سچ کہا ہے شاعر نے کہ ؎

جو نکتہ دروں سے حل نہ ہوا اور عقدہ کشوں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوت سے پیشتر ہی مکہ میں جج تسلیم کئے جا چکے تھے۔ قوم آپ کو امین و صادق کا لقب دے چکی تھی۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بات اور جو فیصلہ فرما دیں۔ حق ہی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ابوجہل جیسا ہمارے حضور کا دشمن بھی قبل از نبوت آپ کی خوبیوں کا معترف رہا۔ اور نبوت کے بعد بھی وہ آپ کی ذات سے پرخاش نہ رکھتا تھا۔ بلکہ حضور کی تعلیم اور آپ کے مشن کا مخالف تھا۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں اسی حقیقت کا اظہار ہے۔

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ "وہ تجھ کو تو نہیں جھٹلاتے۔ ہاں یہ ظالم آیاتِ الٰہی سے انکار کرتے ہیں"[1]

بہرحال حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت اور حضور کے عدل و انصاف کا ڈنکا مخالفین میں بھی بجتا رہا۔ اور اب بھی بج رہا ہے۔

حجرِ اسود

چنانچہ حضور کے عدل و انصاف کا ایک واقعہ سنئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے ۵ سال قبل بیت اللہ شریف کو آگ لگ گئی۔ جس سے وہ مسمار

[1] تفسیر حقانی ص۲۳۳ جلد ۲

ہو گیا۔

بھائیو! یہاں ایک اور بات بھی ضمناً سنتے چلئے۔ پچھلے دنوں لاہور کے طوفانِ باد میں حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی مسجد کے دو مینار گر گئے تھے۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے عرس شریف کا موقعہ تھا اس حادثے میں چند مسلمان شہید بھی ہو گئے۔ اس واقعہ پر منکرین اولیار کرام نے بڑی بڑی چہ میگوئیاں کیں۔ اور یہ بات کہتے ہوئے سنے گئے کہ دیکھا۔ اگر کسی ولی میں کوئی طاقت ہوتی۔ تو داتا کی مسجد کے مینار کیوں گرتے۔ اور یہ کہ عرس کی مجلس خدا کو پسند نہ آئی۔ اس لئے یہ حادثہ ہُوا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بھائیو! یہ باتیں کتنی مضحکہ خیز ہیں۔ اس عالم میں کیا کیا حادثے نہیں ہوتے۔ یہاں کسی مسجد کا گر جانا اور کسی سینما ہال کا برقرار رہنا کسی صداقت کا معیار ہی کب ہے؟ کوئٹہ کے بڑے زلزلے میں مَیں نے خود دیکھا تھا۔ کہ جامع مسجد شہید ہو گئی تھی —— اور سینما ہال بدستور قائم رہا تھا۔

میدانِ کربلا میں حضرت امام مظلوم رضی اللہ عنہ نے جو شہادت کا جام نوش فرما لیا تھا۔ اور یزید بدستور تخت نشین تھا۔ ابھی پچھلے دنوں بھارت کی ایک جامع مسجد کے گرنے اور نمازیوں کی شہادت کی خبر آئی ہے۔ ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی کی ایک مسجد کے مینار کے گرنے کی بھی اطلاع آئی تھی۔ تو کیا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالےٰ میں جس کی یہ مسجدیں ہیں۔ معاذ اللہ کوئی طاقت نہیں ہے؟ اور یہ کہ جو نمازی نماز پڑھنے کے لئے آئے اور شہید ہو گئے۔ اللہ کو ان کا یہ فعل نماز پسند نہ تھا۔ اس لئے وہ اس حادثہ کا شکار ہو گئے؟ معاذ اللہ! یہ بات ہرگز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں لاکھوں حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ اور اس عالم کون و فساد میں سبھی کچھ ہوتا ہے۔ سب سے بڑی یہی بات دیکھ لیجئے۔ کہ اللہ کے گھر کعبہ شریف کو آگ لگ گئی۔ اور وہ مسمار ہو گیا۔ تو اب اگر کوئی منکرِ اسلام

اللہ کے گھر اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتراض کرنے لگے۔ تو اس کا کیا جواب ہے؟ بھائیو! جو لوگ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ پر اعتراض کرتے ہیں۔ ان کو اتنا ہی جواب کافی ہے۔ کہ دیکھ لو اتنے بڑے طوفان میں داتا کا مزار تو بدستور ویسے ہی کھڑا رہا۔ گرے ہیں تو اللہ کے گھر کے مینار۔ پھر داتا پر اعتراض کیسا۔ اعتراض کرنا ہے تو اللہ پر کرو۔

داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی کرامت

اور بھائیو! حق تو یہ ہے۔ اگر کوئی اہل حق ہے تو مانے گا۔ کہ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے اس عرس شریف میں پبلک کی حاضری بےحد کم رہی۔ جنہوں نے کوہستان میں لاہور کی ڈائری کے زیر عنوان اس عرس شریف کی روئداد پڑھی ہے۔ انہیں علم ہے۔ کہ نامہ نگار نے بےحد تعجب کا اظہار کیا تھا۔ کہ حضرت داتا صاحب کے عرس شریف میں ہر سال جس قدر ہجوم و اجتماع ہوتا تھا۔ اس دفعہ اُس کا دسواں حصہ بھی ہجوم نہ تھا۔ نامہ نگار نے لکھا تھا۔ کہ موری دروازے سے لے کر حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کے دربار شریف تک اتنا ہجوم ہُوا کرتا تھا۔ کہ راہ چلنی دشوار ہو جایا کرتی تھی مگر اس دفعہ اس قدر کم رونق تھی۔ کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ کہ یہاں کوئی تقریب ہے۔ اور حضرت داتا صاحب کا عرس ہے۔ اسی طرح عرس شریف میں شرکت کرنے والوں کا بھی بیان تھا۔ . . . .

. . . . کہ اس دفعہ عرس شریف میں غیر معمولی طور پر حاضری کم رہی اور کسی کو اس کی وجہ معلوم نہ ہوئی تاآنکہ جب طوفان آیا۔ اور مسجد کے مینار گرے۔ تو پھر لوگوں کو پتہ چلا۔ کہ حاضری کا کم ہونا یہ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ کی کرامت تھی۔ کہ زیادہ ہجوم ہونے ہی نہیں دیا۔ تاکہ اس حادثہ میں زیادہ نقصان نہ ہو۔

لطیفہ یہاں ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ کسی مسجد میں ایک نمازی بعد

از نماز وظیفہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" پڑھ رہا تھا۔ ساتھ ایک صاحب بیٹھے تھے۔ انہیں اس بات پر خواہ مخواہ کا غصہ آ گیا۔ اور ایک چیونٹے کو جو بدقسمتی سے اس کے پاس سے گزر رہا تھا۔ پکڑ کر اس کی ایک ٹانگ توڑ دی۔ اور وظیفہ خواں سے کہنے لگا۔ لو اگر تمہارے عبدالقادر میں کوئی طاقت ہے۔ تو اس سے کہو۔ کہ اس کی ٹانگ جوڑ دے۔ اس نے چیونٹے کو پکڑ کر اس کا سر اتار دیا۔ اور کہا لو تم اللہ سے کہو کہ اس کا سر جوڑ دے۔ تم سر جڑوا لاؤ۔ میں ٹانگ جڑوا دونگا۔

سمجھے کچھ آپ؟ بات یہ ہے۔ کہ اس عالم کون و فساد میں سب کچھ ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور انہیں جو کمالات بھی حاصل ہیں۔ وہ اللہ ہی کی عطا ہے۔ اور وہ اپنے اللہ کی مرضی پر راضی رہتے ہیں۔ اور اللہ کے ہر کام میں صدہا حکمتوں کو مضمر جانتے ہیں۔ اسی قسم کا وہ اعتراض بھی ہے۔ کہ صاحب! ان بزرگوں میں اگر کوئی طاقت تھی۔ تو مشرقی پنجاب میں جہاں بڑے بڑے بزرگوں کے مزار ہیں۔ انہوں نے اس انقلاب کو کیوں نہ روکا۔ کیوں بھائیو! مشرقی پنجاب میں تو بڑی بڑی مسجدیں بھی تھیں۔ دہلی میں شاہی مسجد بھی تھی۔ پھر اگر کوئی غیر مسلم یوں کہے۔ کہ یہ اگر اللہ کے گھر تھے۔ تو جس خدا نے بیت اللہ کو بچانے کے لئے ابرہہ بادشاہ پر ابابیلوں کا لشکر بھیج کر انہیں تباہ کر دیا تھا۔ اس اللہ نے یہاں کیوں اس انقلاب کو نہ روکا؟ تو جو جواب اس کا وہی ہمارا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ بیت اللہ شریف کو آگ لگ گئی اور وہ مسمار ہو گیا۔ مکہ والوں نے اس گھر کو از سرِ نو بنانا چاہا۔ اور جب وہ اس کی تعمیر کر چکے۔ اور حجرِ اسود کو نصب کرنے کا موقع آیا۔ تو یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ حجرِ اسود کو اٹھا کر اپنی جگہ پر نصب کرنے کے شرف سے کون مشرف ہو؟ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ اس شرف سے میں مشرف ہوں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک فردِ اس بات

پر زور دینے لگا۔ کہ حجر اسود کو میں اٹھاؤں گا۔ اور میں ہی اسے نصب کروں گا۔ اس متبرک خدمت کو سرانجام دینے کے لئے ہر ایک بڑھ بڑھ کر بات کرنے لگا۔ اور کوئی اس خدمت کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ ہر شخص نے یہاں تک کہہ دیا۔ کہ اس حجر اسود کو میرے سوا اگر کسی دوسرے نے اٹھایا اور ہاتھ بھی لگایا۔ تو اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ اس جھگڑے نے پھر یہاں تک طول پکڑ لیا۔ کہ تمام قبیلے بگڑ گئے۔ اور ایک دوسرے کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔

میرے بھائیو! عرب کی جہالت اور بات بات پر ان کے لڑنے جھگڑنے اور مر مٹنے کی تاریخ کسے یاد نہیں۔ غور فرمائیے کہ یہ کتنا نازک موقعہ پیدا ہو گیا تھا۔ قریب تھا۔ کہ جنگ شروع ہو جاتی۔ اور حرم شریف میں خون کی ندیاں بہ جاتیں۔ مگر پڑھیے درود شریف اپنے آقا و مولےٰ پر۔

الصّلوٰۃ والسّلام علیکَ یا رسُول اللہ

الصّلوٰۃ والسّلام علیکَ یا رسُول اللہ

کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عدالت یہاں کام آئی۔ اور ایک عظیم فتنہ کا سدّ باب حضور کی مقدس دانائی سے ہُوا۔ مدبرین نے ہزار چاہا کہ یہ معاملہ کسی طرح نپٹ جائے۔ اور تمام قبائل کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں۔ اس لئے کہ حجرِ اسود ایک تھا۔ اور اس کے اٹھانے کے متمنی کئی ایک۔ بالآخر سب نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا۔ اور فیصلہ یہ ہُوا۔ کہ جو فیصلہ مُحمّد امین و صادق و عادل (صلے اللہ علیہ وسلم) کر دیں۔ وہ ہم سب کو منظور ہوگا۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر یہ ارشاد فرمایا:۔

"کہ میں جو کچھ فیصلہ فرما دوں۔ وہ تم
سب کو منظور ہوگا"؟

ان سب نے کہا۔ کہ ہاں منظور ہوگا۔ حضور نے ان سب قبیلوں میں سے ایک ایک نمائندہ منتخب فرمایا۔ اور ایک مضبوط چادر بچھا کر فرمایا۔ کہ حجر اسود کو اٹھا کر اس چادر میں رکھنے کے لئے تم سب مجھے وکیل بنا کر اجازت دو۔ کہ یہ حجرِ اسود میں اٹھا کر اس چادر میں رکھ دوں۔ پھر تم سب نمائندے مل کر اس چادر کے کونے پکڑ کر اٹھا لو۔ اور اُسے اُس کی اصل جگہ پر رکھ دو۔ سب نے اس فیصلہ پر اظہار اطمینان کیا۔ اور حضور سے کہا۔ کہ اچھا آپ ہم سب کی طرف سے حجرِ اسود اس چادر میں رکھ دیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھ دیا۔ پھر سب نے مل کر چادر کے کونے پکڑ کر اُسے اٹھا لیا۔ اور اس کی اصل جگہ پر اٹھا کر رکھ دیا۔ اور ان کے کہنے سے پھر حضور ہی نے حجر اسود اپنی جگہ پر نصب کر دیا۔ اس فیصلہ سے تمام لوگ خوش ہو گئے۔ اور جھگڑا وہیں ختم ہو گیا۔ پڑھیئے اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر

پھر ایک مرتبہ درود شریف

صلے اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ
صلے اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ

شاعر لکھتا ہے۔ یا رسول اللہ! ؎

جہاں سے نقش خودی کے مٹا دیئے تو نے
چراغِ مجلس عرفاں جلا دیئے تو نے
وہ سر کہ جن میں بھری تھی ہوائے کبر و غرور
خدا کے سامنے لا کر جھکا دیئے تو نے
تری نگاہ کے قرباں کہ مل گئی تسکین

ترے نثار کہ روتے ہنسا دیئے تو نے

بھائیو! غور تو کرو۔ اس قسم کا بہترین فیصلہ بجز ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے کہیں اور نظر آتا ہے؟ نہیں نہیں یہ اُسی ذات بابرکات (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کمال ہے۔ جس کے متعلق خدا تعالےٰ نے

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

فرمایا ہے۔ آج دنیا بھر کے جج اور منصف ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں اپنے لئے نمونہ دیکھ رہے ہیں۔

جج کے اوصاف

بھائیو! ہر منصف و عادل اور جج کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ذاتی اغراض سے بے نیاز ہو۔ فریقین سے حسن سلوک کا برتاؤ کرے۔ اور کسی کی ناجائز طرفداری نہ کرے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم میں مذکورہ بالا اور جملہ وہ اوصاف جو ایک عادل میں ہونے لازمی ہیں۔ موجود نظر آتے ہیں۔ بلکہ حضور کچھ اس شان سے نظر آتے ہیں۔ کہ آپ کی سیرت آپ کے عدل و انصاف اور آپ کے فیصلوں کو دیکھ دیکھ کر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں جج ہو گئے۔ اور آج تاریخ اسلام اس پر نازاں ہے۔ کہ عدل و انصاف کے جو نمونے ہمارے ججوں نے پیش کئے ہیں۔ اس مہذب دنیا کا کوئی اور جج ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکا۔ اور نہ ہی قیامت تک کر سکے گا۔

فاطمہ بنت الاسود

چنانچہ ایک اور واقعہ سنئے۔ ایک دفعہ قریش میں سے ایک عورت فاطمہ بنت الاسود چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ ثبوت مل جانے پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ چونکہ وہ عورت قریش میں سے تھی۔ اور معزز شمار کی جاتی تھی۔ اس لئے اس کا ہاتھ کٹ جانا اس کے متعلقین کے لئے باعثِ عار تھا۔

اس بنا پر ان لوگوں نے یہ کوشش شروع کی۔ کہ کسی طرح حضور صلے اللہ علیہ و سلم اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کو معاف فرما دیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت اسامہ کو اس کام کے لئے مامور کرکے حضور کے پاس سفارشی بنا کر بھیجا۔ اسامہ نے جب حضور سے یہ درخواست کی کہ اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ تو حضور صلے اللہ علیہ و سلم جلال میں آ گئے۔ اور فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ (رضی اللہ عنہا) بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا (زاد المعاد ج۲ ص۲۸۵)

مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی۔ تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

سبحان اللہ! کیا شانِ عدل ہے۔ کہ قانون کے معاملہ میں اپنے بیگانے کی کوئی تمیز نہیں۔ کیا ایسا عدل و انصاف، اور ایسی مساوات کوئی دوسرا قانون یا کوئی دوسرا جج بھی پیش کر سکتا ہے؟

ہاں یہی وہ انصاف ہے۔ جس کی تعلیم ہمیں حضور نے دی۔ اور اس قسم کا انصاف ہمیں قانونِ محمدی صلے اللہ علیہ و سلم ہی میں مل سکتا ہے۔ اور آج اس دنیائے جور و استبداد میں بیکسوں اور مظلوموں کو اگر پناہ مل سکتی ہے تو دامنِ مصطفٰے ہی میں مل سکتی ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مسلمانو! تم اِدھر اُدھر کیوں بھٹکتے ہو۔ آؤ اور اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں آ جاؤ۔ کہ یہیں سکھ اور راحت پاؤ گے۔ ؎

بجھا دو خرافات کی مشعلوں کو

حرم کا چراغ از سرِ نو جلاؤ
محمد کے جھنڈے کے سایہ کے نیچے
فلک کے ستائے ہوئے سر چھپاؤ

چور کی سزا

میرے بھائیو! ہمارے دین اسلام کے قانون میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ اور نئی تہذیب میں چور کو جیل میں بھیج کر کسی فن کا کاریگر بنا کر تیار کرنا ہے۔ اب آپ خود ہی سوچ لیں۔ کہ چور کو جب ہاتھ کٹ جانے کی فکر نہ ہوگی۔ تو وہ بے فکری میں کیا کچھ نہ کرے گا۔ اور اگر اسے یہ فکر و اندیشہ لاحق رہے۔ کہ اگر میں پکڑا گیا۔ تو ہاتھ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ چوری سے باز رہے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جہاں مجرموں کی سزا شرع کے مطابق ہے۔ وہاں جرم شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ اور جہاں شرع کا قانون نافذ نہیں وہاں ایک ایک منٹ میں سینکڑوں جرم سرزد ہوتے ہیں۔ چنانچہ آجکل کی مہذب دنیا کے مرکز یورپ کو دیکھ لیجئے۔ جہاں دن رات ڈکیتیوں۔ چوریوں۔ اور لوٹ مار کی بھرمار رہتی ہے۔ اور مجرم قانون کی لچک سے فائدہ اٹھا کر اپنی من مانی کارروائیاں کرتے پھرتے ہیں۔ اور اپنے وکلاء کی موشگافیوں کی بدولت اپنے جرموں کی سزاؤں سے بھی بچے رہتے ہیں۔

انگریزی قانون کی لچک

بھائیو! انسان کا بنایا ہوا قانون ہمہ گیر اور جامع ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان کے بنائے ہوئے قانون میں ایک انسان ہی سینکڑوں سقم نکال سکتا ہے۔ اور اسی لئے انسانی قانون ہر روز ترمیم کا شکار رہتا ہے۔

لطیفہ

چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں میں ایک مرتبہ رائے پور سی پی گیا۔

اور تقریروں کے سلسلہ میں میرا وہاں ایک مہینہ قیام رہا۔ سی۔پی میں مسلمانوں کی آبادی ۳ فی صدی تھی۔ وہاں ان دنوں سی۔پی کی اسمبلی میں ہندوؤں نے ایک بل منظور کرا کے یہ قانون بنوا لیا۔ کہ کوئی مسلمان گائے ذبح نہیں کر سکتا۔ یعنی گائے کا ذبح کرنا قانونی جرم قرار دے دیا گیا۔ مجھے یاد ہے۔ کہ وہاں کے ایک قانون کے ماہر مسلمان بیرسٹر کے مشورہ سے مسلمان قصابوں نے بیل (نر) ذبح کرنے شروع کر دئے۔ اور معاملہ عدالت میں پہنچنے پر اسی بیرسٹر نے قانونی لچک سے یوں فائدہ اٹھایا۔ اور بیان دیا۔ کہ قانون میں گائے (مادہ) کا ذبح کرنا جرم ہے۔ نہ کہ بیل (نر) کا۔ آخر اس قانون میں ترمیم کرنا پڑی۔ کہ گائے ہو یا بیل یعنی نر اور مادہ دونوں کا ذبح کرنا جرم ہے۔ دیکھا آپ نے یہ ہے۔ انسانی قانون۔ اور خدا کا قانون! ؎

برسوں فلاسفوں میں چناں وچنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

نئی تہذیب کے دلدادہ

بھائیو! اس حقیقت کے باوجود آج نئی تہذیب کے دلدادہ خدائی قانون کی خوبیوں کا تو اعتراف کرتے نہیں۔ اور اپنے خام و سقیم یورپین قانون ہی پر نازاں ہیں۔ حالانکہ انسانی قانون کی بدولت دنیائے انسانیت سخت حیران و پریشان ہے۔

بھائیو! اللہ سے ڈرو۔ اور خدائی قانون کے آگے جھک جاؤ۔ مانا کہ آج سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے۔ مگر کچھ بھی ہو۔ خدا تعالےٰ سے تو بے نیازی ہو ہی نہیں سکتی۔ اپنی موجودہ ترقی پر ناز کر کے خدا کو فراموش کر دینا بعید حماقت ہے۔ بلکہ موجب ہلاکت ہے۔

ایک فلسفی کی حکایت

چنانچہ مثنوی شریف میں مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے ایک فلسفی کی حکایت درج کی ہے۔ جو

اپنے فلسفہ کے گھمنڈ میں قرآن پاک کا مضحکہ اڑاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ قرآن پاک کا درس ہو رہا تھا۔ اور آیۂ مبارکہ تلاوت کی جا رہی تھی۔

اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَاءٍ مَّعِیْنٍ۔

اگر تمہارا پانی زمین کی پستی کی طرف چلا جائے۔ تو کون ہے۔ جو تمہارے لئے ایسا صاف و شفاف اور پاک و طاہر پانی لا سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر ہم چشمے خشک کر دیں اور پانی زمین کی تہ میں چھپا دیں۔ تو کون ہے جو پانی لا سکے۔ ایک منطقی و فلسفی اس وقت درس گاہ کی طرف سے گزر رہا تھا۔ اس نے سنا تو بآواز بلند پکار کر کہا ؎

ما بہ زخم بیل وتیزیٔ تبر
آب را آریم از پستی زبر

اگر پانی کا چشمہ خشک ہو جائے۔ تو ہم پھاوڑوں اور بیل یعنی گینتی اور تبر کے زور اور ضرب وتیزی سے زمین کھود کر پانی نکال لینگے۔ یہ بات ہی کیا ہے۔ ہمارا منطق و فلسفہ ہماری عقل اور ہماری سائنس ہمارے رہبر ہیں۔ پھر ہمیں رکاوٹ ہی کیا ہے جب شام کی تاریکی نے دن کی روشنی پر غلبہ پایا۔ اور رات آئی اور فلسفی لا مذہب بھی حسب سویا۔ تو اس نے خواب میں ایک پیر مرد کو دیکھا۔ اس پیر مرد نے کیا کیا؟ اور کیا کہا؟ اس واقعہ کو حضرت مولانا اپنی زبان فیض ترجمان میں مختصر طور پر فرماتے ہیں۔ ؎

شب بخفت و دید او یک پیر مرد
زد طمانچہ ہر دو چشمش کور کرد
گفت زیں دو چشمۂ چشم اے شقی
با تبر نورے بر آر ار صادقی

اس بزرگ مرد نے ایک طمانچہ مار کر اس فلسفی کی دونوں

آنکھیں اندھی کر دیں۔ اور کہا۔ اے شقی اگر تو اپنے قول میں سچا ہے۔ اور اگر تجھ کو اپنے فلسفہ اور منطق پر ایسا ہی ناز ہے۔ کہ تو خدا کی قدرت کو بھلا بیٹھا ہے۔ اور اس کے کلام پاک کا منہ چڑاتا ہے۔ تو اپنی آنکھوں کے دونوں چشموں سے تو نور کو پیدا کر ذرا تیر تو لا۔ کہاں ہے وہ گیتی اور کہاں ہیں وہ پاؤڈرے۔ نکال اور ان سے چشموں کو کھول۔ اور پانی کا ایک قطرہ تو نکال۔

جب دن نکلا۔ اور وہ فلسفی خواب سے بیدار ہوا تو اس نے دیکھا۔ کہ اس کی دونوں آنکھیں بے نور ہیں۔ اس کی چشم بصارت گم ہو گئی ہے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ مگر کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کل تک جن آنکھوں سے دنیا کی ہر شے دیکھتا تھا۔ آج وہی آنکھیں اپنی بینائی کھو چکی ہیں۔ اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔

عمر خیام کا قصہ یہاں عمر خیام کا ایک قصہ یاد آگیا۔ مشہور ہے۔ کہ عمر خیام نے نشہ کی حالت میں ایک مرتبہ یہ رباعی کہی۔

ابریقِ مے مرا شکستی ربی
بر من درِ عیش را بہ بستی ربی
بر خاک بریختی مئے نابِ مرا
خاکم بدہن مگر تو مستی ربی

رباعی کے کہتے ہی عمر خیام کے تمام چہرہ کا رنگ سیاہ ہو گیا اور محفل کے جلیس اور انیس سب کے سب چلتے پھرتے نظر آئے۔ یعنی رباعی کے کہنے پر خیام کے چہرہ کو مسخ دیکھ کر عتاب الٰہی سے خوفزدہ ہو کر محفل میں خیام کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور خیام نے اس امر کو محسوس کر کے خادم سے آئینہ منگوایا۔ اور آئینہ میں اپنی شکل کو دگرگوں دیکھا۔ تو نہایت عجز و الحاح سے

بارگاہِ ایزدی میں اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ اس ذات پاک کے حضور میں جو اپنی رحمت کے بہا دینے کے لئے صرف کسی بہانہ کی متلاشی رہتی ہے۔ اسی حال میں عرض کیا۔ ؎

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو
آں کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافاتم دہی
پس فرقِ میانِ من و تو چیست بگو

اس رباعی کے کہنے سے خیام کی صورت پھر اصلی حالت پر آگئی۔ اور اس نے خداوند کریم کا شکر ادا کیا۔

لیکن یہ بے ادب منطقی و فلسفی توبہ کی نعمت سے بھی محروم رہا۔ جیسا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

گر بنالیدے و مستغفر شدے
نور رفتہ از کرم ظاہر شدے
لیک استغفار ہم در دست نیست
ذوقِ توبہ نقلِ ہر سر مست نیست

اگر وہ منطقی و فلسفی ہوتا۔ اور توبہ کرتا۔ تو اللہ تعالےٰ جو رحیم و کریم ہے۔ اپنے فضل و کرم سے اس کا گناہ معاف فرما دیتا۔ اور نور رفتہ پھر اسے واپس کر دیتا۔ لیکن وہ بد نصیب توبہ کس طرح کرتا۔ اور توبہ کی لذت سے کس طرح آشنا ہوتا۔ کیونکہ اس کو تو خدا پر یقین ہی نہ تھا۔

وہ تو ایک لامذہب منطقی و فلسفی تھا جو آیات الٰہیہ کے ساتھ استہزار کرتا تھا۔ مگر آج ہم اس چودھویں صدی میں دیکھتے ہیں۔ کہ خود مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانے کا مدعی ہے۔ اور اسلام کا علمبردار کہلاتا ہے۔ کبھی تو آیات الٰہیہ میں تحریف کا مجرم ہے۔ اور کبھی آیات الٰہیہ کو

سن کر استہزاء کرتا ہے۔ اور کہیں اسی لا مذہب فلسفی کی طرح اپنی عقل کو کلام الٰہیہ پر ترجیح دیتا ہے۔ "العیاذ باللہ"

کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ اپنی انہیں بد اعمالیوں کے سبب آج مسلمان گرانی۔ کساد بازاری۔ بیماری اور دیگر بلا ہائے ناگہانی میں گھرا ہوا ہے۔ خیر و برکت مفقود ہو چکی ہے۔ آخر یہ سب کیوں؟ محض اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے۔ کاش! مسلمان صحیح معنوں میں اپنے مقام کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اور اسلام کے پیش کردہ ضابطۂ حیات کو اپنے لئے لازم کر لے۔ اور اپنے گناہوں پر نادم ہوکر توبہ کرے۔ تو وہ ذات رحیم و کریم جو ہر وقت رحمتوں کے دریا بہا دینے کے لئے صرف بہانہ کی متلاشی ہے۔ یقیناً رحم و کرم فرمائے گی۔ اور مسلمان پھر اپنی کھوئی ہوئی عظمت و سربلندی کو واپس پا لیگا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اپنے اندر پیشوائی اور نمونہ رکھتی ہے۔ اور جہاں آپ سلطانوں اور سپہ سالاروں کے لئے پیشوائے کامل ہیں۔ وہاں آپ منصفوں اور ججوں کے لئے بھی پیشوا ہیں۔ اور آپ کی ذاتِ گرامی ہی ججوں کے لئے بھی بہترین نمونہ موجود ہے۔ اور بجا طور پر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ؎

کس چیز کی کمی ہے آقا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبےٰ تری گلی میں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پینتیسواں وعظ

صحبتِ صالحین

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (پ ۲۱ ع ۱۱)

"اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع کرے"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے "صحبتِ صالحین"۔ یعنی اللہ کے مقبول اور صالح بندوں کی معیت و صحبت کی برکات اور اس کے فوائد کا مجھے بیان کرنا ہے۔ بھائیو! آجکل ہمارا معاشرہ

جسقدر گندہ ہو چکا ہے۔ اور جو برائیاں ہم میں پیدا ہو چکی ہیں۔ اس کی تفصیل کی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ موجودہ دور میں جو جو کچھ ہو رہا ہے۔ سب کے سامنے ہے۔

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو!! قرآن پاک کا ایک ارشاد میں نے آپ کے سامنے پڑھا ہے اور اس کا ترجمہ بھی آپ کو سنا دیا ہے کہ " اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا" یعنی جو شخص اللہ تعالٰے کی طرف مائل اور اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ ہمیں اس مقبول بندے کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اس کی راہ چلو۔ کیونکہ وہی ایسی راہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچانے والی ہے۔ بھائیو! ہر ایک کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ میں ایسی راہ چلوں جو آسان ہو۔ خطرات سے خالی ہو اور منزل تک بآسانی پہنچا دینے والی ہو۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ دین میں وہ کون سی ایسی راہ ہے جو ان خوبیوں کی حامل ہے۔ تو اس آیت شریفہ نے ہمیں بتا دیا کہ وہ راہ ان نیک لوگوں کی راہ ہے جو اللہ کی طرف مائل ہیں۔ سورہ فاتحہ میں بھی اس امر کی تلقین ہے کہ اپنے اللہ سے یہ دعا مانگو۔

صراطِ مستقیم

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ط

یعنی اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا۔ ان لوگوں کی راہ چلا، جن پر تیرا انعام و احسان ہوا، نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا اور جو بھٹکے ہوئے ہیں "

دیکھئے صراطِ مستقیم کی تعریف قرآن نے یہ کی ہے کہ جو اللہ کے انعام یافتہ یعنی نیک اور صالح لوگوں کی راہ ہے۔ وہی صراطِ مستقیم ہے۔ مقامِ غور ہے کہ خدا تعالٰے نے یہ تلقین نہیں فرمائی کہ یوں دعا مانگو کہ ہمیں سیدھی راہ چلا جو راہ قرآن کی راہ ہے یا جو حدیث کی راہ ہے۔ نہیں۔ یوں فرمایا۔ کہ یوں کہو کہ وہ راہ جو تیرے انعام یافتہ

بندوں کی راہ ہے۔

حضرات! سمجھے آپ اس حکمت کو؟ کہ خدا نے قرآن و حدیث کی راہ کیوں نہیں فرمایا؟ اور نیک بندوں کی راہ کیوں فرمایا؟ بھائیو! بات یہ ہے۔ کہ خدا کے علم میں یہ بات تھی۔ کہ کئی لوگ قرآن و حدیث کے نام سے غلط راستے بھی تجویز کر لیں گے۔ کوئی قرآن کا لبادہ اوڑھ کر الحاد پھیلانے لگے گا اور اس الحاد کا نام "قرآن کی راہ" رکھے گا اور کوئی حدیث کے نام سے ائمہ کرام اور بزرگانِ دین کے خلاف کہنے لگے گا۔ اور اس کا نام حدیث کی راہ رکھے گا۔ چنانچہ دیکھ لیجئے۔ جتنے بھی نئے نئے خیالات کے علمبردار نظر آتے ہیں وہ اپنے اپنے خیالاتِ فاسدہ و عقائدِ باطلہ کا ثبوت قرآن و حدیث ہی سے دینے کے مدعی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ قرآن ہے تو سراپا رشد و ہدایت، اور ہدایت کا منبع و مخزن، اور اسی طرح حدیث بھی۔ مگر قرآن ہی نے یہ بھی بتا دیا کہ وَ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا۔ یعنی کئی لوگ قرآن میں خدا کا ارشاد پڑھ کر گمراہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ قرآن پاک کا ہر پڑھنے والا ضروری نہیں کہ سچا ہی ہو۔ بلکہ بعض قاری ایسے بھی ہوتے ہیں جو قرآن پڑھ کر بھی گمراہ ہو جاتے ہیں اور یہ قصور ان کا اپنا ہے۔

مثال دیکھئے۔ خالص گھی ہوتا تو بڑا مفید اور مقوی ہے۔ مگر اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے معدہ کا درست ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی کمزور معدہ رکھنے والا مریض خالص گھی استعمال کرنے لگے۔ تو اسے بجائے فائدہ کے نقصان پہنچتا ہے۔ تو یہ گھی کا قصور نہیں مریض کا معدہ ہی اس قابل نہیں کہ خالص گھی سے مستفید ہو سکے۔ کونین کی ٹکیہ بخار اتار دیتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ جب بخار اترا ہوا ہو۔ تو اس وقت کھائی جائے۔ اور اگر بخار کے ہوتے ہوئے کھائیے گا۔ تو بخار دگنا ہو جائے گا۔ میرے بھائیو! اسی طرح قرآن پاک

کے رشد و ہدایت سے مستفید ہونے کے لئے ضروری ہے کہ طبیعت اعتدال پہ ہو اور مزاج صحیح ہو۔ اور اگر "فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ" کے مطابق دل مریض ہو۔ تو "فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا" کے مطابق مرض اور بھی بڑھے گا۔ اور یہ قصور اپنا ہے۔ قرآن پاک کا نہیں۔

امامت حضرات یہاں ایک اور بات بھی سمجھ لیجئے۔ نماز با جماعت پڑھنے کے لئے امام ایسا ہونا چاہئیے۔ جو دل کا مریض نہ ہو۔ یعنی جس کا دل نور ایمان سے منور ہو۔ قرآن پڑھے تو ایسا نہ ہو کہ ان پڑھنے والوں میں سے ہو۔ جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ

لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ (مشکوٰۃ شریف ۱۸۳)

یعنی قرآن پڑھیں گے۔ مگر وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہ اترے گا۔"

بعض حضرات بڑی سادگی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ صاحب! آگے کوئی بھی ہو۔ ہمیں کیا؟ ہم تو قرآن کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ بھائیو! اگر یہی بات ہے تو مصلیٰ پر گراموفون رکھ کر اس پر ایک ایسا ریکارڈ لگا دیا جائے۔ جس میں قرآن بھرا ہؤا ہو۔ تو کیا اس طرح بھی قرآن کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے گی؟ یقیناً اس طرح کوئی بھی نماز پڑھنے پر تیار نہ ہوگا۔ مگر کیوں؟ کیا آگے قرآن نہیں پڑھا جا رہا؟ معلوم ہؤا کہ صرف قرآن کا پڑھا جانا ہی نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ قرآن پڑھنے والے کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہ کیا ہے اور کون ہے؟ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آریوں کا ایک مبلغ رامچندر نامی تھا۔ جو مسلمانوں سے مناظرے کیا کرتا تھا۔ اسے قرآن پاک کی اکثر آیات زبانی یاد تھیں۔ اور اپنے مناظروں میں وہ قرآن پاک پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ تو فرمائیے کیا یہاں بھی وہی اصول برتا جائے گا اور قرآن پڑھتا دیکھ کر اسے بھی سچا سمجھ لیا جائے گا؟ بھائیو! امامت ایک بڑا

اہم مسئلہ ہے۔ امام کے لئے صحیح العقیدہ اور عالم و عامل ہونا ضروری ہے

قبلہ کی طرف تھوکنے والا

حضرات! ایک حدیث پاک سنیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا جو ایک قوم کا امام تھا۔ اس نے ایک مرتبہ قبلہ کی طرف منہ کرکے تھوک دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوم سے فرمایا کہ آئندہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔ چنانچہ اس کے بعد پھر جو وہ امامت کرانے لگا۔ تو قوم نے اسے امامت سے روک دیا اور بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ تمہارے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اس نے یہ بات سنی۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پوچھا۔ کہ حضور! کیا واقعی آپ نے میرے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ ہاں!

اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۷۱)

تو نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔

یعنی قبلہ کی طرف منہ کرکے تم نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دی ہے۔ اس لئے میں نے تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے روک دیا ہے۔ بھائیو! غور کرلو۔ کہ آجکل جسے ایک معمولی بات سمجھا جاتا ہے۔ اسی کی بنا پر حضور نے ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا ارشاد فرما دیا۔ حالانکہ اس نے جان بوجھ کر ایسا نہ کیا تھا۔ مگر حکم یہی ہوا کہ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ بھائیو! پھر آج اگر کوئی شخص بدعقیدہ ہو یا بدعمل ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی کیسے درست ہوسکتی ہے۔

پلید کپڑا

لیجئے۔ موٹی سی ایک بات پیش کرتا ہوں۔ سب جانتے ہیں کہ امام صاحب کے اگر کپڑے ناپاک ہوں۔ تو وہ چاہے سارا قرآن بھی پڑھ ڈالے تو بھی اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ کیوں نہ ہوگی؟ صرف اس لئے کہ امام کے کپڑے ناپاک ہیں۔ اور کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ بھائیو! اور اگر امام کا دل ہی

پلید ہو اور بدعقیدگی کی نجاست سے ملوّث۔ تو انصاف سے کہنا۔ کہ اس کے پیچھے نماز کیسے ہوسکتی ہے؟ افسوس کہ بعض حضرات نے نماز کو بڑا ہی معمولی کام سمجھ رکھا ہے اور وہ نماز کے آداب امامت کے فرائض اور جماعت کے مسائل کو نہ سیکھتے ہیں اور نہ ہی اس کی کچھ پروا کرتے ہیں۔

ہاں تو بھائیو! میں کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں اللہ کے نیک بندوں کی راہ پر چلنے کی دعا کا ارشاد فرمایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دعا یوں مانگو کہ اے اللہ! ہمیں قرآن و حدیث کی راہ پر چلانا۔ اور یہ اس لئے کہ قرآن و حدیث کے نام سے بہت سے لوگوں نے غلط راہیں بھی نکال رکھی ہیں۔ ہاں جو اللہ تعالےٰ کے نیک بندے ہیں ان کی جو راہ ہے وہی دراصل قرآن و حدیث کی صحیح راہ ہے لہٰذا ہمیں دعا یہی مانگنا چاہیئے۔ کہ اے اللہ ہمیں اس راہ پر چلا جو راہ تیرے نیک بندوں کی راہ ہے۔ کیوں وہی راہ قرآن و حدیث کی راہ ہے۔

سوادِ اعظم

میرے بھائیو! جس راہ پر ٹریفک عام ہو اور جس سڑک پر بڑی بڑی بسیں اور بڑے بڑے لوگوں کی کاریں، موٹریں، سائیکل اور تانگے آتے جاتے نظر آئیں۔ سیدھی راہ وہی ہے اور بے خطر بھی ہے اور جو راہ ایسی ہو کہ جس پر ٹریفک عام نہیں۔ کوئی موٹر کوئی بس، کوئی کار اس پر چلتی نظر نہ آئے۔ ہاں کبھی کبھی کوئی شخص بھولا بھٹکا اس پر چلتا نظر آجائے۔ تو عقلِ سلیم کا یہی فتویٰ ہے کہ یہ راہ سیدھی راہ نہیں۔ اور خطرات سے خالی بھی نہیں۔

میرے بھائیو! خدا تعالیٰ نے ہمیں جو یہ تلقین فرمائی ہے کہ اس راہ پر چلنے کی دعا مانگو۔ جو راہ اللہ کے مقبول بندوں کی ہے۔ تو اس کا فلسفہ یہی ہے کہ یہی وہ راہ عظیم اور صراط مستقیم ہے۔ جس

پر صحابہ کرام، بڑے بڑے اولیاء، غوث، قطب اور اللہ کے دیگر نیک بندے گزرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور یہی وہ راہ ہے جس راہ پر ایک جمِّ غفیر اور سوادِ اعظم چلتا نظر آ رہا ہے لہذا یہی راہ سیدھی راہ ہے اور خطرات سے خالی بھی۔ خبردار! کسی دوسری راہ کا خیال بھی نہ کرنا۔ جس راہ پر نہ کوئی ولی، نہ کوئی غوث نہ قطب اور نہ ہی کوئی جمِّ غفیر گذرتا ہوا نظر آئے۔ ایسی راہ سیدھی نہیں اور خطرات سے خالی بھی نہیں۔ اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرما دیا ہے۔ کہ

عَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ۔ (ابن ماجہ ص۲۹۱)

یعنی ہمیشہ بڑی جماعت کے ساتھ رہو" مطلب یہی کہ جس راہ پر بڑی جماعت گذرتی ہو۔ وہی راہ اختیار کرو۔ بھائیو! اب یہ دیکھنا آپ کا کام ہے کہ بڑی جماعت کونسی راہ پر گذرتی نظر آ رہی ہے۔ یہ اللہ کے مقبول بندے کس راہ پر چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ۔

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

یعنی اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا"

دو بیماریاں

حضرات! خوب یاد رکھیئے۔ کہ بیماریاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک جسمانی اور ایک روحانی۔ جسمانی بیماریاں تو سب کے علم میں ہوتی ہیں۔ اور روحانی بیماری کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا۔

یعنی ان کے دلوں میں (کفر و نفاق) کی بیماری ہے اور (قرآن نازل فرما کر) اللہ ان کی بیماری اور بھی زیادہ کرتا ہے"

اور دوسری جگہ فرمایا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ
اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۔ پھر اس کے بعد تمہارے
دل پتھروں کی طرح بلکہ پتھروں سے بھی
زیادہ سخت ہو گئے ؛

بھائیو! اس روحانی اور قلبی بیماری کا اگر علاج نہ کرایا جائے۔ تو جس طرح بیمار آدمی لاعلاج ہوکر مرجاتا ہے اسی طرح روحانی اور قلبی بیماری کی طرف بھی اگر توجہ نہ دی جائے تو اس کا نتیجہ بھی روحانی موت ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ کہ

مَثَلُ الَّذِيْنَ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِىْ لَا يَذْكُرُ
مَثَلُ الْحَيِّ وَ الْمَيِّتِ ۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۸۸)
ذاکر و غافل کی مثال زندہ و مردہ کی ہے ؛

یعنی جو شخص اپنے خالق و مالک کی یاد میں رہتا ہے وہ زندہ ہے اور جو بھول جائے وہ مردہ ہے۔ اس ارشادِ حق بنیاد سے معلوم ہؤا۔ کہ اصل زندگی دل کی زندگی ہے۔ بظاہر زندہ ہو اور دل مردہ ہو تو وہ برائے نام زندہ ہے۔ اور جس کا دل زندہ ہو اس پر موت بھی طاری ہو جائے تو بھی وہ زندہ ہی ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ جس غافل کا دل مردہ ہے وہ کار میں بھی بیٹھا ہو تو مردہ ہے۔ اور جس ذاکر کا دل زندہ ہے وہ مزار میں بھی لیٹا ہو تو زندہ ہے۔ اسی لئے شاعر نے کہا ہے کہ ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

اولیاء کرام

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو!! سب جانتے ہیں۔ کہ آجکل جسم کے ہر عضو کے لئے مخصوص ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ کوئی صرف کان کا سپیشلسٹ ہوتا ہے۔ کوئی صرف آنکھ ہی کا معالج ہوتا ہے۔ کوئی صرف پیٹ کے مرض کا ڈاکٹر ہوتا ہے اور

کوئی صرف حلق کا ہی علاج کرتا ہے۔ خوب یاد رکھیئے کہ اسی طرح جسمانی بیماریوں کے طبیب اور ہیں اور روحانی بیماریوں کے طبیب اور اور یہ نہیں ہوسکتا۔ کہ جسم کے معالج تو ہوں۔ مگر روح کے علاج کے لئے کوئی نہ ہو۔ بھائیو! جس طرح جسمانی بیماریوں کے معالج ہیں۔ اسی طرح روحانی اور دلی بیماریوں کے معالج بھی موجود ہیں اور جسمانی بیماریوں کے معالجین کو ڈاکٹر یا طبیب کہتے ہیں اور روحانی بیماریوں کے معالجین کا نام ہے **اولیاء کرام** — اور جس طرح ہم ڈاکٹروں کے محتاج ہیں۔ اسی طرح اولیاء کرام کی بھی ہمیں احتیاج ہے۔

آجکل افسوس کہ آجکل روحانیت سے لوگوں نے بڑی بے پروائی اختیار کر رکھی ہے۔ جسم کی صحت کے لئے تو ہم دن رات کوشاں رہتے ہیں اور جسم کے لئے نت نئے کھانے اور اسکی زیبائش و آرائش کے لئے نئے فیشنوں کو اپناتے رہتے ہیں۔ مگر روح کی نہ غذا کی فکر ہے اور نہ اس کی دوا کی — جسم سلامت رہے۔ روح اور قلب کا چاہے کچھ بھی نہ رہے۔ بھائیو! آجکل جو غیر شرعی حرکات عام ہیں۔ اور ان کا ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ دل ہمارے مر چکے ہیں۔ دل زندہ ہو تو اسے احساس بھی ہو۔ افسوس کہ روحانی اور دلی بیماریاں بڑھ رہی ہیں اور انکے علاج کی فکر کوئی بھی نہیں کرتا۔ الاماشاءاللہ

عرفان اولیاء حضرات! یہ روحانی معالجین جن کا نام اولیاء کرام ہے ہمارے لئے لازم ہے کہ ان سے ہم اپنی قلبی بیماریوں کا علاج کرائیں۔ شفا دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ مگر جسطرح جسمانی بیماری کے ازالہ کے لئے ہم کسی حکیم کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور اس کے پاس جانا، اس کے سامنے اپنا دکھ درد بیان کرنا توحید کے منافی نہیں اسی طرح ان اولیاء کرام کی بارگاہوں میں حاضر ہونا اور ان سے فریاد کرنا بھی توحید کے منافی نہیں۔ اور جس طرح جسمانی

طبیب صرف نبض دیکھ کر ہی اندرونی شکایات جان جاتا ہے۔ اسیطرح اولیاء کرام بھی اپنے عرفان سے سب کچھ جان لیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ؎

این حکیمانِ بدن دانشور اند!
بر سقامِ تو زتو واقف تر اند!
ہم ز نبض وہم ز رنگ وہم زدم!
بو برند از تو بصد گونہ سقم
پس طبیبانِ الٰہی در جہاں
چوں نہ دانند از تو اسرارِ نہاں
حالِ تو دانند یک یک مو بمو
زانکہ پُر ہستند از اسرارِ ھُوْ

یعنی یہ بدنی حکیم بہت عقلمند اور دانا ہوتے ہیں کہ تیری نبض رنگ اور خون دیکھ کر تجھ سے بھی زیادہ تیری بیماریوں پر واقف ہو جاتے ہیں۔ پس جب ان بدنی حکیموں کا یہ حال ہے۔ کہ اپنی حکمت سے تیری پوشیدہ باتوں کا سراغ لگا لیتے ہیں تو پھر جو حکیمانِ الٰہی اولیاء کرام ہیں وہ تیری چھپی باتوں پر کیوں واقف نہ ہوں گے۔ بلکہ یہ لوگ تیرے بال بال کا حال جانتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے عطا کردہ نور و عرفان سے تیرے اِک اِک حال کا انہیں علم ہو جاتا ہے۔

جنید بغدادی علیہ الرحمۃ چنانچہ حضرت جنید علیہ الرحمۃ کا ایک واقعہ سنیئے۔ حضرت کے زمانہ میں ایک مجوسی رہتا تھا۔ ایک روز اس نے گلے میں زنار پہن لیا۔ اور اس کے اوپر مسلمانوں کا لباس پہن کر حضرت جنید کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ حضور! ایک حدیث کا مطلب پوچھنے آیا ہوں۔ حدیث یوں آتا ہے۔ اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ۔

یعنی مومن کی فراست سے ڈرو۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔" اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ حضرت جنید مسکرائے اور فرمایا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنا زنّار توڑ کفر چھوڑ اور کلمہ پڑھ کر اسلام سے رشتہ جوڑ۔

مجوسی نے جب یہ کرامت دیکھی تو جھٹ پکار اٹھا۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ (تذکرۃ الاولیا صـ۳۳۳)

بھائیو! یہ ہے اللہ کے ولی کا علم و عرفان۔ اور سب جانتے ہیں۔ کہ اولیاء کرام کے جملہ علوم و کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ہیں۔ اور انہیں کے اتباع سے انہیں یہ سب کمالات حاصل ہوئے پھر کس قدر جاہل ہوگا وہ شخص جو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے علم و عرفان میں کلام کرنے لگے اور انہیں کو دیوار کی پیچھے کی چیز سے بھی بے خبر بتانے لگے۔ خدا تعالےٰ ایسے بُرے خیالات سے محفوظ رکھے۔ آمین!

بھائیو! ان اللہ والوں نے اپنے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اس قدر صاف و شفاف کر لیا ہوتا ہے کہ وہ اسرار و رموز کا مظہر بن جاتا ہے۔ صاحبِ تفسیر حسینی نے کیا خوب فرمایا ہے۔ کہ ؎

ضمیرے کہ او روشن است از غبار
شود نقشِ غیبی در او آشکار

یعنی جو دل کہ گناہوں کی گرد سے آئینے کی طرح صاف ہوتا ہے۔ اس میں غیبی نقش خود بخود ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور ایسے روشن ضمیر حضرات کی مبارک آنکھوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کی نظریں لوحِ محفوظ تک بھی جا پہنچتی ہیں۔ چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ ع

لوحِ محفوظ است پیشانیٔ یار

اور اسی لئے حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ؎

نَظَرْتُ اِلَی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

یعنی میں نے اللہ کے تمام شہروں کو دیکھ لیا اور میری نگاہ میں وہ سب رائی کے دانہ کے برابر ہیں"

اور ایک شاعر نے یوں لکھا ہے کہ ؎

اس بلندی پہ دیا عشق نے پہنچا مجھ کو
کہ فلک خال سے چھوٹا نظر آیا مجھ کو

صحبت صالحین ہاں تو بھائیو! ان پاک لوگوں کے پاس جانا اور ان سے اپنی روحانی بیماریوں کا علاج چاہنا بہت ضروری ہے۔ یہ لوگ اپنی مبارک نظروں سے دل کی اصلاح فرما دیتے ہیں اور ان کے پاس بیٹھنے ہی سے دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نیک بندوں کی ایک علامت یہ بھی بیان فرمائی ہے۔

اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہ۔ یعنی جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے"
چنانچہ دیکھ لیجئے۔ ان اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے دل میں اللہ کی محبت اور زبان پر اللہ کا نام جاری ہو جاتا ہے۔ اور غافل سے غافل انسان بھی صحبتِ صالحین کی بدولت اللہ اللہ کرنے لگتا ہے۔

حضرات! یہ قاعدہ ہے کہ جس قسم کے ماحول میں پہنچئے۔ اسی قسم کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ کسی سینما ہال کے علاقہ میں پہنچئے تو فلمی خیالات آنے لگیں گے۔ کسی غیر عورت کا سامنا ہو تو شیطان کو اپنی "تبلیغ" کا موقعہ مل جاتا ہے۔ کپڑے کے بازار میں پہنچئے تو قسم قسم کا کپڑا خریدنے پر دل چاہنے لگتا ہے۔ صرافہ بازار میں جائیے تو زیورات کی خواہش ابھرنے لگتی ہے۔ دوستو! اسی طرح کسی اللہ والے کی مجلس میں پہنچو تو "اللہ اللہ" کرنے پر دل چاہنے لگتا ہے اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں ایسے مواقع میسر آئیں اور جو ان نیک بزرگوں کی

صحبت سے مستفید ہو کر "ذکر اللہ" کو اپنا لیں۔ بھائیو! ان اللہ والوں کی صحبت کا یہ اثر دیکھ لو کہ ان کے پاس حاضر ہونے والے کی زبان پر اللہ کا نام کچھ ایسا جاری رہنے لگتا ہے کہ کسی ایسے ہی شخص کو جو اللہ والوں کی صحبت میں رہنے کا عادی ہو۔ کسی وقت بے خبری میں اُسے ڈرا کر دیکھئے تو اچانک اس کے منہ سے نکلے گا۔ "اللہ"! مگر جو بازار میں رہنے والا، بُری سوسائٹی میں بیٹھنے والا اور کبھی مسجد میں نہ آنے والا اور کسی نیک بندے کے پاس نہ بیٹھنے والا ہو۔ اُسے ڈرا کر دیکھئے۔ تو اچانک اس کے منہ سے نکلے گا "ارے تیری ماں کو" دیکھا آپ نے صحبت کا اثر؟ صحبت صالحین کی بدولت ہر وقت اسکی زبان پر ذکرِ حق ہی رہے گا۔ اور یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ قبر میں جب فرشتے آکر جگائیں گے تو اس وقت بھی وہ "اللہ اللہ" ہی کرتا اٹھے گا۔

لطیفہ بھائیو! یہ قاعدہ ہے کہ دن بھر جس شغل میں رہا جائے۔ رات کو خواب میں بھی اسی قسم کے خیالات سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ایک کپڑے کا تاجر ہندو لالہ رات کو سو رہا تھا۔ تو آدھی رات کے وقت اس کی دھرم پتنی نے اچانک ایک آواز سنی "چرر"۔ یہ "چرر" کی آواز سن کر "للائن" اٹھی اور اس نے دیکھا۔ کہ لالہ جی مہاراج نے اپنی ہی دھوتی کھول کر درمیان سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اور ایک ٹکڑا اِس ہاتھ میں اور دوسرا ٹکڑا اُس ہاتھ میں پکڑ رکھا ہے۔ دھرم پتنی نے کہا۔ مہاراج۔ یہ کیا بات؟ تو لالہ جی بولے۔ کیا بتاؤں خواب میں دکان پر ایک گاہک آیا تھا۔ اس نے ایک دھوتی مانگی۔ اور پسند کر کے کہا کہ اس تھان سے ایک دھوتی پھاڑ دو۔ میں نے اس تھان سے ایک دھوتی جو پھاڑی تو "چرر" کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ اپنی ہی دھوتی کھول کر میں نے پھاڑ دی ہے۔

دیکھا آپ نے کہ دارجی مہاراج جس شغل میں دن بھر رہتے تھے۔ وہی شغل خواب میں بھی نظر آیا اور اپنی دھوتی کو پھاڑ ڈالا۔

میرے بھائیو! اللہ اللہ کرتے رہو اور اللہ اللہ کرتے ہی مرو تاکہ قبر میں جب اٹھو تو اللہ اللہ کرتے ہی اٹھو۔ ایسا نہ ہو کہ سینما دیکھتے ہوئے ہارٹ فیل ہو جائے اور قبر میں جب اٹھو تو وہاں بھی پوچھنے لگو۔ کہ ہاف ٹائم ہوا ہے یا نہیں؟

میں کہہ رہا تھا۔ کہ ان اللہ والوں کی صحبت بڑی اچھی چیز ہے اور جو ان کی صحبت پا لیتا ہے وہ بہت کچھ پا لیتا ہے اور اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور جو شخص دنیا ہی میں مگن رہتا ہے۔ اور ان اللہ والوں سے دور رہتا ہے۔ وہ خسارے میں رہتا ہے۔ اسی لئے مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؂

ہمچو بلبل دوستیِ گُل گزیں
تا شوی با خرمنِ گُل ہمنشیں
زاغ چوں مردار را شد ہم نفس
یارِ او مردار خواہد بود بس!

یعنی بلبل کی طرح پھول سے دوستی رکھ اور کوے کی طرح مردار پسند نہ بن۔ بھائیو! وہ دنیا جو اللہ تعالےٰ سے غافل کر دینے والی ہو مردار ہی تو ہے۔ یہ اللہ والے اپنے فیض سے انسان کو اس غفلت کا شکار نہیں ہونے دیتے اور اسے ذکر حق اور یادِ رسول جیسی عظیم نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور انسان کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

نسبت کا فائدہ

بھائیو! عربی گرامر یعنی نحو کا مسئلہ ہے کہ جو نکرہ معرفہ کی طرف مضاف ہو۔ وہ نکرہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جو عام چیز کسی خاص چیز کی طرف منسوب ہو جائے تو وہ عام بھی خاص ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھئے۔ جب کتے کا نام لیا جائے اور کہا جائے "کتہ" تو یہ ایک عام لفظ ہے اور یہ نام سن کر ہر

ایک سے حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ مگر جب یوں کہا جائے کہ صحب کہف کا کتا تو اب ہر کوئی اسے عزت کی نظر سے دیکھنے لگے گا۔ اور یہ لفظ اب عام نہ جنبے گا۔ بلکہ اسے بھی ایک خصوصیت حاصل ہو جائے گی۔ اور یہ بات اسے کیسے حاصل ہوئی ؟ صرف اللہ والوں کی طرف نسبت حاصل ہو جانے سے۔ ۔ ! یہی وہ کتا ہے جو راتوں رات اللہ کے مقبول بندوں کی معیت میں نکلا تھا۔ اور جب ان اللہ والوں نے اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کے بھونکنے سے دشمن کو ہماری خبر نہ ہو جائے۔ خدا نے اسے زبانِ گویائی عطا فرمائی۔ تو وہ یوں بولا تھا۔ (پنجابی شعر) ؎

نہ میں بھونکاں نہ میں ٹونکاں نہ میں شور مچاواں
شاید صحبت نیکاں لوکاں میں بھی بخشیا جاواں

خوشبودار مٹی

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ کہ ؎

گِلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم

یعنی ایک روز میں حمام میں گیا تو وہاں کسی دوست سے مجھے ایک خوشبودار مٹی ملی۔

بدو گفتم کہ مشکے یا عبیرے
کہ از بوئے دلاویزے تو مستم

میں نے اس مٹی سے کہا کہ تم مشک ہو یا عنبر؟ تمہاری دلآویز خوشبو سے میں تو مست ہوا جا رہا ہوں جلدی بتاؤ کہ تم کیا ہو۔ مشک ہو یا عنبر: ؎

بگفتا من گِلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گُل نشستم

مٹی بولی کہ میں تو ایک ناچیز مٹی ہوں۔ مگر کچھ عرصہ پھولوں کے ساتھ رہی ہوں۔

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
دگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہمنشیں (پھولوں) کی صحبت کا یہ اثر ہے کہ ان کے جمال نے مجھ میں خوشبو کا اثر پیدا کر دیا ہے ورنہ میں تو وہی ایک "مٹی" ہوں۔

سبحان اللہ! کیا ہی پُر لطف واقعہ ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے کس پیارے انداز میں صحبت صالحین کے فوائد بیان فرما دیئے ہیں۔ ایک مٹی جب پھولوں کے گلدستہ کے گرد لپٹ جاتی ہے اور کچھ عرصہ ان کی صحبت میں رہتی ہے تو اس مٹی میں بھی وہی پھولوں والی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایسی کہ دیکھنے والا پھر اُسے مٹی نہیں سمجھتا۔ بلکہ وہ پوچھتا ہے کہ تو مشک ہے یا عنبر؟ اور پھر دیکھیئے، اس پھولوں کی فیض یافتہ مٹی کا انکسار اور اس کی تواضع — کہ وہ یوں جواب دیتی ہے کہ میرا کیا ہے میں تو وہی ایک مٹی ہوں۔ یہ سارا فیض تو پھولوں کا ہے۔

مسئلہ بشریت میرے بھائیو! یہیں سے مسئلہ بشریت بھی سمجھ لیجئے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیشک لباسِ بشریت میں ملبوس تشریف لائے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں۔ مگر یہ بشریت مقدسہ ما و شما کی بشریت جیسی نہیں۔ یہ مقدس و نورانی بشریت بے مثل و بے نظیر ہے۔ اور ایسی کہ دیکھنے والا جب دیکھتا ہے۔ کہ حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک پر درخت چلے آ رہے ہیں۔ جانور آ آ کر سجدے کر رہے ہیں۔ اس مبارک انگلیوں سے دریائے رحمت جاری ہو رہے ہیں۔ ایک انگلی مبارک کے اشارے سے فلک پر چاند کے دو ٹکڑے ہو رہے ہیں اور حکم پاکر غروب شدہ سورج پلٹ رہا ہے تو ایسے ایسے عظیم الشان معجزات و واقعات کو دیکھ کر دیکھنے والا پوچھتا ہے کہ حضور! آپ

کون ہیں ؟

بھائیو ! ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس سوال کا جواب دیکھیے کس تواضع سے دیتے ہیں ۔ فرماتے ہیں ۔

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ ۔

شیخ سعدی کے سوال پر جواب یہ ملا تھا کہ " من گلے ناچیز بودم "۔ میں تو ایک مٹی ہوں ۔ مگر " مدتے با گُل نشستم "۔ کچھ عرصہ پھولوں کے ساتھ رہی ہوں "۔ بھائیو ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضعاً یوں فرماتے ہیں کہ " اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ " مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ۔ کہ " یُوحیٰ اِلَیَّ "۔ یعنی بشر تو ہوں ۔ مگر ایسا کہ " مدتے با گُل نشستم " ساری مخلوق سے بھی پہلے کا مخلوق ہوں اور ساری کائنات سے اول میرے ہی نور کو پیدا کیا گیا ۔ اور ہزاروں سال پہلے بھی یہ نور پاک نورِ ازلی کے شرفِ معیت سے مشرف ہوا ۔ اور اب بھی میرا تعلق اس ذاتِ ابدی و ازلی سے ایسا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے ۔ یہ اسی تعلق و صحبت کا فیض ہے ۔ کہ میری ذاتِ بابرکات میں سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہونے لگا ہے اور میرے جملہ کمالات و معجزات اُسی ذاتِ ابدی و ازلی کے جمالِ پاک کی تاثیر پاک ہیں ۔

بھائیو ! حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اُس واقعہ سے یہ مسئلہ بھی بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ خوشبودار مٹی کو دیکھنے والا تو یہی کہے گا کہ

مشکی یا عبیری ؟

مگر خوشبودار مٹی کا اپنا جواب تواضعاً یہ ہوگا ۔ کہ

" من گلے ناچیز بودم "

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا تو یہی کہے گا کہ

تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

مگر حضور تواضعاً یوں فرماتے ہیں۔

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔

چنبیلی کا تیل

دوستو اور عزیزو! چنبیلی کے پھول بڑے خوشبودار ہوتے ہیں۔ مگر تلوں کا تیل خوشبودار نہیں ہوتا۔ غور فرمایئے کہ یہی تیل دو روپیہ میں سیر بھر مل جاتا ہے۔ مگر جب اسے چنبیلی کے پھولوں کی صحبت میں تیار کیا جائے تو پھر یہ عام تیل نہیں رہتا۔ بلکہ خوشبودار ہو جاتا ہے اور صرف "تیل" بھی نہیں کہلاتا۔ بلکہ "چنبیلی کا تیل کہلانے لگتا ہے اور بجائے دو روپیہ فی سیر کے چوگنی قیمت پر بکنے لگتا ہے۔ یہ جو اس میں خوشبو پیدا ہو گئی اور نام بھی "چنبیلی کا تیل" ہوگیا۔ اور قیمت بھی دگنی ہوگئی۔ یہ کس لئے؟ یہ سب فیض ہے چنبیلی کے پھولوں کی صحبت کا —!

بھائیو! اب اگر مٹی کا تیل صرف لفظ تیل کے اشتراک ہی کے پیش نظر چنبیلی کے تیل سے یوں کہنے لگے کہ تو بھی تیل اور میں بھی تیل — لہذا تو میری مثل ہے۔ تو سب کہیں گے کہ کیسی فضول بات ہے۔ کہاں چنبیلی کا تیل اور کہاں یہ مٹی کا تیل۔ وہ خوشبودار، یہ بدبودار۔ وہ محبوبوں کے سر پہ ملنے کے لئے، اور یہ چولھوں کی آگ میں جلنے کے لئے۔ بھائیو! کچھ سمجھے آپ؟ کہ کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی بشریت اور کہاں منکرین رسالت کی ناری بشریت، وہ عرش کا جمال اور یہ جہنم کا مال، اس کا عرش بھی خواہاں اور اس سے فرش بھی نالاں ؎

تو رینگتا ہے فرش پر اور عرش پر انکی گذر!
اب تو ہی تو انصاف کر تو بھی بشر وہ بھی بشر؟

ہاں تو ان بزرگان دین کی صحبت میں رہنا اور دل سے عقیدت رکھنا بڑی اچھی بات ہے اور اس سے بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے

ہیں۔ اس دنیا میں بھی اور اُس عالم میں بھی۔ چنانچہ آپ کو یاں حدیث پاک سناؤں۔

قیامت کے دن

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ کے مقبول جب جنت کو جا رہے ہوں گے تو جہنمی لوگ راستے میں صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے تو ایک دوزخی ایک جنتی سے اس کا نام لے کر کہے گا۔

یَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِیْ اَنَا الَّذِیْ سَقَیْتُكَ شَرْبَةً
وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِیْ وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءً
فَیَشْفَعُ لَهٗ فَیُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ ۔ (مشکوٰۃ ترغیب)

اے فلاں! کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ کہ میں وہی ہوں۔ جس نے تجھے ایک دفعہ پانی پلایا تھا۔ اور ایک اور دوزخی اس سے یوں کہے گا۔ اور میں وہی ہوں جس نے تجھے وضو کے لئے پانی دیا تھا۔ پس وہ جنتی اس دوزخی کی شفاعت کرکے اُسے جنت میں لے جائے گا۔"

بھائیو! دیکھ لو! ان اللہ والوں سے ذرا سا حسنِ سلوک بھی قیامت کے روز فائدہ دے گا۔ اس حدیث کے مطابق ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ کل قیامت کے روز ان اللہ والوں کی خدمت ہمارے کام آئے گی۔ اور ہمارے لئے موجب نجات ہوگی

گیارہویں شریف

میرے بھائیو! یہ گیارہویں شریف کی نیاز جو ہوتی تو اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اور اس کا ثواب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ عالی میں حاضر کیا جاتا ہے۔ اسی حدیث پاک سے اس کا فائدہ بھی ثابت ہوگیا۔ کہ کل قیامت کے روز ہم بھی حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کریں گے کہ حضور! ہم وہی ہیں۔ جو گیارہویں شریف کی تقریب پہ کچھ پکا کر اس کا ثواب حضور کی بارگاہ میں حاضر کیا کرتے تھے۔ تو بھائیو! جب ایک گھونٹ پانی پلانے والے

اور صرف وضو کرانے والے کو اللہ والے جنت میں لے جائیں گے۔ تو حضور غوث پاک اپنے عقیدتمندوں اور ان کی بارگاہ میں گیارہویں شریف کا ثواب حاضر کرنے والوں کو کیوں نہ اپنے ساتھ جنت میں لے کر جائیں گے۔ سچ ہے کہ ؎

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

اللہ والوں کی پہچان

بھائیو! یہ اللہ والے ایسے پاک لوگ ہوتے ہیں کہ ان کی مجلس میں جاؤ تو بس خدا ہی خدا یاد آتا ہے۔ اور انسان کی عاقبت سنور جاتی ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اللہ والوں کی پہچان اور ان کی علامات بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔

اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخِیَارِکُمْ۔

کیا میں تمہیں نیک بندوں کی علامات بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا۔

بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔

ہاں! یا رسول اللہ۔ فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ۔ (مشکوٰۃ شریف)

تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جن کی زیارت سے خدا یاد آ جائے۔

سبحان اللہ! کیا مزے کی بات ہے۔ واقعی ان لوگوں کے پاس جائیے اور ان کے مبارک چہروں کو دیکھئے۔ تو خدا یاد آجاتا ہے اور انکی زیارت سے ایمان جلا پانے لگتا ہے۔ بھائیو! یہ حقیقت ہے اور آزما کر دیکھ لیجئے کہ ان پاک لوگوں کے نورانی چہروں کو دیکھ کر روحانی انبساط اور نورانی سرور پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرات! چونکہ یہ پاک لوگ ہر وقت اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں تو ان

مبارک ذکر و فکر کی بدولت ان کے چہروں پر انوار الٰہی برسنے لگتے ہیں۔ اور جب ان کے چہروں کی طرف دیکھا جائے۔ تو اللہ کی یاد سے دل منور ہو جاتے ہیں اور بھائیو! یہ بھی دیکھا ہوگا آپ نے ۔ کہ بعض "برائے نام بزرگ" ایسے بھی ہیں جو کھدر مارکہ کپڑوں اور کھرل نما کانگرسی ٹوپیوں میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ اور بخدا ایسے "بزرگوں" کو دیکھ کر خدا تو نہیں ہاں گاندھی و نہرو کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ پس یہیں سے اندازہ لگا لیجئے ایسے افراد کی بزرگی کا ۔ اللہ کا جو مقبول بندہ ہے اسے دیکھ کر خدا یاد آ جانا چاہیئے۔ نہ کہ گاندھی و نہرو ۔ پس ایسے افراد سے بھی اللہ تعالےٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اور اپنے مقبول بندوں ہی کی صحبت سے ہمیں مستفید ہونے کی توفیق دے۔

ہاں تو بھائیو! ان اللہ والوں کی معیت و صحبت بڑی مفید چیز ہے

مرنے کے بعد

اور نہ صرف یہ کہ اسی زندگی میں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان اللہ والوں کی برکت جاری رہتی ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ

اُدْفِنُوْا مَوْتَاكُمْ وَسْطَ قَوْمٍ صَالِحِيْنَ فَاِنَّ الْمَيِّتَ يَتَاَذّٰى مِنْ جَارِ السُّوْءِ كَمَا يَتَاَذّٰى الْحَيُّ ۔ (فتاوی عزیزی ۱۲۸/۲)

"یعنے اپنے مردوں کو نیک لوگوں کے درمیان دفن کرو۔ اس لئے کہ میت کو بھی بُرے پڑوسی سے ایذا ہوتی ہے جس طرح زندہ کو تکلیف ہوتی ہے۔"

سبحان اللہ! کیا ہی مبارک ارشاد ہے اور ان اللہ والوں کے فیض و برکت پر یہ ارشاد کس طرح دلالت کر رہا ہے۔ گویا یہ اللہ والے انتقال کے بعد بھی اپنے پڑوسیوں کے لئے موجب راحت و رحمت ثابت ہوتے ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں

میرے بھائیو! انبیاء کرام علیہم السلام

پاک و معصوم ہوتے ہیں۔ مگر تعلیم امت کی خاطر ان کی پاکیزہ دعائیں سنیئے جو انہوں نے اپنے رب سے مانگیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام دعا مانگتے ہیں:۔

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا
وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

یعنی اے مولا! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا رفیق ہے۔ اس دنیا سے مجھے مسلمان اٹھا اور اپنے نیک و صالح بندوں سے مجھے ملا دے!

حضرت سلیمان علیہ السلام ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۔

یعنی اے مولا! اپنی رحمت سے تو مجھے اپنے صالحین بندوں میں داخل فرما!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ملاحظہ فرمائیے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

یعنی اے میرے رب! مجھے حکم عطا فرما اور صالحین کے ساتھ ملا دے!

سبحان اللہ! کیا مبارک دعائیں ہیں۔ گویا امت کے لئے یہ سبق ہے کہ ان اللہ والوں سے تعلق اس زندگی میں بھی رکھو۔ اور مرنے کے بعد بھی انہیں پاک لوگوں سے تعلق رہنے کی دعایئں مانگو۔ بھائیو! ذرا سوچو تو ان اللہ والوں کی ہمیں کسقدر حاجت ہے۔ اور ان کی معیت و نسبت کسقدر ضروری ہے۔ مگر افسوس کہ اس پُر فتن دور میں اللہ والوں پر مذاق اڑانا ایک فیشن ہو گیا ہے۔ خوب یاد رکھیئے کہ ؎

دوستیٔ مقبلاں چوں کیمیا است
چوں نظرشان کیمیائے خود کجاست
چشمِ احمد بر ابوبکرے زدہ

او ز یک تصدیق صدیق آمدہ
گر تو سنگِ خارۂ مرمر شوی
گر بصاحب دل رسی گوہر شوی

نیک صحبت

میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نیک صحبت کی ایک بہترین مثال بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں

مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالسُّوْءِ کَحَامِلِ الْمِسْکِ وَنَافِخِ الْکِیْرِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۶)

یعنی نیک ہمنشیں اور بُرے ہمنشیں کی مثال کستوری اٹھانے والے اور مشک پھونکنے والے کی طرح ہے۔

مطلب یہ کہ کستوری بیچنے والا اپنا دماغ خوشبو سے مفت معطر کر لیتا ہے۔ اور آگ کی بھٹی میں مشک دھونکنے والا دھوئیں سے بھی پریشان ہوتا ہے اور اپنے کپڑے بھی جلا لیتا ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ آپ کسی عطار کی دکان پر جائیں۔ اور عطر چاہے خریدیں یا نہ خریدیں۔ خوشبو تو آپ کو آ ہی جائے گی۔ اور اگر کسی لوہار کی آتشیں بھٹی کے پاس جاکر کھڑے ہو۔ تو چاہے کوئی چیز بنوائیں یا نہ بنوائیں۔ دھوئیں سے تو پریشان ہوں گے ہی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی چنگاری اڑ کر کپڑوں پر پڑے تو کپڑے جل جائیں۔

بھائیو! اسی طرح آپ کسی بُرے ہمنشیں کے پاس بیٹھیں گے۔ تو چاہے آپ کو اس سے کوئی مطلب ہو یا نہ ہو۔ اس کی برائی کی کوئی نہ کوئی چنگاری آپ پر ضرور پڑے گی اور اگر کسی نیک ہمنشیں کے پاس حاضر ہوں گے تو چاہے اس سے کچھ سیکھیں یا نہ سیکھیں۔ اللہ اللہ کی آواز اور ذکر و فکر کی خوشبو تو آپ کو آ ہی جائے گی۔

دیکھ لیجئے۔ کسی اللہ والے کی محفل میں حاضر ہونے سے ایکدم اللہ و آخرت یاد آنے لگتی ہے۔ اور یہ ایک ایسی خوشبو ہے۔ جس سے ایمان معطر ہونے لگتا ہے۔ اور کسی بُرے آدمی کی مجلس میں

پہنچئے۔ تو ناچ گانے، لہو و لعب اور عشق و فسق کی باتوں سے نفس خوش ہو تو ہو۔ مگر روح مکدر ہو جاتی ہے۔ لہٰذا میرے بھائیو! ان اللہ والوں کی مجلس اختیار کرو اور بُری سوسائٹیوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اور مولانا رومی کا ارشاد یاد رکھو کہ ؎

دُور شو از اختلاطِ یارِ بد
یارِ بد بدتر بود از مارِ بد

ایک عام غلطی

میرے بھائیو! آجکل ایک عام غلطی یہ بھی ہے کہ لوگ بُری مجلس سے نہ بچنے کے لئے یوں کہہ دیتے ہیں۔ میاں اپنا عمل اپنے ساتھ ہے۔ اگر کوئی بُرا ہے تو اپنے واسطے ہے۔ ہمارا تو خیر خواہ ہے۔ حضرات! یہ بہت بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ دیکھئے آجکل ڈاکٹر بعض بیماریوں کو متعدی بتاتے ہیں اور ہدایت کہتے ہیں کہ فلاں مرض کے مریض کے پاس نہ جاؤ۔ ورنہ وہ مرض تمہیں بھی لگ جائے گا۔ بھائیو! حالانکہ یہ کوئی یقینی بات بھی نہیں ہے کہ کسی ایسے مریض سے چھُو جانے میں بیمار ہو جانا ضروری ہو۔ لیکن پھر بھی لوگ ڈاکٹروں کی بات پر اس حد تک یقین کرلیتے ہیں۔ کہ پہلے حقیقی باپ یا بیٹا بھی بیمار پڑ جائے۔ تو اس کی عیادت تک کو نہ خود جاتے ہیں۔ نہ کسی دوسرے کو جلنے دیتے ہیں۔ مگر جو مرض ضرور لگ جاتا ہے۔ یعنی صحبتِ بد کا اثر۔ اس سے بچنے کا ذرا بھی اہتمام نہیں کرتے۔ بلکہ ان علماء کرام کو کوستے ہیں کہ یہ کسی سے ملنے ہی نہیں دیتے۔ بھائیو! یہ بات ڈاکٹروں کے لئے کیوں نہیں کہتے۔ کہ یہ لوگ کسی سے ملنے ہی نہیں دیتے۔ ڈاکٹر بھی تو یہی کہتے ہیں نا! کہ فلاں مریض متعدی مرض کا مریض ہے۔ اس کے قریب نہ جانا۔ اسے چھونا نہیں۔ پچھلے دنوں جب انفلوئنزا کا مرض عام ہو گیا تھا۔ تو اخبارات میں ڈاکٹروں کی ہدایات چھپی تھیں۔ کہ کسی انفلوئنزا کے مریض کے قریب ہوکر بات نہ کرو اور دور سے

سے بھی بات نہ کرو۔ اگر کرو تو ناک پر رومال رکھ لو۔ تاکہ اس کی سانس سے جراثیم تمہاری ناک میں نہ گھس جائیں اور انفلوئنزا کے مریض کے بدن کے کپڑے دوسرا کوئی شخص استعمال نہ کرے وغیرہ وغیرہ کیوں صاحب! ان ڈاکٹروں سے تو کسی نے نہ کہا۔ کہ یہ بڑے مفسد ہیں جو بھائی سے بھائی کو جدا کر رہے ہیں۔ مگر جناب بات اور ہے اور وہ یہ کہ جان زیادہ پیاری ہے ایمان سے ۔۔۔ حالانکہ ایمان زیادہ پیارا ہونا چاہیئے جان سے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے۔

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۱)

یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس ہر ایک کو دیکھنا چاہیئے کہ اس کا دوست کون ہے؟"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتا رہا ہے کہ ہر شخص کا دوست جس دین و ملت کا ہوگا۔ وہ شخص اسی کے دین پر اٹھے گا۔ حدیث پاک میں خلیل کا لفظ وارد ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس سے دلی دوستی ہو اور جس سے دل ملا ہوا ہو۔ دل سے ملنا اور ہے اور ایک ضرورت سے ملنا ہوتا ہے۔ مثلاً بازار گئے تو وہاں سب طرح کے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے۔ تو یہ اور ملنا ہے۔ حدیث میں جس ملنے کا فرمایا گیا ہے وہ دوستی کا ملنا اور دل سے ملنا ہے تو ہمیں یہ ضرور سوچنا چاہیئے کہ جن لوگوں سے ہماری دلی دوستی ہے۔ وہ لوگ عقیدۃً اور عملاً کیسے ہیں۔ حضرات! یہ کوئی معمولی بات نہ سمجھیئے۔ اگر کسی بدعقیدہ و بدعمل سے دوستی ہو گئی تو اپنا دین برباد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ آجکل ایک مرض یہ بھی ہے۔ کہ لوگ کہہ دیتے ہیں۔ جناب ہمیں اس کے دلی خیالات سے کیا واسطہ

مگر بھائیو! جب حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ کسی بدعقیدہ سے دلی دوستی اچھی نہیں۔ تو پھر ہم کون ہیں۔ جو خواہ مخواہ کی باتیں بنانے لگیں بعض کہہ دیتے ہیں۔ واہ صاحب واہ! آپ فلاں صاحب کے عقیدہ کو لئے پھرتے ہیں۔ مگر ہم تو اس کا بظاہر زہد و تقویٰ دیکھتے ہیں کتنا شریف الطبع ہے، کتنا پرہیزگار اور زاہد ہے۔ بھائیو! ظاہری اعمال اپنی جگہ خوب ہیں۔ مگر عقیدہ کی درستگی شرطِ اول ہے۔ اگر عقیدہ میں ذرا سی بھی خرابی آگئی۔ تو کوئی عمل عمل نہ رہے گا۔

مثال دیکھئے سیر بھر آبِ زمزم میں دو سیر خالص دودھ ڈالئے اور پھر شربت مفرح اور روح کیوڑہ اس میں ڈالئے اور پھر تولہ بھر اس میں پیشاب بھی کر لیجئے۔ تو ہر عالم ہر مفتی سارے شربت کے نجس ہونے کا فتویٰ دے دے گا۔ اب اگر کوئی وہاں یہ کہنے لگے واہ صاحب واہ! آپ تولہ بھر پیشاب کو لئے پھرتے ہیں۔ مگر ہم تو کعبہ شریف سے آئے ہوئے آبِ زمزم کو دیکھ رہے ہیں۔ خالص دودھ اور روح کیوڑہ کو دیکھ رہے ہیں۔ کیوں صاحب! یہاں کیا جواب دیا جائے گا۔ یہی نا! کہ بھئی! تولہ بھر پیشاب نے آبِ زمزم کو بھی ناپاک کر دیا۔ روح کیوڑہ اور دودھ کو بھی پلید کر دیا۔ اور اب یہ آبِ زمزم بھی پینے کے قابل نہیں رہا۔ بھائیو! اسی طرح ذرا سی بدعقیدگی سے نماز و روزہ اور جملہ اعمالِ صالحہ کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور یہ سارا "شربت" ناپاک ہو کر رہ جاتا ہے۔

ہاں تو بھائیو! بدعقیدہ اور بدعمل کو دوست ہرگز نہ بناؤ۔ کیوں صاحب! اگر آپ کو یہ علم ہو جائے کہ فلاں شخص میرے باپ کا دشمن ہے۔ تو کیا آپ ایسے شخص سے دوستی پیدا کر لیں گے۔ جب ہرگز نہیں! تو خدا تعالیٰ سے دشمنی رکھنے والے سے منافرت کیوں نہ ہو۔ خائن و راشی اور کم تولنے والے جھوٹے، مکار اور قوم و ملت کے غدار اس قابل ہی نہیں کہ ان سے دوستی رکھی جائے۔

دوستی رکھنا ہے تو اللہ والوں سے رکھ۔ اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

لطیفہ مولانا رومی نے لکھا ہے کہ ایک مینڈک اور ایک چوہا دونوں دوست تھے۔ ان دونوں نے ایک لمبا سا دھاگہ لاکر اس کا ایک سرا مینڈک نے اپنی ٹانگ میں اور ایک سرا چوہے نے اپنی ٹانگ میں باندھ رکھا تھا۔ چوہے کو ضرورت پڑتی تو وہ دھاگہ کھینچتا تو مینڈک تالاب سے نکل آتا۔ مینڈک بلانا چاہتا تو وہ دھاگہ کھینچتا تو چوہا بل سے باہر آجاتا۔ ایک دن ایک چیل نے چوہے کو بل سے باہر دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا اور اسے پکڑ کر لے اڑی۔ چوہا جب اوپر گیا تو دھاگہ کی وجہ سے مینڈک بھی تالاب سے گھسٹتا ہوا باہر نکل آیا۔ اور ہوا میں معلق ہوگیا۔ اب یہ تماشا دیکھنے کے قابل تھا کہ چوہا چیل کے پنجوں میں اور مینڈک دھاگہ سے ہوا میں لٹکتا ہوا جا رہا تھا۔ لوگوں نے یہ تماشا دیکھا۔ تو ایک آدمی نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا چیل مینڈک کا بھی شکار کرتی ہے۔ تو دوسرے نے اسے جواب دیا ؎

بولا کہ یہ بات تو ممکن نہیں
اس کو لے ڈوبا ہے اس کا ہمنشیں

دیکھا آپ نے کہ بُرے ہمنشیں کے باعث کیا آفت نازل ہوئی۔ ہاں تو بھائیو! خدا تعالیٰ کے ارشاد

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

کے مطابق ہمیں ان اللہ والوں کی پیروی کرنا چاہیئے۔ انہیں کی پیروی سے ہم منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

بیعت کی حقیقت میرے بھائیو! یہ جو کسی اللہ والے کے ہاتھ

میں ہاتھ دے دیا جاتا ہے اور جسے بیعت کرنا کہا جاتا ہے اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر اس امر کا وعدہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ میں آپ کے نقش قدم پر چلوں گا۔ مطلب یہ کہ آپ میری نظر میں متبع شریعت ہیں۔ اور آپ کا ہر قدم شرع کی ہی راہ میں اٹھتا ہے۔ اس لئے میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے اسی راہ پر چلوں گا۔

تتبع شریعت اسی لئے میرے بھائیو! پیر وہ پکڑنا چاہیئے جو متبع شریعت ہو۔ جس کا ہر قدم شرع کی راہ میں اٹھتا ہو۔ جس نے سیرت و صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنا رکھا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پیر برائے نام پیر ہو اور بھنگ چرسی۔ داڑھی مونچھ منڈا اور بے نمازی ہو اور شریعت کے خلاف باتیں کرنے والا ہو اور شریعت و طریقت کو الگ الگ کرکے من گھڑت مسئلے بیان کرتا ہو۔

لطیفہ چنانچہ ایسے ہی ایک برائے نام پیر کا آپ کو قصہ سناؤں جو مجھے بڑے معتبر اشخاص نے سنایا تھا۔ ایک جلسہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں چند لوگوں نے بتایا۔ کہ ہمارے علاقہ میں ایک برائے نام پیر ہے جو نماز روزہ کا مخالف ہے اور عجیب عجیب مسئلے بیان کرتا ہے۔ اس برائے نام پیر نے اپنے مریدوں کو کتے کا گوشت کھلایا ہے اور بتایا یہ ہے کہ

"چونکہ نفس بھی ایک کتہ ہے اسلئے اس کی
غذا بھی کتے کا گوشت ہونی چاہیئے۔"

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم — دیکھیئے کس قدر جہالت اور الحاد ہے۔ بھائیو! ایسے برائے نام پیروں کو تو ہم بھی نہیں مانتے پھر اس قسم کے جاہلوں کی مثالیں دے دے کر سچے پیروں کی بھی مخالفت کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ مگر بعض لوگوں نے پیروں کیخلاف

کچھ نہ کچھ کہتے رہنا اپنی عادت بنا رکھی ہے اور یہ کوئی انصاف نہیں۔

ایک مثال دیکھئے! بعض ڈاکو پولیس کا لباس پہن کر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ کوئی سب انسپکٹر بن جاتا ہے۔ کوئی سپاہی اور اس دھوکے سے وہ لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں۔ اور اخبارات میں آ جاتا ہے کہ فلاں گاؤں میں ڈاکوؤں نے پولیس کا لباس پہن کر دھوکہ دے کر گاؤں کو لوٹ لیا۔ تو بھائیو! کیا اس بات سے ہم پولیس کو بدنام کرنے لگیں۔ اور یوں کہیں گے کہ یہ پولیس ہوتی ہی ایسی ہے! ان لوگوں کا کام ہی لوٹ مار ہے؛ توبہ توبہ! ایسا کہنا سراسر حماقت اور غلطی ہے۔ اس لئے کہ اس میں پولیس کا کیا قصور ہے یہ تو ڈاکوؤں کی بدمعاشی اور عیاری ہے کہ پولیس کا لباس پہن کر لوٹ لیا۔ یہ لوگ پولیس کے افراد تو تھے ہی نہیں۔ بلکہ ڈاکو بلباس پولیس تھے۔ اسیطرح بھائیو! بعض بدمعاش افراد پیروں کا لباس اوڑھ کر خلاف شرع حرکات کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے لوگ پیر ہرگز ہوتے ہی نہیں۔ ہاں بدمعاش بلباس پیر ہوتے ہیں۔ پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ ایسے افراد کی شرارتوں کو سامنے رکھ کر پیروں ہی کو بدنام کیا جانے لگے اور یوں کہا جانے لگے کہ اجی پیر ہوتے ہی ایسے ہیں ان کا کام ہی ایسی حرکات کا ارتکاب ہے۔ معاذ اللہ! پیر ایسا ہرگز نہیں کرتے ہاں بدمعاش اپنی شرارتوں کے لئے پیروں کا لباس اوڑھ لیتے ہیں۔

ایمان کے چور میرے بھائیو! جس طرح مال و عزت کے چور پیروں کا لباس پہنکر دولت و عزت پر ہاتھ صاف کر جاتے ہیں اسی طرح بعض دین و ایمان کے چور بھی پیروں کا لباس پہن کر دین و ایمان برباد کر ڈالتے ہیں۔ اسی لئے اعلیحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ؎

سُنّی دشمنی و حیثیتا بن ... کے اُٹھانے یہ ہیں
جتنے ضلالِ ہیں سب اُن بد دلیلوں کے اُٹھائے ہیں

لہذا مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے۔ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو پیر بتلائے، وظیفے پڑھائے اور بیعت کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ سچا ہی ہو۔ بعض برائے نام پیر بدعقیدہ بھی ہوتے ہیں۔ عقیدہ اگر درست نہیں تو ایسے شخص کی بیعت حرام ہے اسی لئے مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس نہ باید داد در ہر دستا دست

یعنی ہر ہاتھ میں (بغیر دیکھے سمجھے) ہاتھ نہیں دے دینا چاہیئے۔ کیوں بہت سے شیطان بھی آدمیوں کے بھیس میں پھر رہے ہیں۔"

اب میری دعا ہے کہ خدا تعالےٰ ہمیں اپنے مقبول بندوں کی صحبت میں رہنے کی توفیق دے اور ہر بُری مجلس سے محفوظ رکھے۔

آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

۳۶
چھتیسواں وعظ
اچھی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَجْرَھُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (پ ۱۴ ع ۱۹)

(ترجمہ) جو اچھا کام کرے، مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اُسے اچھی زندگی جلائیں گے اور ضرور انہیں اجر دینگے بسبب اُنکے اچھے اعمال کے۔"

حضرات! آجکل ہر شخص کی زندگی جس طور پر گزر رہی ہے۔ سب

پر عیاں ہے۔ پریشانی و بیچینی میں ہر ایک مبتلا ہے۔ بڑی ہی پریشان زندگی کا یہ دور ہے۔ آئیے! آج میں آپ کو قرآن پاک سے مطمئن اور اچھی زندگی حاصل کرنے کا طریقہ بتاؤں۔ قرآن پاک جو اللہ تعالےٰ کا سچا کلام ہے اس میں اچھی زندگی حاصل کرنے کا جو طریقہ بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر اسے اپنا لیا جائے تو سب پریشانیاں دور ہوسکتی ہیں۔

پہلے میں چند ایک تمہیدی کلمات عرض کرتا ہوں۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ اس دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی کام میں مشغول رہتا ہے کوئی تجارت کر رہا ہے۔ کوئی ملازمت کر رہا ہے۔ کوئی صنعت کا دلدادہ ہے اور کوئی زراعت کا شوقین ہے۔ کوئی مکانات کی تعمیر میں مشغول ہے اور کوئی باغات لگانے کی دھن میں ہے۔ غرضیکہ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا ہے۔ دیکھنے میں یہ سارے کام الگ الگ کام ہیں۔ مگر نظرِ عمیق سے دیکھا جائے تو سب کا مقصود و مطلوب ایک ہی ہے۔ یعنی ہر شخص اپنی اچھی زندگی کا خواہاں ہے۔ اور سب یہ چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی آرام سے گزرے۔ اور اسی مقصود کے لئے ہر کسی نے الگ الگ کام اپنا رکھے ہیں۔ جو تجارت کرتا ہے وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ میری زندگی راحت سے گزرے۔ جو ملازمت کر رہا ہے اس کا مقصود بھی یہی ہے کہ میری زندگی آرام سے گزرے۔ جو صنعت کا دلدادہ ہے یا جو زراعت پیشہ ہے وہ بھی اسی مقصد کے لئے یہ کام کر رہا ہے کہ میری زندگی اچھی طرح گزرے۔ یعنی کام الگ الگ ہیں۔ مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے۔

ایک مثال عرض کروں۔ ایک شخص کے پاس ایک سائل آتا ہے۔ وہ روٹی مانگتا ہے۔ دوسرا سائل آیا تو اس نے چاول مانگے۔ تیسرا سائل آیا۔ اس نے گندم طلب کی۔ چوتھا آیا تو اس نے

ایک روپیہ مانگا۔ دیکھئے۔ مانگا سب نے الگ الگ۔ مگر مقصود چاروں کا یہ ہے کہ پیٹ بھرا جائے۔ اسی طرح دنیا میں کسی نے تجارت کی، کسی نے ملازمت اور کسی نے صنعت کو اپنایا اور کسی نے زراعت کو مگر مقصود سب کا ایک ہی ہے کہ زندگی اچھی گزرے۔

میرے بھائیو! میں نے جو آیت شریفہ پڑھی ہے اس میں خود اللہ تعالےٰ نے اچھی زندگی حاصل کرنے کا طریق بیان فرمایا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ طریق وہی کامیاب ہو سکتا ہے جو خود اللہ نے بیان فرمایا ہو۔ ہمارے اپنے جتنے طریقے ہیں۔ غور کر لیجئے کہ ان سے خاطر خواہ آج تک نہ راحت حاصل ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔

دنیا یہ دنیا ہے ہی ایسی کہ یہ ملے یا نہ ملے۔ ہر صورت میں پریشان ہی کرنیوالی ہے۔ ایک عربی شاعر لکھتا ہے ؎

اِذَا اَدْبَرَتْ كَانَتْ عَلَى الْمَرْءِ حَسْرَةً
وَاِنْ اَقْبَلَتْ كَانَتْ كَثِيْرًا هُمُوْمُهَا

یعنی دنیا چلی جائے تو حسرت رہتی ہے اور اگر آ جائے تو کئی فکر ساتھ لاتی ہے" جو لوگ بظاہر روپے پیسے میں کھیلتے نظر آتے ہیں۔ یہ مت سمجھئے کہ وہ مطمئن ہی ہیں۔ نہیں بلکہ جتنا مالدار ہوگا۔ اتنا ہی پریشان زیادہ ہوگا۔

لطیفہ کسی نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے ہاں خیریت ہے۔ تو وہ سخت ناراض ہوکر بولا کہ خیریت ہو تمہارے ہاں میرے ہاں تو خدا کے فضل سے بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں موجود ہیں آج کسی کو بخار ہے تو کل کسی کو زکام ہے۔ کسی کو کھانسی تو کسی کو نمونیہ۔ خیریت تو اس کے ہاں ہو جس کا کوئی نہ ہو۔ خبردار! آئندہ جو ایسا لفظ مجھ سے کہا۔

دیکھا آپ نے؟ یہی حال ہے اہل دنیا کا۔ ان کے ہاں اطمینان کہاں؟ کبھی تجارت میں گھاٹے کا اندیشہ تو کبھی مال کے

چوری ہو جانے کا خطرہ۔ کسی کو بھاؤ گر جانے کا غم تو کسی کو خاطر خواہ نفع نہ ہونے کا رنج۔

بھائیو! یہ دنیوی مال اطمینان و راحت نہیں لاتا بلکہ ہزارہا ہموم و تفکرات ساتھ لاتا ہے۔ اس دن میں آپ ایک کام کرکے ہٹیے۔ تو ہزار کام اور سامنے آجاتے ہیں۔ مال و دولت موجود ہے۔ مگر شادی کی فکر لگی ہوئی ہے۔ شادی بھی ہوگئی اب اولاد کی فکر ہے۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں ساری جائیداد بجائے اطمینان کے اور بھی دل جلاتی ہے کہ اولاد ہی نہیں تو یہ جائیداد کس کام کی۔ کبھی خیال آتا ہے کہ اسے کہیں وقف کردوں۔ کبھی خیال آتا ہے کہ کسی بچے کو متبنیٰ بنا لوں۔ ہزار علاج و کوشش اور دعاؤں سے اولاد ملی تو اب یہ فکر ہے کہ اب یہ بڑا ہو تو اس کی شادی کروں۔ بیٹے کی شادی کے بعد اب یہ دھن ہے کہ بیٹے کے بیٹا ہو اور جب تک پوتے پوتی کا منہ نہیں دیکھ لیتے۔ اسی فکر میں گھلے جا رہے ہیں کہ اولاد کی اولاد نہیں ہے۔

غور کر لیجئے۔ کہ یہ دنیا موجب راحت ہوئی یا موجب صد حسرت و کلفت؟ اور اس کے مقابلہ میں جس کے پاس یہ دنیا نہیں ہے دیکھ لیجئے۔ وہ ان پریشانیوں سے دور ہے اور نسبتاً آرام میں ہے اسی لئے کسی نے کہا ہے۔ کہ ؎

لنگے زیر لنگے بالا نے غم دزد و نے غم کالا

اور کسی دوسرے نے یوں کہا ہے کہ ؎

مجرّد سب سے اعلیٰ ہے
نہ جورو ہے نہ سالا ہے

عبرت آموز اشعار

اس دنیا کے متعلق ایک شاعر نے خوب لکھا ہے کہ ؎

حسرتوں کا مزار ہے دنیا کارواں کا غبار ہے دنیا

عمر برق و شرار ہے دنیا کتنی بے اعتبار ہے دنیا
داغ سے کوئی دل نہیں خالی کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا
ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع عرصۂ کارزار ہے دنیا
گرچہ ظاہر میں صورتِ گل ہے پر حقیقت میں خار ہے دنیا
ایک جھونکے میں ہے اِدھر سے اُدھر چار دن کی بہار ہے دنیا!
رقص بالجبر ہر ایک پتلی کا شعبدہ گر کی تار ہے دنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے
موت کا انتظار ہے دنیا

ہاں تو یہ دنیا ہزارہا ہموم و تفکرات ساتھ لے کر آتی ہے اور جتنی یہ زیادہ ہوتی ہے اسی قدر پریشانیوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

ایک حکایت چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک سیٹھ صاحب نے جنگل میں ایک فقیر کو دیکھا جو ایک تہ بند باندھے ننگے جسم اور ننگے پاؤں ایک درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ سیٹھ صاحب کو اس سے عقیدت پیدا ہوگئی۔ شہر میں آئے اور ایک اچھا سا جوتا خرید کر اس فقیر کے لئے جنگل میں لے گئے اور فقیر سے کہا کہ لیجئے یہ جوتا پہن لیجئے۔ تاکہ زمین کی تپش اور کانٹوں سے پیر بچا رہے۔ فقیر نے مسکرا کر کہا۔ کہ سیٹھ صاحب! مجھے جوتا لینے سے انکار تو نہیں۔ لیکن یہ جوتا نہایت قیمتی اور خوشنما ہے۔ ننگے بدن کے ساتھ اس کی خوبصورتی پر دھبہ لگے گا۔ اس کے ساتھ اسی قسم کی ایک قیمتی پوشاک لازم ہے۔ سیٹھ صاحب بولے۔ ہمیں تو اس بات کی خوشی ہے کہ آپ کوئی حکم دیں۔ یہ معمولی بات ہے میں ایک قیمتی پوشاک بھی لا دوں گا۔ فقیر نے کہا۔ مگر سیٹھ جی اتنی قیمتی پوشاک اور خوبصورت جوتے کے ساتھ کہیں دور جانا پڑے تو پیدل چلنا شان کے خلاف ہے۔ سیٹھ جی نے کہا تو ایک گھوڑا بھی مع زین کے حاضر کر دونگا۔ فقیر نے کہا۔ مگر اس گھوڑے کی حفاظت کون کرے گا؟ سیٹھ نے

کہا۔ بیشک گھوڑے کی خدمت کے لئے ایک نوکر بھی دے دوں گا۔ فقیر نے کہا۔ مگر نوکر کی تنخواہ، گھوڑے کا خرچ اور اس پوشاک کے پرانے ہو جانے کے بعد نئے کپڑوں کا انتظام ۔ اتنا خرچ کون برداشت کرے گا؟ سیٹھ صاحب بولے۔ جناب! آپ کی دعا سے میرے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ میں کچھ زمین آپ کے نام کردوں گا۔ آپ آرام سے زندگی گزاریں گے۔ فقیر نے کہا تو پھر مجھے شادی خانہ آبادی کی بھی ضرورت ہے۔ سیٹھ صاحب بولے۔ یہ بھی ہو جائے گی۔ فقیر نے کہا تو میرے ہاں پھر بچے بھی پیدا ہوں گے۔ سیٹھ صاحب بولے۔ ہاں اس میں کیا شک ہے۔ فقیر نے پوچھا اور سیٹھ صاحب! یہ تو بتائیے کہ اگر میرا کوئی بچہ مرگیا تو پھر روئے گا کون؟

سیٹھ صاحب بولے۔ جناب رونا تو آپ ہی کو پڑے گا۔

فقیر نے ہنس کر کہا۔ تو بھائی اتنے بڑے جنجال میں پھنسانے والا جوتا واپس ہی لے جاؤ۔ نہ یہ جوتا پاؤں میں پڑے۔ اور نہ اتنا دکھ ہو۔

بھائیو! سنا آپ نے۔ کہ یہ دنیوی جُوتا جس نے بھی پہنا۔ ہزارہا دکھ ان کے لئے موجود۔ تو یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ یہ دنیا موجب راحت نہیں ــ موجب راحت تو کچھ اور ہی چیز ہے اور اسی چیز کا مجھے بیان بھی کرنا ہے۔

بھائیو! اچھی زندگی گزارنے کے لئے جو طریقہ اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے۔ بس وہی طریقہ ایسا طریقہ ہے۔ جسے اپنا کر اچھی زندگی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو اچھا عمل کرے اور ہو وہ مسلمان تو ہم اسے اچھی زندگی عطا فرمائیں گے۔" بھائیو! یہ ہے اچھی زندگی پانے کا طریق۔ کہ مسلمان بن کر نیک کام کرو اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چلو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اچھی زندگی پاؤ گے۔

حضرات! یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے جو تابعدار اور مطیع ہیں۔ وہ جس حال میں بھی ہیں خوشی کی چین اور راحت میں ہیں۔ برخلاف ان لوگوں کے جو مطیع نہیں ہیں وہ ہر وقت پریشانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ انہیں کسی وقت بھی چین نہیں آتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ممکن ہے کہ کوئی یوں کہہ دے کہ نہیں صاحب دیکھئے فلاں شخص نماز بھی پڑھتا ہے۔ روزہ بھی رکھتا ہے اور خدا و رسول کا مطیع ہے۔ مگر اسے کئی قسم کی پریشانیاں لاحق ہیں۔ بھائیو! پہلے یہ جان لو کہ نماز، روزہ بڑی ضروری چیزیں ہیں ان کا منکر کافر اور ان کا تارک سخت گنہگار ہے۔ مگر نیک اعمال صرف یہی دو کام نہیں ہیں۔ خدا اور اس کے رسول کا مطیع ہونا ہر ایک کام میں ضروری ہے اور جتنے احکام ہیں۔ سب کی تعمیل ضروری ہے۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے۔ مگر زکوٰۃ نہیں دیتا۔ یا زکوٰۃ بھی دیتا ہے مگر سود کھاتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ تو وہ پورا مطیع نہیں ہے۔

ایک مثال

دیکھئے۔ اگر کسی شخص کے حسن کی تعریف کی جائے کہ اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں۔ اس کے رخسار بڑے حسین ہیں اور اس کی پیشانی چاند کی مثل ہے تو اس کے حسن و جمال کی تعریف سن کر کوئی اس شخص کو دیکھنے کے لئے آ جائے تو اسے نظر آئے کہ واقعی اس کے رخسار، پیشانی اور آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں۔ مگر ناک جڑ سے کٹی ہوئی ہے تو بھائیو! خود ہی سوچ لو کہ ایسے نکٹے حسن و جمال کی کیا قدر باقی رہ سکتی ہے۔ ان آنکھوں، رخساروں کا حسن و جمال تھا تو، مگر ناک کے نہ ہونے سے ان پر بھی پانی پھر گیا۔ اسی طرح سب نماز روزہ وغیرہ سب اچھے کام ہیں۔ اور قابل تعریف مگر دوسری برائیوں کے ہوتے ہوئے شریعت کے نزدیک انکی وہ قدر باقی نہ رہی جو اہل مطیع کے نماز و روزہ کی قدر ہے۔

جسطرح اُسی کو حسین و جمیل کہا جائے گا جس کے سب اعضاء صحیح سالم ہوں۔ اُسی طرح مطیع بھی وہی کہلا سکے گا جس کا ہر کام اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق ہو اور اچھی زندگی کا وعدہ بھی اسی کامل مطیع سے ہے۔

میرے بھائیو! ایک اور بات بھی سمجھ لو کہ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اور بعض اعمال کا تعلق ظاہر سے ہے اور بعض کا باطن سے۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ان کا تعلق ظاہر سے ہے اور اخلاقِ حسنہ مثلاً تواضع، حلم، صبر و رضا اور کبر و غضب سے دوری۔ ان کا تعلق باطن سے ہے۔ تو کامل مطیع وہ ہے جس کا ظاہر بھی مطیع ہو اور باطن بھی۔ یعنی نماز روزہ حج زکوٰۃ بھی ہو اور تواضع، بردباری حلم و انکسار اور صبر و رضا بھی ہو۔ غرض شرعی علامات سے ظاہر بھی صاف ہو اور کبر و غرور اور بغض و عناد سے باطن بھی صاف ہو۔ بس ایسا شخص کامل مطیع ہے اور ایسے ہی کامل مطیع کے لئے وعدہ ہے کہ اُسے اچھی زندگی عطا کی جائے گی۔ یہ نہیں کہ دو چار اچھے کام کر لئے اور اپنے آپ کو پورا دیندار اور کامل مطیع سمجھنے لگے۔ خوب یاد رکھیئے کہ جو پورا پورا مطیع ہے۔ آیت شریفہ کے مطابق یقیناً اس کی زندگی پریشانیوں سے دور ہے۔

کامل مطیع بنو

حضرات! کامل مطیع بننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایک خاص فضل یہ فرمایا ہے کہ اپنے محبوب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم میں مبعوث فرما کر ہمیں فرما دیا ہے۔ کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - یعنی کامل مطیع بننا ہے تو میرے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو اور انکی اداؤں کو اپنا لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک مقدس نمونہ بنا کر بھیجدیا ہے گویا اس نمونہ کے مطابق جو شخص اپنے آپ کو بنالے گا وہی مطیعِ کامل ہے۔ اور جو شخص کسی بات میں بھی

ان کا متبع نہیں وہ مطیع کامل نہیں۔

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ اور ایک بہروپیا

حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ بہت خدا ترس اور متبع شریعت بادشاہ تھے۔ ایک بار آپ کے دربار میں ایک بہروپیا آگیا۔ آپ اس قسم کے نقالوں اور بھانڈوں کے مخالف تھے۔ آپ نے اس بہروپیہ کو ایک لطیفہ حیلے سے ٹالنا چاہا۔ اور کہا۔ کہ تم جب کسی ایسی شکل میں ہمارے سامنے آؤ کہ ہم پہچان نہ سکیں۔ تو انعام دیں گے۔ ورنہ نہیں۔ بہروپیہ نے سلام کیا اور واپس چلا آیا۔ پھر وہ کئی بار مختلف شکلوں میں آیا۔ مگر بادشاہ نے ہر بار پہچان لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ دکن کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ نے سنا کہ یہاں ایک بہت بڑے باکمال درویش ہیں۔ حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ کو درویشوں اور بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ اس درویش کا شہرہ سن کر آپ خود اس کی ملاقات کو گئے اور مل کر بڑے خوش ہوئے۔ حضرت عالمگیر نے بعض مسائل تصوف کا ذکر کیا اور اپنے کچھ شبہات پیش کئے جن کے شافی جواب اس درویش نے دیئے اور بادشاہ بڑا مطمئن اور خوش ہوا اور متاثر ہوکر اشرفیوں بھری ایک تھیلی پیش کی۔ درویش نے وہ تھیلی دور پھینک دی اور کہا۔ مجھے بھی اپنی طرح دنیادار سمجھ لیا ہے۔ حضرت عالمگیرؒ اور بھی زیادہ متاثر ہوئے اور وہ تھیلی اٹھا کر واپس آگئے اور راستے میں اس کی تعریف کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ وہی بزرگ پیچھے تشریف لا رہے ہیں اور آتے ہی بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور انعام مانگا۔ عالمگیرؒ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور غور کرکے پہچانا تو یہ وہی بہروپیا تھا۔ بادشاہ نے حسب وعدہ انعام دیا۔ اور یہ پوچھا کہ میں نے اب مان لیا کہ تو بڑا ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر ہے۔ مگر یہ تو بتلاؤ کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اُس وقت میں نے تجھ کو اس سے کہیں زیادہ دیا تھا۔ اور اشرفیوں بھری تھیلی

دی تھی۔ وہ تونے دور کیوں پھینک دی تھی۔ وہ بولا کہ جو نقل میں نے کی تھی۔ تھیلی کا لے لینا اس نقل کے خلاف تھا۔

حضرات! جو لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متبع نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اس بہروپیہ سے بھی گئے گزرے ہیں۔ بھائیو! دین کی نقل ہی کرو۔ یہاں تو نقل میں بھی فائدہ ہی فائدہ ہے۔ سکول میں کوئی لڑکا کسی کی نقل کرے۔ تو فیل ہو جائے گا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اداؤں کی جو نقل کرے گا وہ پاس ہو جائیگا۔

ہاں تو بھائیو! کامل مطیع جو ہے۔ حسب وعدہ ایزدی اسے اچھی زندگی ضرور حاصل ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ اور بہت بڑے مقبولوں پر بڑے بڑے مصائب و آلام نازل ہوئے اور وہ بڑی بڑی تکلیفوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پھر مزیدار یا اچھی زندگی کیسے ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ والوں کو ان مصائب میں بھی مزہ ہی آتا ہے اور وہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہر آزمائش و تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں اور پریشان نہیں ہوتے۔ انہیں عاشقوں کے متعلق کسی شاعر نے لکھا ہے۔ کہ ؎

مزہ جو مرنے کا عاشق بیاں کبھو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

خدا کی رضا

میرے بھائیو! بات دراصل یہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں نے اپنی رضاء کو خدا کی رضاء کے سامنے مٹا دیا ہوتا ہے وہ ان کا اللہ تعالیٰ سے گویا یہ وعدہ ہوتا ہے کہ اے مولا! جو تیری رضا وہی میری رضا۔

حضرت بہلول کا قصہ

چنانچہ حضرت امام جنید علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ قبرستان میں سے گزرے تو دیکھا کہ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہیں اور بڑے اطمینان سے ذکر حق کر رہے ہیں۔

آپ کھاتے کہاں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ دنیا اللہ کا گھر ہے اور ہم مہمان ہیں۔ اور مہمانی زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار برس کا ہے — چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ تو اس حساب سے تین ہزار برس تک تو دعوت ہی دعوت ہے۔ تین ہزار سال گذر جائیں۔ تو پھر پوچھنا کہ کھاتے کہاں سے ہو۔

الغرض جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل مطیع ہے۔ اسے واقعی اچھی زندگی حاصل ہے۔ خدا تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس کے کامل مطیع بن جائیں اور اطمینانِ قلب جیسی گراں قدر نعمت سے بہرہ ور ہو جائیں!

آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ماہِ طیبہ کی سنت

اہل سنت و جماعت کا
اپنی طرز کا واحد ماہنامہ

ماہِ طیبہ

جو ہر ماہ علمی اور مفید مضامین سے اپنے ناظرین کو محظوظ کرتا ہے مذاہب باطلہ کی تردید اور اہلسنت کی تائید میں محققانہ اور نو طرز میں لکھے ہوئے مقالات پیش کرتا ہے

نظم و نثر کا ایک ایمان افروز رنگین گلدستہ

۵۰ صفحات کتابت و طباعت نفیس نئے نئے بلاکوں سے مزین رنگین ٹائٹل سالانہ چندہ پانچ روپے فی کاپی ۸/
نمونہ طلب کرنے کیلئے ۸/ کے ٹکٹ بھیجئے!

ابو النور محمد بشیر مدیر "ماہِ طیبہ"
کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

عبد المجید بک بائنڈر ریلوے روڈ سیالکوٹ

TITLE PAGE PRINTED AT
THE ARMY PRESS
SIALKOT CITY